فہم اسلام کورس

جامعہ دارالتقویٰ لاہور

ایمانیات

ایمانیات

وجود

لفظ عالم علامت سے نکلا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور وحدانیت پر دلالت کرتا ہے۔کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ جل شانہ کے حکم کا محتاج ہے۔کوئی بھی چیز اللہ جل شانہ کے حکم کے بغیر حرکت نہیں کرسکتی۔

عقلی دلائل کی روشنی میں توحید کی دعوت:

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ جل وشانہ کے وجود و وحدانیت کے اثبات کے لیے فرعون کے سامنے تین عقلی دلائل پیش کیے۔

پہلی دلیل

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا.

یعنی آسمان وزمین اور جتنے موجودات ان میں ہیں، وہ ایک ایجاد کرنے والے پر دلالت کرتے ہیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ ایک بدوی کے ساتھ:

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے 17 سال علم کی طلب کے لیے صحراء میں گزارے۔آپ رحمۃ اللہ نے ایک مرتبہ وہاں کے ایک سادہ لوح آدمی سے دریافت کیا۔ بھلا تمہیں اللہ تعالیٰ کی معرفت کیسے ہوئی ؟ اس نے جواب میں کہا:

البعرة تدل على البعير — والروثة تدل على الحمير

والآثار تدل على المسير — فسماء ذات ابراج

وارض ذات فجاج — و بحارذات امواج

الاتدل على اللطيف الخبير

ترجمہ: (راستے میں گری ہوئی) مینگنیاں (وہاں سے گزرنے والے) اونٹ پر دلالت کرتی ہیں اور لید خچر پر اور قدموں کے نشانات وہاں سے گزرنے والے قافلے پر دلالت کرتے ہیں تو یہ برجوں والے آسمان اور یہ وادیاں، گھاٹیوں والی زمین اور یہ ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر، کیا اس عظیم ہستی پر دلالت نہیں کرتے جو کہ باخبر اور باریک بین ہے؟

دوسری دلیل

رَبُّکُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِکُمُ الْاَوَّلِیْنَ.

جب پہلی دلیل فرعون کی سمجھ میں نہیں آئی تو حضرت موسیٰ نے ایک ایسی دلیل پیش کی جو مخالفین کے مشاہدے سے قریب تر تھی۔ وہ یہ کہ اللہ جل شانہ نے ان کے آباء و اجداد کو عدم سے وجود بخشا۔ پھر انہیں مارنے کے بعد تمہیں عدم سے وجود بخشا اور زمین کو آباد کیا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ o اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ o

ترجمہ: کیا یہ لوگ بدون کسی خالق کے خود بخود پیدا ہو گئے؟ یا یہ خود اپنے خالق ہیں؟ یا انہوں نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ یہ لوگ (بوجہ جہل کے توحید کا) یقین نہیں رکھتے۔

اللہ جل شانہ نے انسان کو اپنی عملی زندگی میں اسباب کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ لیکن نہ تو یہ اسباب خود بخود وجود میں آئے اور نہ ان اسباب میں بذات خود کارنامہ انجام دینے کی طاقت موجود ہے۔ حقیقت میں ان اسباب کو پیدا کرنے والا اور اس کے نتیجے میں واقعات کو وجود میں لانے والا صرف ایک اللہ جل شانہٗ ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (84) سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (85) قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ (86) سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ (87) قُلْ مَنْۢ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (88) سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ o (سورة مومنون)

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کس کے لیے ہے زمین اور جو کچھ اس میں ہے؟ اگر تم جانتے ہو، اس کے جواب میں وہ کہیں گے اللہ ہی کے لیے ہے۔ آپ فرمائیے پھر کیوں غور نہیں کرتے۔ آپ فرما دیجئے ساتوں آسمان کا اور عرش عظیم کا رب کون ہے۔ وہ جواب دیں گے سب کچھ اللہ کے لیے ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے۔ آپ فرمائیے کہ وہ کون ہے جس کے قبضے میں ہر چیز کا اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔ اگر تم جانتے ہو۔ وہ کہیں گے کہ یہ صفات اللہ ہی کے لیے ہیں۔ آپ فرما دیجئے پھر تم کہاں ہو جادو کیسے ہوئے؟

اور اللہ جل شانہ نے فرمایا:

وَ اِذَا غَشِیَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ o

ترجمہ: جب ان پر کوئی موج سائبانوں کی طرح چھا جاتی ہے تو اللہ کو خالص اطاعت کے ساتھ پکارتے ہیں۔ پھر جب ان کو بچا کر خشکی تک پہنچا دیتا ہے تو (اس وقت) کچھ تو ان میں سے اعتدال پر رہتے ہیں۔

واقعہ نزول

فتح مکہ کے وقت حضرت عکرمہ بن ابو جہل مکہ سے بھاگ کر سمندر کے کنارے پہنچ گئے اور ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ راستے میں طوفان آ گیا۔ عکرمہ نے کہا کہ اگر اللہ مجھے اس طوفان سے محفوظ رکھ کر کنارے پر پہنچا دے گا تو میں اپنا ہاتھ محمد ﷺ کے ہاتھ میں جا کر دے دوں گا۔ حضرت عکرمہ کے اس قول سے طوفان تھم گیا اور حضرت عکرمہ مکہ واپس آ کر مسلمان ہو گئے۔

حضرت امام ابو حنیفہ کا دہریوں کے ساتھ قصہ

ایک مرتبہ دہریوں (یعنی خدا کے وجود کے منکر لوگوں) کا ایک گروہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان کو قتل کرنے کے ارادے سے آیا۔ امام صاحب نے ان سے فرمایا: تم ایسے شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جو یہ کہے کہ میں نے دریا میں سامان سے بھری ہوئی ایک کشتی دیکھی ہے، جو اس کنارے سے خود بخود سامان لیے جاتی ہے اور دوسرے کنارے پر لے جا کر اتارتی ہے اور دریا کی موجوں کو چیرتی ہوئی سیدھی نکل جاتی ہے اور کوئی ملاح اس کے ساتھ نہیں ہے۔ خود بخود سامان اس میں لد جاتا ہے اور خود بخود اتر جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ بات تو ایسی خلاف عقل ہے کہ کوئی عاقل اس کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ امام صاحب نے کہا: افسوس تمہاری عقلوں پر جب ایک کشتی ملاح کے بغیر نہیں چل سکتی تو سارے عالم کی کشتی بغیر ملاح کے کیسے چل سکتی ہے؟ اس پر وہ مبہوت ہو گئے اور سب کے سب تائب ہو کر آپ کے ہاتھ پر مشرف اسلام ہوئے۔

دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے ان کا کسی سے بن نہ آیا تیرا

تیسری دلیل

فرعون کیونکہ خود کو خدا اور قادر مطلق سمجھتا تھا لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آخر میں اللہ جل شانہ کی قدرت کی ایسی زبردست دلیل بیان کی کہ جس کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ یہ کہ اللہ جل شانہ مشرق و مغرب کا رب ہے۔ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے۔ مغرب میں غروب کرتا ہے، جس سے رات دن کا نظام وجود میں آتا ہے۔ جس میں مخلوق کے لیے بے شمار مصلحتیں ہیں۔ کائنات کے اس نظام کو چلانے میں کسی کو ذرہ برابر مداخلت کا اختیار نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی نمرود کے سامنے یہی دلیل پیش کی جسے سن کر وہ دنگ رہ گیا۔

قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ .

ترجمہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آفتاب کو (روز کے روز) مشرق سے نکالتا ہے پھر تو (ایک ہی دن) مغرب سے نکالدے اس پر وہ کافر متحیر رہ گیا۔

اب جب فرعون سے کوئی جواب نہ بن سکا تو دھمکیوں پر اتر آیا اور قید کی دھمکی دینے لگا اس کی قید کے بارے میں مشہور تھا کہ موت سے بھی بدتر ہے۔

فرعون نے جب ان دلائل پر غور نہ کیا اور دھمکیوں پر اتر آیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کے سامنے معجزات ظاہر کر دیئے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حقیقت میں آفاق میں اللہ جل وشانہ کے وجود و واحدانیت اور قدرت و ربوبیت کی جو نشانیاں پائی جاتی ہیں وہی ایمان لانے کے لیے کافی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام نے ہمیشہ معرفت کے دلائل کی روشنی میں دعوت دی۔ لیکن جب ان کے مخالفین نے حق قبول نہ کیا تو مجبور ہو کر قوم کو حسی معجزات دکھا کر قائل کرنے کی کوشش کی۔

وحدانیت

اللہ جل شانہ واحد ہیں۔ خود اللہ جل شانہ نے قرآن پاک میں اپنا تعارف فرمایا:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (1) اَللّٰهُ الصَّمَدُ (2) لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ (3) وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (4) (سورة اخلاص)

ترجمہ: کہہ دیجئے وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے (کسی کو) جنا ہے اور نہ (کسی نے) اس کو جنا اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هو وَالْمَلٰئِكَةُ وأُولُوا الْعِلْم قَائِمَاً بِالْقِسْطِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُo

ترجمہ: وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور اہل علم بھی اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ وہ انصاف قائم رکھنے والا ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ غالب حکمت والا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ ہی بس وہ اکیلی ذات ہیں جس نے سب کو پیدا کیا اور جو سب کو روزی پہنچاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ. (انبياء 22)

ترجمہ: اگر ان دونوں (آسمان و زمین) میں اور معبود ہوتے اللہ کے سوا، تو البتہ (زمین و آسمان) درہم برہم ہو جاتے۔ پس عرش عظیم کا رب "اللہ" اس سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔

یعنی اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا کوئی معبود ہوتے تو آسمان و زمین کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

کیونکہ ایک کا ارادہ کچھ ہوتا، اور دوسرے کا کچھ ہوتا اس طرح ٹکراؤ ہو جاتا اور اس ٹکراؤ کا اثر آسمان و زمین کے نظام پر ہونا لازم تھا۔ جب آسمان زمین میں فساد نہیں ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معبود صرف ایک ہے اگر ہم اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرا رہے ہیں تو اس کا ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں کیونکہ پچھلی کتابیں یعنی تورات، زبور انجیل اور دیگر صحیفے بھی اللہ کی واحدانیت کی گواہی دیتے ہیں۔ اس مضمون کو سورۃ مومنون میں یوں فرمایا:

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَo

ترجمہ: اللہ نے کوئی اولاد اپنے لیے نہیں بنائی نہ اس کے ساتھ کوئی معبود ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی اپنی مخلوق کو جدا کر لیتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا۔ جب یہ سب باتیں نہیں ہیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ معبود صرف ایک ہی ہے۔

اس طرح جسم انسان کو سب ایک طریقہ پر بنایا۔ سب کا ایک ہی مزاج اور ایک ہی طریقہ ایک ہی جذبہ وغیرہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا مدبر اور ان اعمال کا کرنے والا ایک ہی ہے۔

وَهُوَ الَّذِىْ فِى السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِى الْاَرْضِ اِلٰهٌo

یعنی آسمانوں کے بھی صرف اللہ ہی معبود ہیں اور زمینوں کے بھی۔ اس کی ہی عبادت کرتے ہیں اور اس کو ایک جانتے ہیں (اس کی توحید بیان کرتے ہیں) اور اس کی اہمیت اور واحدانیت کا اقرار کرتے ہیں جو بھی آسمانوں میں ہیں اور زمینوں میں ہیں اور اسے امید وخوف سے پکارتے ہیں۔

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَo

ترجمہ: ان کے پہلوں بستر سے الگ رہتے ہیں۔ وہ اپنے رب کو پکارتے ہیں ڈر اور امید سے اور جو ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔

قدرت

اللہ جل شانہ کا پاک ارشاد ہے:

اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ (190) الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِo

ترجمہ: بلاشبہ آسمانوں اور زمینوں کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں دلائل ہیں اہل عقل کے لیے، جن کی حالت یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو یاد

کرتے ہیں کھڑے بھی بیٹھے بھی لیٹے بھی۔ اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) اے ہمارے پروردگار! آپ نے اس کو لا یعنی پیدا نہیں کیا۔ ہم آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ سو ہم کو عذابِ دوزخ سے بچا لیجئے۔

یعنی اللہ جل شانہ نے یہ جو آسمان و زمین کے نظام کو اپنی قدرت سے بنایا کہ آسمان کو اونچا اور وسیع بنایا اور زمین کو نیچا اور بچھونا بنایا اور ان دونوں میں اللہ تعالیٰ کی کھلی نشانیاں ہیں۔ چاند، سورج، ستارے، کھیت اور مختلف رنگوں کے پھل پھول، چوپائے اور معدنیات اور ہر ایک کے مختلف منافع اور مزے اور خوشبوئیں اور رات اور دن کا نظام، کہ ایک کے بعد دوسرا آتا ہے اور کبھی دن لمبا ہوتا ہے رات چھوٹی۔ ان سب میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ پس اللہ عز وجل نے اپنی نشانیوں اور مخلوقات میں غور وفکر کرنے والوں کی تعریف فرمائی اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے رب نے مجھے نو باتوں کا حکم فرمایا، جس میں ایک یہ ہے کہ میری نظر عبرت کی ہو اور حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے کہ ایک گھڑی کا غور وفکر پوری رات کی عبادت سے افضل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منقول ہے: خوشحالی ہے اس کے لیے جس کا کلام نصیحت ہو اور اس کا خاموش رہنا غور وفکر ہو اور اس کی نظر عبرت کی نظر ہو۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان مشرکوں کی برائیوں کو بیان کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مناظر میں غور نہیں کرتے۔ (تفسیر ابن کثیر، ج 1)

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَ هُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ (105)

ترجمہ: اور بہت سی نشانیاں ہیں آسمانوں اور زمین میں جن پر ان کا گذر ہوتا رہتا ہے اور وہ ان کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

اللہ جل شانہ چاہتے ہیں کہ انسان اپنے ارد گرد غور فکر اور تدبر کرے کہ کس طرح اللہ نے انسان کو اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡم بنایا (یعنی خوبصورت سانچے میں ڈھالا اور اس کے ساتھ جو چیزیں ہیں ان کو بھی بہترین نمونہ پر بنایا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا:

اَفَلَا يَنۡظُرُوۡنَ اِلَى الۡاِبِلِ كَيۡفَ خُلِقَتۡ (17) وَاِلَى السَّمَآءِ كَيۡفَ رُفِعَتۡ (18) وَاِلَى الۡجِبَالِ كَيۡفَ نُصِبَتۡ (19) وَاِلَى الۡاَرۡضِ كَيۡفَ سُطِحَتۡ (سورة غاشيه. آيت 17-20)

ترجمہ: کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح (عجیب طور پر) پیدا کیا گیا ہے؟ اور آسمان کو (نہیں دیکھتے) کس طرح بلند کیا گیا ہے؟ اور پہاڑوں کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح کھڑے کیے گئے ہیں؟ اور زمین کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بچھائی گئی ہے؟

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ انسان اپنے ارد گرد کی

چیزوں میں اللہ عزوجل کی عظمت کو دیکھیں جو کہ بالکل واضح اور عیاں ہے۔ جیسا کہ اونٹ، جس پر وہ سواری کرتا ہے جس میں وہ خصوصیات ہیں جو اس کے بنانے والے (اللہ جل شانہ) کی کمال تخلیق کی مثال ہیں۔ مثلاً:

1- اونٹ صحرا کے ناخوشگوار پودے کھا لیتا ہے جو اس کے علاوہ دوسرے جانور نہیں کھا سکتے۔

2- پانی پر کئی کئی دن تک صبر کر سکتا ہے۔

3- ایک ہی وقت میں اپنے مالک کے لیے سواری، وزن کا اٹھانا، دودھ اور گوشت، سب چیزوں کے لیے کافی ہے۔

4- اتنا فرمانبردار ہوتا ہے کہ اگر ایک بچہ بھی اس کی نکیل پکڑ کر چلائے تو چلنے لگتا ہے۔

5- اس کا حافظہ اتنا قوی ہوتا ہے کہ اگر ایک دفعہ بھی کسی راستے کو دیکھ لے تو اسے ذہن نشین کر لیتا ہے، چاہے کتنا بھی دشوار ہو، چاہے پہاڑوں اور وادیوں سے بھی گزر کر آیا ہو، وہاں تک دوبارہ پہنچا دیتا ہے۔

پس اونٹ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بہت سے نمونوں میں سے ایک ادنی سا نمونہ ہے۔ (الجواہر طنطاوی۔ مجلد 13، صفحہ 148)

وَاِلَى السَّمَآءِ كَيۡفَ رُفِعَتۡ.

گویا آسمان بھی انسان کو غور وفکر کی دعوت دیتا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے آسمان کو اپنی قدرت سے بغیر کسی ستون کے بلند کیا ہے۔ یہ ایک چادر ہے کہ جس میں کوئی شگاف نہیں اور ہر نقص سے پاک ہے کہ ہزاروں سالوں سے اسی طرح انسانوں پر قائم ہے اور اس کی بناوٹ میں کوئی فرق نہیں آیا اور اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کی نشاندہی قرآن پاک کی یہ آیت کرتی ہے۔

وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡغَفُوۡرُ (2) الَّذِىۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰى فِىۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ هَلۡ تَرٰى مِنۡ فُطُوۡرٍ (3) ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ كَرَّتَيۡنِ يَنۡقَلِبۡ اِلَيۡكَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيۡرٌ (4) وَلَقَدۡ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡيَا بِمَصَابِيۡحَ. (سورۃ الملک آیت 2-5)

ترجمہ: اور وہ زبردست اور بخشنے والا ہے، جس نے آسمان اوپر تلے پیدا کیے۔ تو خدا کی اس صنعت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا۔ سو تو (اب کی بار) پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے؟ پھر بار بار نگاہ ڈال کر دیکھ (آخر کار) نگاہ ذلیل اور تھکی ماندہ ہو کر پھر تیری طرف لوٹ آئے گی۔ اور ہم نے قریب کے آسمانوں کو چراغوں (یعنی ستاروں) سے آراستہ کر رکھا ہے۔

اللہ عزوجل نے بڑے بڑے آسمان بنائے اور ایک نہیں بلکہ سات آسمان بنائے حدیث کا مفہوم ہے کہ

اگر پہلے آسمان کا مقابلہ دوسرے آسمان سے کیا جائے تو وہ ایسا ہے جیسا کہ ایک بہت بڑے میدان میں چھلا پڑا ہو۔ اسی طرح ساتوں آسمانوں کی مثال ہے اور یہ اسی ذات واحد اور ذات پاک کا کرشمہ ہے کہ اس کے عظمت وجلال کی کرسی ان سب کو گھیرے ہوئے ہے۔

اسی قادرِ مطلق نے چاند اور سورج کا بھی نظام بنا کر زمین کو منور کرنے کا بندوبست کیا کہ چاند کی روشنی زمین تک میلوں کا فاصلہ صرف ایک اور ایک تہائی (1.3) سیکنڈ میں طے کرتی ہے اور سورج کی روشنی 8 منٹ اور 18 سیکنڈ میں زمین تک پہنچتی ہے اور خلاء میں یہ صفت رکھی کہ وہ زمین تک سورج کی نقصان دہ کرنوں کو نہیں پہنچنے دیتی۔

وَاِلَی الۡجِبَالِ کَیۡفَ نُصِبَتۡ o

یہ جو زمین پر بڑے بڑے پہاڑ کھڑے نظر آتے ہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے شاہکار ہیں۔ یہ اس ذات پاک کی قدرت ہے کہ اس نے ان کو زمین میں نصب کیا ہوا ہے اس طرح کہ اپنی جگہ مضبوطی سے قائم ہیں اسی بات کو قرآن میں بیان فرمایا گیا ہے۔

اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِهٰدًا (6) وَّالۡجِبَالَ اَوۡتَادًا o (سورة النساء 6-7)

ترجمہ: کیا ہم نے زمین کو نہیں بنایا بچھونا (فرش) اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا؟

یہ بوجھل پہاڑ زمین میں میخوں کی طرح گڑے ہوئے ہیں کہ جتنے بلند زمین کے اوپر نظر آتے ہیں اتنے ہی زمین کی گہرائیوں تک موجود ہیں کہ زمین کو حرکت نہیں کرنے دیتے تاکہ اہل زمین اطمینان اور سکون سے رہیں۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَ جَعَلۡنَا فِی الۡاَرۡضِ رَوَاسِیَ اَنۡ تَمِیۡدَ بِهِمۡ o (سورة الانبیاء آیت 31)

ترجمہ: اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنائے تاکہ وہ ان (لوگوں) کے ساتھ جھک نہ پڑے۔

یہ پہاڑ بھی مختلف اقسام کے ہیں کہ ان میں کچھ پتھریلے ہیں کہ ان میں چٹانوں اور پتھروں کے سوا کچھ نہیں۔ کچھ زرخیز ہیں کہ ان کی مٹی نرم اور گیلی ہے۔ اور یہ پہاڑ انواع واقسام کے بیل بوٹوں اور پھل دار درختوں سے بھرے ہیں۔ اور بعض پہاڑ ایسے ہیں کہ ان کو برف نے ڈھانکا ہوا ہے اور حسین منظر پیش کرتے ہیں۔ اللہ جل شانہ نے کچھ پہاڑ ایسے بھی بنائے کہ وہ آتش فشاں ہیں اور لاوا اگلتے ہیں۔

وَ مِنَ الۡجِبَالِ جُدَدٌۢ بِیۡضٌ وَّ حُمۡرٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهَا وَ غَرَابِیۡبُ سُوۡد o (سورة فاطر آیت 27)

ترجمہ: اور پہاڑوں میں قطعات (گھاٹیاں) ہیں سفید اور سرخ، ان کے رنگ مختلف ہیں۔ اور (کچھ) گہرے سیاہ رنگ کے۔

وَاِلَی الۡاَرۡضِ کَیۡفَ سُطِحَتۡ

اللہ جل شانہ نے زمین کو بچھونا بنایا۔اللہ پاک نے قرآن پاک میں فرمایا:

وَالۡاَرۡضَ فَرَشۡنٰھَا فَنِعۡمَ الۡمٰھِدُوۡنَ. (سورۃ الذریت آیت 48)

ترجمہ: اور ہم نے زمین کو فرش کے طور پر بنایا۔سو ہم کیسے اچھے بچھانے والے ہیں۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ بِسَاطًا (19) لِّتَسۡلُکُوۡا مِنۡھَا سُبُلًا فِجَاجًاo

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا تا کہ تم چلو پھرو، اس کے کشادہ راستوں میں۔

اللہ عزوجل نے زمین کو ایک قالین کی طرح بچھا دیا اِتنا مضبوط کہ لوگ اس پر رہ سکیں اور اس قالین کی ایک مضبوط سطح ہے جس پر ہم رہ سکتے ہیں کیونکہ زمین کے اندر کچھ ایسے مادے ہیں کہ وہ اگر باہر آ جائیں تو زمین پر رہنا مشکل ہو جائے۔اور اللہ سبحان وتعالیٰ نے زمین کو ہموار بنایا اور اس میں پیداوار کو آسان کر دیا زمین کو اللہ نے چار طرح کا بنایا۔

1- بنجر صحرا

2- آب دار یعنی پانی والی جگہیں

3- پہاڑ اور ٹیلے اور وادیاں

4- گاؤں اور کھیت

پس کہیں تو اللہ جل شانہ نے زمین کو اتنا زرخیز اور ہرا بھرا کر دیا کہ پیداوار کو بالکل ہی آسان کر دیا اور کہیں صحرا بنا دیئے اور کہیں نہریں جاری کر دیں۔زمین کے دو حصے آپس میں ملے ہوئے ہوتے ہیں لیکن ان میں سے ایک بنجر ہوتا ہے اور ایک زرخیز یہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی گواہی دیتے ہیں تا کہ مسلمان حق الیقین لائے اور اپنے رب کو حق المعرفہ پہنچانے۔

وَ فِی الۡاَرۡضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّ زَرۡعٌ وَّ نَخِیۡلٌ صِنۡوَانٌ وَّ غَیۡرُ صِنۡوَانٍ یُّسۡقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَ نُفَضِّلُ بَعۡضَھَا عَلٰی بَعۡضٍ فِی الۡاُکُلِ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ. (سورۃ الرعد آیت 3)

اور زمین میں پاس پاس (اور پھر) مختلف قطعے ہیں اور انگوروں کے باغ ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجوریں ہیں جن میں بعض تو ایسے ہیں کہ تنے سے اوپر جا کر دو تنے ہو جاتے ہیں اور بعض میں دو تنے نہیں ہوتے۔سب کو ایک ہی طرح کا پانی دیا جاتا ہے اور ہم ایک کو دوسرے پر

پھلوں میں فوقیت دیتے ہیں۔ ان امور مذکورہ میں بھی سمجھ داروں کے واسطے (توحید کے) دلائل موجود ہیں۔

وَ مَا یَسۡتَوِی الۡبَحۡرٰنِ ھٰذَا عَذۡبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُہٗ وَ ھٰذَا مِلۡحٌ اُجَاجٌ وَ مِنۡ کُلٍّ تَاۡکُلُوۡنَ لَحۡمًا طَرِیًّا وَّ تَسۡتَخۡرِجُوۡنَ حِلۡیَۃً تَلۡبَسُوۡنَھَا. (سورۃ فاطر. 13)

ترجمہ: اور دونوں دریا برابر نہیں ہیں۔ (بلکہ) ایک تو شیریں پیاس بجھانے والا ہے جس کا پانی خوشگوار ہے اور دوسرا شور تلخ ہے اور ہر ایک سے تم تازہ گوشت کھاتے ہو اور (ان میں سے) تم زیور (موتی) نکالتے ہو جس کو تم پہنتے ہو۔

سمندر بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کی قدرت کے نمونوں میں سے ایک نمونہ ہے۔ بعض سمندر میٹھے پانی کے ہیں کہ ان کا پانی پیو تو خوب میٹھا اور شیریں ہوتا ہے جو پیاس بجھاتا ہے اور گلے سے آسانی سے اترتا ہے اور بعض سمندر کا پانی بہت زیادہ نمکین شور ہے کہ وہ پیاس نہیں بجھا سکتا اور نہ گلے سے اترتا ہے۔

سمندروں کی شیرینی اور لقیا دونوں اللہ ہی کی قدرت کی بدولت ہے اور دونوں میں انسانوں کے لیے نفع ہے کہ نمکین کی بدولت پانی خراب نہیں ہوتا اور سمندر میں جانور ہوتے ہیں وہ مرنے کے بعد سڑتے نہیں۔ اور شیرینی کی بدولت پانی پینے کے قابل ہوتا ہے اور پیاس بجھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے علاوہ سمندر سے دیگر فوائد انسان کو پہنچائے کہ مچھلیوں کی شکل میں تازہ گوشت انسان کو مہیا کیا۔ ساتھ ساتھ سمندروں کی گہرائیوں میں سیپی اور موتی پیدا کیے کہ جو انسان کی زیبائش کا کام دیتے ہیں۔

پس انسان دنیا کی جس چیز پر بھی نگاہ فکر ڈالے اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے شاہ کار نظر آئیں گے۔ کائنات کی ہر شے اللہ عزوجل کی قدرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا علم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

هُوَ اللّٰهُ الَّذِىۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ‌ عٰلِمُ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ‌ هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِيۡمُ o (سورة الحشر. 22)

ترجمہ: وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی اور معبود (بننے کے لائق) نہیں۔ وہ جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا، اور ظاہر چیزوں کا۔ وہی بڑا مہربان رحم والا ہے۔

تشریح:

اللہ پاک یہ بتا رہے ہیں کہ صرف وہ معبود ہیں ان کے سوا کوئی رب نہیں اور نہ ہی ان کے علاوہ کوئی وجود ہے۔ اللہ پاک کے علاوہ جس کی بھی عبادت کی جائے وہ باطل ہے۔ وہ **عٰلِمُ الۡغَيۡبِ والشَّهَادَةِ** ہیں یعنی تمام کی تمام کائنات کو جانتے ہیں جو ہمارے سامنے ہے اور جو ہم سے غائب ہے۔ آسمان اور زمین میں کوئی چیز ان سے مخفی نہیں، چاہے واضح ہو یا حقیر ہو، بڑی ہو یا چھوٹی ہو، حتی کہ اندھیروں کے ذرات بھی ان سے اوجھل نہیں۔ وہ "الرحمٰن الرحیم" یعنی وسیع رحمت والے ہیں۔

وَ رَبُّکَ یَعۡلَمُ مَا تُکِنُّ صُدُوۡرُہُمۡ وَ مَا یُعۡلِنُوۡنَo (سورة القصص. 69)

ترجمہ: اور آپ کا رب سب چیزوں کی خبر رکھتا ہے جو ان کے دلوں میں پوشیدہ رہتا ہے اور جس کو یہ ظاہر کرتے ہیں۔

تشریح: یعنی اللہ پاک وہ بھی جانتے ہیں جو ضمائر کے اندر چھپا ہوا ہے اور ان تمام رازوں کو بھی جانتے ہیں جو دلوں میں پوشیدہ ہیں۔

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ وَنَعۡلَمُ مَا تُوَسۡوِسُ بِهٖ نَفۡسُهٗ ‌ۖۚ وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ o (سورة ق 128)

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے جی میں جو خیالات آتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں اور ہم انسان کے اس قدر قریب ہیں کہ اس کی گردن سے بھی زیادہ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ انسان کو اپنی قدرت کے بارے میں بتا رہے ہیں کہ ان کا علم انسان کے تمام امور کو

محیط ہے حتیٰ کہ اللہ پاک اس خیر اور شر کو بھی جانتے ہیں جو اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ وَ نَحۡنُ اَقۡرَبُ سے مراد اللہ کے فرشتے ہیں یعنی فرشتے انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں اور اس کی بھی قدرت ان کو اللہ پاک نے عطا فرمائی ہے۔

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ مَا يَكُوۡنُ مِنۡ نَّجۡوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمۡ وَلَا خَمۡسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمۡ وَلَاۤ اَدۡنٰى مِنۡ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكۡثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمۡ اَيۡنَ مَا كَانُوۡا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمۡ بِمَا عَمِلُوۡا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ. (سورة المجادلة: 7)

ترجمہ: کیا آپ نے اس پر نظر نہیں فرمائی کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ کوئی سرگوشی تین آدمیوں کی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ یعنی اللہ تعالیٰ نہ ہو اور نہ پانچ کی سرگوشی ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو اور نہ اس (عدد) سے کم (میں) ہوتی ہے (جیسے دو یا چار آدمیوں میں) اور نہ اس سے زیادہ مگر وہ (ہر حالت میں) ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے خواہ وہ لوگ کہیں بھی ہوں۔ پھر ان سب کو قیامت کے روز ان کے کیے ہوئے کام بتا دے گا۔ بیشک اللہ کو ہر بات کی پوری خبر ہے۔

تشریح: اللہ پاک کا علم اپنی مخلوق کو پورا محیط ہے اور اللہ کو ان کی پوری اطلاع ہے اور اللہ ان کی باتوں کو سنتے ہیں اور ان کی جگہ اور مکان کو دیکھنے والے ہیں۔ جہاں کہیں بھی وہ ہوں۔ اگر تین لوگ چپکے چپکے باتیں کریں تو اللہ پاک ان کے چوتھے ہیں۔ یعنی ہر بات کے سننے والے اور ہر چیز پر مطلع ہیں اور اللہ تعالیٰ کا سننا بھی ان کے علم کی طرح محیط ہے۔ یہ اللہ کے علم کی ایسی جامع آیت ہے جس کو اللہ نے علم سے شروع کیا اور علم ہی پر ختم کیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَ عِنۡدَهٗ مَفَاتِحُ الۡغَيۡبِ لَا يَعۡلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ وَ يَعۡلَمُ مَا فِى الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ وَ مَا تَسۡقُطُ مِنۡ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعۡلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِىۡ ظُلُمٰتِ الۡاَرۡضِ وَ لَا رَطۡبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ٥ (سورة الانعام 59)

حضرت سالم بن عبداللہ سے روایت ہے کہ وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **مَفَاتِحُ الۡغَيۡبِ** یعنی مخفی اشیاء کے خزانے پانچ ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

ترجمہ: اور اس کے یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں خزانے تمام مخفی اشیاء کے ان کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے۔ اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں اور جو کچھ دریاؤں میں ہے۔ اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور خشک چیز گرتی ہے مگر

یہ سب کتاب مبین میں ہے۔

تشریح: یعنی اللہ پاک کا کریم علم تمام موجودات کو محیط ہے۔ بر بھی، اور بحر بھی، زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ سے مخفی نہیں۔ چاہے ایک ذرہ ہی کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ ایک شاعر فرماتے ہیں۔

فلا يخفى عليه اللزر اما ترا ء ى للنواظر او توارى

ترجمہ: کوئی ذرہ بھی اللہ سے مخفی نہیں چاہے نگاہوں کے سامنے ہو یا اوجھل۔

یعنی اللہ پاک تمام حرکات کو جاننے والے ہیں یہاں تک کہ زرات کی حرکت کو بھی جانتے ہیں، تو حیوانات کی حرکات سے کیونکر غافل ہو سکتے ہیں۔ خاص طور سے جن اور انسان جو کہ شریعت کے مکلّف بھی ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ براور بحر میں کوئی درخت ایسا نہیں جس پر ایک فرشتہ مقرر نہ ہو جو ہر وہ چیز لکھتا ہے جو اس پر سے گرتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زمین میں کوئی درخت اور سوئی کے ناکے کے برابر ایسی جگہ نہیں جس پر ایک فرشتہ مقرر نہ ہو جو اللہ کے پاس اس کا علم لے کر جاتا ہے۔ اس کی خشکی جب وہ خشک ہو اور تری جب وہ تر ہو جائے، اس کا علم اللہ پاک کو دیتا ہے حالانکہ اللہ علیم ہیں ہر چیز کے جاننے والے ہیں۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ○ (سورة النحل 69)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ جتنی مخلوقات آسمان اور زمین (یعنی عالم میں) موجود ہیں (ان میں سے) کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا۔ بجز اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کے کوئی اور غیب کا جاننے والا نہیں ہے۔

حدیث: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جو کہے کہ حضور ﷺ کل کی بات جانتے تھے اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ پر بہتان عظیم باندھا۔ اس لیے کہ اللہ فرماتا ہے زمین و آسمان والوں میں سے کوئی بھی غیب کا علم جاننے والا نہیں۔ (صحیح بخاری)

جیسا کہ بہت سے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ آئندہ کا علم، غیب کا علم ستاروں کے ذریعے معلوم ہوتا ہے یہ عقیدہ صحیح نہیں جیسا کہ حدیث سے واضح ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں میں تین فائدے رکھے ہیں (1) آسمان کی زینت (2) بھولے بھٹکوں کی رہبری (3) شیطان کی مار۔ کسی اور بات کا ان کے ساتھ عقیدہ رکھنا اپنی رائے سے بات بنانا اور خود ساختہ تکلیف اور عاقبت کے حصے کو کھونا ہے۔

جاہلوں نے ستاروں کے علم نجوم کو سامنے رکھ کر فضول باتیں بنائی ہیں کہ اس ستارے کے وقت جو نکاح کرے، یوں ہوگا، فلاں ستارے کے موقع پر سفر کرنے سے یہ ہوتا ہے، فلاں ستارے کے وقت جو تولد ہوا وہ ایسا ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔ ان کی اس بکواس کے خلاف اکثر دلائل ہیں۔ ہر ستارے کے وقت کوئی کالا، گورا، ٹھگنا، لمبا، خوبصورت، بدشکل پیدا ہوتا ہی رہتا ہے۔ نہ کوئی جانور غیب جانے، نہ پرندے سے غیب حاصل ہو سکے، نہ ستارے غیب کی رہنمائی کریں۔ سو اللہ کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ آسمان و زمین کی کل مخلوق غیب سے بے خبر ہے۔ انہیں تو اپنے اٹھنے کا وقت بھی معلوم نہیں ہے۔

توحید الربوبیّۃ والرّحمۃ

توحید الربوبیۃ کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ اکیلے رب ہیں۔ لفظ ''رب'' کے معنی عربی لغت کے اعتبار سے تربیت و پرورش کرنے والے کے ہیں۔ اور تربیت اس کو کہتے ہیں کہ کسی چیز کو اس کے تمام مصالح کی رعایت کرتے ہوئے درجہ بدرجہ آگے بڑھایا جائے یہاں تک کہ وہ حد کمال کو پہنچ جائے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَo

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

یہ ہمیں بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اور وہ جہان اتنے ہیں کہ ہم تصور ہی نہیں کر سکتے کہ کتنے وسیع اور زیادہ ہیں۔

عالم دو طرح کے ہوتے ہیں۔ (1) عالم علوی (اوپر کا عالم) (2) عالم سفلی (نچلا عالم)۔ اللہ جل شانہ کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ عالم میں شامل ہے۔ عالم علوی میں سورج، ستارے، چاند سب شامل ہیں اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک حسین عورت اور اس کے بچے پھر ان بچوں کے بچے یعنی نسل بڑھتی جا رہی یہاں تک کہ تعداد ہزاروں لاکھوں کروڑوں تک پہنچ گئی یعنی اس طرح ہمارے یہ سارے نظام چاند سورج ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنے دائرے میں گھوم رہا ہے جس کو اللہ جل شانہ نے فرمایا:

وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَo (سورۃ یس آیت: 40)

ترجمہ: اور سب اپنے دائرے میں گردش کرتے ہیں۔

اسی طرح ایک کے بعد دوسرے ہیں اور وہ سب آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں اور عقل اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ط (سورۃ مدثر آیت: 31)

ترجمہ: اور کوئی نہیں جانتا تیرے رب کے لشکروں کو خود اس کے سوا۔

ہر سورج کے گرد ایک اور سورج ہے اور اس کے گرد ایک اور۔ اسی طرح سلسلہ چلتا رہے گا یہاں تک کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ (جواہر الطنطاوی مجلد 1 ص 13)

سورج کو اللہ جل شانہ نے زمین سے ہزار ہا گنا بڑا بنایا اور اس کو حسین اور پر جمال بنایا اور سورج کے ذریعے اللہ جل شانہ ایسی روشنی کو بھیجتے ہیں جس سے تمام جہان روشن ہو جاتے ہیں اور آنکھیں کھل جاتی ہیں اور ہر چیز سورج کی روشنی میں واضح اور صاف نظر آتی ہے۔

وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًاo (سورة النبا آیت 13)

ترجمہ: اور ہم نے چمکتا ہوا چراغ (آفتاب) بنایا۔

اور اللہ جل شانہ نے سورج میں گرمی پہنچانے کا بھی فائدہ رکھا کہ سورج کے ذریعے اللہ جل شانہ ایک متعین مقدار میں گرمی پہنچاتے ہیں پھر اس گرمی کی وجہ سے برف پگھلنے سے پانی بہتا ہے اور پورے نباتات، انسان و حیوان پرورش پاتے ہیں۔ زمین، سورج، ہوا اور پانی کے عناصر سے ہری بھری ہوتی ہے۔

سورج ہر وقت حرکت میں ہے کہ اللہ جل شانہ ایک نظام کے تحت اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے ہیں۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ط (سورة یٰس آیت 38)

ترجمہ: اور سورج اپنے مقررہ راستے پر چلتا ہے۔

اسی طرح اللہ جل شانہ لوگوں کو سالوں اور تواریخ سے آگاہ کرتے ہیں تا کہ وہ اپنے زراعتی، صنعتی اور شہری کاروبار میں غلطی نہ کر بیٹھیں۔ اللہ پاک اپنے کلام میں فرماتے ہیں:

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَo (سورة یونس آیت 5)

ترجمہ: وہی ہے جس نے سورج کو جگمگاتا اور چاند کو چمکتا بنایا اور اس کی منزلیں مقرر کر دیں، تا کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جان لو۔

جس طرح عالم علوی میں سورج، چاند اور ستارے ہیں اس طرح عالم سفلی میں سمندر ہے۔ عالم سفلی (اندرونی نچلا عالم) وہ ہے جو سمندر کے اندر ہے زندہ مخلوق میں سے اور جو زمین کے اوپر ہے جیسا کہ معدن اور نباتات اور حیوانات و انسان۔

سمندر کے اندر کی زندگی کے لیے بڑے بڑے محققین اس بات میں مشغول ہیں کہ لوگوں کو اس کی عجیب باتوں سے مطلع کریں۔ انہوں نے سمندر کی تہوں میں ایسے حیوانات ڈھونڈ نکالے ہیں جو اندھیروں میں ایک

کونے میں رہتے ہیں۔ ان حیوانات نے ایسے روشنی کے آلات ڈھونڈ لیے ہیں کہ جب ان کو حرکت دی جاتی ہے تو اس کا اردگرد روشن ہو جاتا ہے۔ اور اس نے اپنے جسم پر اس آلے کے مقابلے میں ایک مناسب جگہ پر ایک سطح قائم (کر) رکھی ہے۔ پھر جب روشنی پھیلتی ہے تو وہ سطح اس کو منعکس کرتی ہے جس کی وجہ سے وہ حیوان، سمندری راستوں اور اوپر کے راستوں کو دیکھ سکتا ہے۔ تو گویا کہ جب یہ حیوان سورج کی روشنی سے محروم رہا تو اس نے اپنے لیے سمندروں کی تہہ میں اپنا ذاتی سورج بنا لیا کہ جب چاہے اسے کھول لے۔

فَتَبٰرَکَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِيۡنَo (سورۃ مومنون آیت 14)

ترجمہ: پس اللہ بابرکت ہے بہترین پیدا کرنے والا ہے۔

سمندر میں ایک ایسی مچھلی بھی پائی جاتی ہے جو صاف شفاف ہوتی ہے اور اس کی لمبائی تقریباً آٹھ (قراریط) ہے۔ اور اس کا گوشت مفید ہے۔ اس کو الاسکا کے رہنے والے شکار کرتے ہیں پھر اس کو سکھا کر اس کی دم کی طرف سے جلاتے (روشنی کرتے) ہیں تو وہ تیز روشنی کے ساتھ روشن ہو جاتی ہے۔

ایک قسم مچھلی کی ایسی ہے جو چین کے دریا میں پائی جاتی ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ جب انسان اس کو کھائے تو موت تک ہنستا ہی رہے اور اس مچھلی کا خاص طور پر وزراء اور حکام، اہتمام کرتے ہیں۔ اور سمندر کے عجائب میں موتی اور جواہرات بھی ہیں اور کانوں کا ایک جہان ہے جیسے سونا، چاندی، لوہا، پیتل، نمک، مقناطیس، تانبا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب اللہ کی ربوبیت (یعنی رب ہونے) کی ایک خاص دلیل ہے۔

پھر علوی آثار جیسے حوادث و ہوا، فضاء و خلاء کے تغیرات کہ کبھی روشنی، کبھی اندھیرا، کبھی گرمی، کبھی سردی، اور جیسے ہواؤں کا تصرف، مسخر کیے ہوئے بادل، آسمان و زمین کے درمیان جیسے بادل اور گھٹا، بوندا باندی اور اوس اور بارش اور بجلیاں اور گرج اور سردی کو ر دائرے۔

عالم سفلی میں عالم نباتات بھی داخل ہے۔ اس کا ایک مستقل علم ہے جو نباتات کی مختلف اقسام اور اشکال اور رنگوں اور ذائقوں اور خوشبو اور پتوں اور اس کے پھلوں اور پھولوں کے بارے میں اور اس کے دانوں اور بیجوں اور اس کی چکنائیوں، مادوں اور چھلکوں اور اس کی نشو و نما اور اس کی پیداوار کے بارے میں بتاتا ہے۔

اس طرح ایک عالم حیوان بھی ہے اور اس کا بھی اپنا علم ہے جو اس کی اقسام اور اجناس کے بارے میں بتاتا ہے کہ کون سا جانور پانی کا ہے کون سا خشکی کا، یہی علم مٹی، ہوا اس کے علاوہ چوپایوں، حشرات، پرندوں مچھلیوں اور ان سب کی پیداوار، اولاد اور اس کی اپنی اولاد کی تربیت رہنے سہنے کے متعلق بتاتا ہے۔

اسی طرح ایک عالم الٰہی بھی ہے۔ اس کے خاص علوم ہوتے ہیں جو فرشتوں کے متعلق ہیں۔ یہی عالم علوی اور سفلی ہیں جو لفظ العالمین کے مصداق اور متضمن ہیں اور اللہ سبحان و تعالیٰ ہر چیز کو پالنے والے اور اس کی ذات کو مکمل کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ بار بار انسان کو اپنی مخلوقات میں غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں۔

اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ (24) اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا (25) ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا (26) فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا (27) وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا (28) وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا (29) وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا (30) وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّاo (سورۃ عبس آیت 24 تا 31)

ترجمہ: پس چاہیے کہ انسان دیکھ لے اپنے کھانے کو۔ ہم نے اوپر سے گرتا ہوا پانی ڈالا۔ پھر زمین کو پھاڑ کر چیرا۔ پھر ہم نے اس میں اگایا غلہ اور انگور اور ترکاری اور کھجور اور باغات گھنے اور میوہ اور چارہ۔

یہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جس نے ایک چھوٹے بیج میں ایسا نظام قائم کیا ہے کہ جب اس کو زمین میں ڈالا جاتا ہے تو اللہ پاک اپنی قدرت سے اس میں کونپل نکالتے ہیں اور اللہ ہی ہیں جو مٹی کی دبی تہوں میں اس کونپل کی پرورش کرتے ہیں اور اسے اتنی قوت عطا کرتے ہیں کہ وہ اپنے منحنی (جھکے ہوئے) جسم کی لچک دار نوک سے زمین کا پیٹ پھاڑ کر نمودار ہوتی ہے اور ایک لہلہاتی ہوئی کھیتی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ پھر اللہ جل شانہ ہی ہیں جو اس پر چاند سورج کی کرنیں بکھیرتے ہیں اور اسے لہراتی ہوئی ہواؤں کا گھوارہ فراہم کرتے ہیں اور اس پر بادلوں کا شامیانہ تان کر اس کو جھلسنے سے بچاتے ہیں اور اس پر رحمت کی بارش برسا کر اس کی نشو و نما کی رفتار کو بڑھاتے ہیں یہاں تک کہ ایک ایک کھیت میں مسک وں خوشے اور ایک ایک خوشے میں مسک وں دانے وجود میں آتے ہیں جس کو اللہ جل شانہ کا یہ ارشاد واضح کر رہا ہے۔ (ذکر و فکر 11 تا 15)

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ (9) وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ (10) رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ o (سورۃ ق آیت 9 تا 11)

ترجمہ: اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی اتارا پھر ہم نے اس سے باغات اگائے اور کھیتی کا غلہ اور بلند و بالا کھجور کے درخت جن پر تہہ بہ تہہ (خوب گندھے ہوئے) خوشے ہیں۔ رزق بندوں کے لیے۔ اور ہم نے اس سے مردہ زمین کو زندہ کیا اسی طرح قبر سے نکلنا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی یہ ساری نشانیاں اور حکمتیں یوں ہی نہیں بلکہ اللہ نے ان کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ یعنی ان کے پیدا فرمانے میں بڑی حکمتیں ہیں اور بات یہی ہے کہ ان کو ایک معین مدت کے لیے وجود بخشا۔ یہ سب چیزیں کائنات کے خالق کے پہچاننے کے لیے ہیں کہ وہ ایک ہے قدرت والا اور حکمت والا۔ ہر چیز میں اس کی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

رحمت

پچھلی تمام باتیں اللہ پاک کی طرف سے مخلوق کی تربیت اور ربوبیت کی مثالیں ہیں اور ان دونوں کو شامل ہے رحمت اور شدت۔ اگر رحمت کے ساتھ ساتھ جزا وسزا نہ ہوتو تربیت ناقص ہوگی۔ اس لیے اللہ پاک نے ماں کے اندر رحمت کا مادہ اور باپ کے اندر شدت کا مادہ رکھا۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی نہ ہوتو تربیت ناقص ہو جاتی ہے۔

اسی لیے الحمد للہ رب العالمین کے بعد الرحمٰن الرحیم فرمایا جس میں رحمت کی طرف اشارہ ہے اور مالک یوم الدین میں شدت یعنی جزا وسزا کی طرف اشارہ ہے۔

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِO

الرحمٰن سے مراد بڑی اور جلیل نعمتوں والے رب جیسے آسمان زمین وصحت وعقل وغیرہ۔

الرحیم سے مراد چھوٹی نعمتوں والے رب جیسا کہ آنکھ کی پتلی اور اس کی پلکیں جس کے ذریعے بال آنکھ کی غبار سے حفاظت کرتے ہیں۔ روشنی ان کے اندر سے منعکس ہوتی رہتی ہے اور اپنے اردگرد کی تصویر کشی کرتی رہتی ہے اور اس کو محفوظ کر کے دماغ تک منتقل کرتی ہے۔ روشنی کا جانا اور غبار سے اس کی حفاظت کرنا یہ اللہ کی بناوٹ اور حکمت میں باریک بینی کی ادنیٰ مثال ہے اور یہ لفظ رحیم کی تعبیر کرتا ہے یہ نعمت کی تکمیل ہے اور سعادت کی انتہا ہے۔

عالم مشاہد میں اللہ کی رحمت کے بعض عجائب سامنے آئے ہیں جن میں سے ایک کی طرف ڈاکٹر میلن آڈورڈ نے اشارہ کیا ہے جس کا نام اُکسیلوب ہے جو موسم بہار میں اکیلا رہتا ہے اور جب یہ انڈے دے دیتا ہے تو اس وقت مر جاتا ہے تو یہ اللہ کی رحمت اور اپنی خلق کے ساتھ مہربانی ہے کہ جس کی وجہ سے اللہ نے اس کو یہ بات الہام کی کہ وہ انڈے دینے سے پہلے ایک ایسا گھر بنائے جو قوم عاد کی طرز کا ہو مگر وہ پتھروں میں بناتے تھے اور یہ لکڑی میں۔ پس یہ حیوان ایک لکڑی کا ٹکڑا لیتا ہے، پھر اس میں لمبائی میں ایک گڑھا کھودتا ہے پھر پھولوں اور پتوں سے اس سرنگ نما گڑھے کو بھرتا ہے پھر اس میں ایک انڈہ دیتا ہے پھر لکڑی کا بھورا لے کر اس کا گارا بناتا ہے اور اس سے اس سرنگ کے لیے ایک چھت بناتا ہے اس میں یہ حکمت ہے کہ جب وہ انڈہ ٹوٹتا ہے اور اس میں سے جو کیڑا نکلتا ہے تو یہ پھول پتے اس کی ایک سال کی غذا کے لیے کافی ہوتے ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ کیڑا ایک سال تک خود اپنی غذا حاصل کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔ جب اکسیلوب ایک سرنگ مکمل کر لیتا ہے تو ایک سرنگ اسی طرز کی بناتا ہے اسی طرح باقی منازل بناتا ہے۔

تو آپ دیکھئے کہ اللہ پاک کی رحمت کس طرح محیط ہے کہ وہ جانور جو اللہ تخلیق کر چکا ہے اور وہ جو ابھی تک نہیں بنا۔ گویا کہ یہ جمع شدہ کھانا اس سرنگ میں اللہ کی رحمت ہے جو اللہ نے اس حیوان کے دل میں ڈالی ہے اپنے بچے کے لیے جو اب پیدا ہونے والا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ پاک کا ارشاد ہے:

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ قُلْ لِّلّٰہِ کَتَبَ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ ط (سورۃ انعام آیت 12)

آپ پوچھیں کس کے لیے ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے؟ کہہ دیں (سب) اللہ کے لیے ہے۔ اللہ نے اپنے اوپر رحمت لکھ لی ہے۔

اللہ پاک یہ بتا رہے ہیں کہ وہی زمین و آسمان کے رب ہیں۔ اور اس کے بعد تاکید سے یہ فرما رہے ہیں کہ انہوں نے اپنی پاک ذات کے لیے رحمت کو لکھ لیا ہے، مقرر کر لیا ہے۔ جیسا کہ صحیحین کی ایک حدیث میں آتا ہے۔ بے شک اللہ پاک نے جب مخلوق کو پیدا کیا تو اپنے پاس عرش کے اوپر ایک بات لکھ لی۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّ اللّٰہَ لَمَّا خَلَقَ الْخَلْقَ کَتَبَ کِتَابًا عِنْدَہٗ فَوْقَ الْعَرْشِ اِنَّ رَحْمَتِیْ تَغْلِبُ غَضَبِی.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بیشک اللہ نے جب مخلوق کو پیدا فرمایا تو اپنے ہاں عرش کے اوپر یہ لکھا کہ بیشک میری رحمت میرے غصے پر غالب ہے۔

پانی بھی اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اللہ نے اس کا بھی ایک خود کار نظام بنایا ہے کہ اللہ نے ایک طرف سمندر سے مون سون اٹھا کر اس میں ایک ایسا خود کار پلانٹ نصب کر دیا ہے جس کے ذریعے سمندر کے کڑوے پانی کو میٹھا کرنے کا حیرت انگیز نظام کسی انسانی محنت یا مالی خرچ کے بغیر مسلسل جاری ہے۔ دوسری طرف اس مون سون کو بادلوں کی شکل دے کر ایک مفت ایئر کارگو سروس فراہم کر دی گئی ہے جس کے ذریعے یہ سیال پانی ہوا میں تیرتا ہوا سینکڑوں بلکہ ہزاروں میل کی مسافت طے کرتا ہے اور اس کی فضائی پرواز نے دنیا کے ہر خطے کو سمندر کا پانی میٹھا کر کے سپلائی کرنے کی ذمہ داری ہے رکھی ہے۔

پانی انسان کی ایک خاص ضرورت ہے اس کے بغیر زندگی نامکمل ہے اور یہ اللہ کی رحمت ہی ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے لیے عام کیا ہے۔

ایمانیات

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَ فِیْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ اَوَلَمْ یَکْفِ بِرَبِّکَ اَنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ o

ترجمہ: ہم جلد انہیں اطراف عالم میں اور (خود) ان کی اپنی ذات میں اپنی آیات ونشانیاں دکھا دیں گے۔ یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ (قرآن) حق ہے۔ کیا آپ ﷺ کے رب کے لیے کافی نہیں کہ وہ ہر شے کا شاہد ہے۔

قرآن پاک میں آیات کونیہ تقریباً ساڑھے سات سو سے زائد ہیں جب کہ فقہی آیات ڈیڑھ سو سے زیادہ نہیں ہیں۔ گویا کہ دین کا علم دو قسم کا ہے۔ اول علم الکائنات یعنی علم الآفاق والانفس۔ دوسرا علم الشریعہ۔

اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ o بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ o (سورۃ الرحمن 19-20)

ترجمہ: اس نے دو دریا بہائے ایک دوسرے سے ملے ہوئے۔ ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے جو ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔

جدید سائنسی تحقیقات سے یہ بات منظر عام پر آئی ہے کہ دو سمندروں کے پانی ایک دوسرے سے الگ رہتے ہیں۔ کبھی ملتے نہیں ہیں۔ اس کی وجہ سائنس دانوں نے دونوں پانیوں کے درمیان کثافت میں تفاوت بتائی ہے جو ایک فطری طاقت کی صورت اختیار کے دو سمندروں کے پانیوں کو الگ رہنے پر مجبور کرتی ہے۔ گویا کہ ان کے بیچ میں ایک دیوار حائل ہو (By Miracles of the Quran pg 48)۔

قرآن کریم میں ایک جگہ موجوں کے متعلق فرمایا:

اَوْ کَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ اِذَآ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَکَدْ یَرٰهَا وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ. (نور 40)

یا ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے گہرے دریا میں اندھیرے، جنہیں ڈھانپ لیتی ہے موج، اس کے اوپر بادل۔ اندھیرے ہیں ایک پر دوسرا جب وہ اپنا ہاتھ نکالے تو توقع نہیں کہ اسے دیکھ سکے اور جس کے لیے اللہ نور نہ بنائے اس کے لیے کوئی نور نہیں۔

کتاب Oceans میں تحریر ہے کہ" گہرے دریاؤں میں 200 میٹر اور اس سے زیادہ گہرائی میں اندھیرا پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جدید تحقیق سے اندرونی موجیں بھی دریافت ہوئی ہیں جو کہ انسان آنکھ سے اوجھل ہیں۔

یہی بات، قرآن میں ان الفاظ میں بیان کی گئی ہیں۔ (By Miracles of the Quran pg 50)

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِىْ بَحْرٍ لُّجِّىٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰهَا وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ. (نور 40)

فائدہ: اس آیت کو پڑھ کر ایک فرانسیسی آدمی نے آپ ﷺ کی زندگی کے بارے میں تحقیق کرائی تو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے کوئی بحری سفر نہیں کیا تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان 40 فٹ سے زیادہ بغیر کسی خاص آلہ کے غوطہ نہیں لگا سکتا۔ یہی نہیں بلکہ جدید آلات اور ٹیکنالوجی کی مدد سے بھی 200 میٹر سے زیادہ غوطہ نہیں لگا سکتا۔ ان معلومات کے بعد وہ آدمی مسلمان ہو گیا۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ معلومات صرف اس کو ہو سکتیں ہیں جو اس کا خالق ہو۔

☆ سنریهم آیٰتنا فی الافاق و فی انفسهم حتی یتبین لهم انه الحق اولم یکف بربک انه علی کل شیءٍ شهیدo

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى (1) الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى (2) وَالَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰىo (الاعلیٰ 1تا 3)

ترجمہ: پاکیزگی بیان کر اپنے سب سے بلند رب کے نام کی۔ جس نے پیدا کیا پھر ٹھیک کیا اور جس نے اندازہ ٹھہرایا پھر راہ دکھائی۔

یہ سورت اللہ تعالیٰ کی ایسی خوبیاں بیان کرتی ہے جن سے انسان اپنی زندگی کو متاثر کرتا ہے اور ایسے احساس سے گزرتا ہے جن کو بیان کرنا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز بڑی تناسب کے ساتھ بنائی ہے۔ ہر مخلوق کو اس کا کردار دیا جاتا ہے اور اس کو ہدایت دی جاتی ہے تا کہ وہ اپنا کردار پہچان سکے اور اس کو صحیح طرح سے ادا کر سکے۔ جو چیزیں ہم کو چاروں طرف نظر آ رہی ہیں چاہے وہ چھوٹی چیزیں ہوں یا بڑی سب اپنی جگہ کمال پر ہیں۔ اور ان کو ہدایت بھی دی گئی ہے تا کہ ان کو پیدا کرنے کا جو اصل مقصد ہے وہ پورا کر سکے۔

جس طرح ایک ایٹم میں پروٹون اور الیکٹران پائے جاتے ہیں اور الیکٹرون اپنی سطح میں متوازن گردشت کرتا رہتا ہے، اسی طرح شمسی نظام میں سورج کے گرد سیارے اور ستارے ایک تناسب کے ساتھ گردش کرتے ہیں۔ ستارے اور سیارے سب کے سب جس خدمت پر پہلے دن سے مامور کر دیئے گئے ہیں، اس خدمت کو ٹھیک ٹھیک اسی طرح بغیر کسی کمی کوتاہی یا سستی کے بجالاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر خلیہ کو مکمل بنایا

ہے اور ہر خلیہ اپنا کام انجام دیتا ہے جس طرح ایک مکمل جانور اپنا کام انجام دیتا ہے۔غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک چھوٹا سا ایٹم ہو یا پورا نظام شمسی یا خلیہ۔ان میں سے ہر ایک مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اپنے کام انجام دینے کے طریقے سکھائے ہیں اور وہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں۔

نیو یارک کے ایک امریکی سائنٹسٹ (Acrssy Morisan) جو سائنسی اکیڈمی کے سربراہ ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ آدمی کبھی فرد واحد نہیں ہوتا۔ پرندوں میں اپنے گھر کی پہچان ہوتی ہے۔ ایک چڑیا جس کے گھر کا گھونسلا آپ کے گھر کے ساتھ ہو۔ بے شک خزاں میں اڑ جاتی ہے لیکن بہار میں واپس اسی گھونسلہ میں آئے گی۔ستمبر تک پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ میلوں دور اڑ جاتے ہیں۔لیکن اپنی جگہ واپس آ جاتے ہیں۔ اپنا راستہ نہیں بھولتے۔ ایک پالتو کبوتر اپنے سفر میں تھوڑی دیر کی تبدیلی سے ڈگمگا جاتا ہے۔لیکن بالآخر اپنے گھر لوٹ آتا ہے۔

☆ **سنریهم آیٰتنا فی الافاق و فی انفسهم حتی یتبین لهم انه الحق اولم یکف بربک انه علی کل شیءٍ شهیدo**

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاکِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلًاo

(سورۃ الفرقان آیت 45)

ترجمہ: کیا تم نے اپنے پروردگار کو نہیں دیکھا کہ اس نے سائے کو کیسے پھیلایا ہے۔اگر وہ چاہتا تو اس کو ایک حالت پر ٹھہرایا ہوا رکھتا۔ پھر ہم نے آفتاب کو اس پر علامت مقرر کیا۔

ہمیں اس دنیا میں اندھیرا اور سایہ بہت کم نظر آئے گا۔ہم دیکھیں کہ ستارے جو اس دنیا سے کوسوں دور ہیں دن رات روشن ہیں۔ باوجود یکہ یہ روشنی ان کی ذاتی نہیں ہے اور دنیائی سورج حالانکہ وہ کائنات کے دوسرے سورجوں سے سائز کے عتبار سے چھوٹا ہے لیکن اس میں سے حیرت انگیز طور پر آنکھوں کو چندھیا دینے والی روشنی خارج ہوتی ہے تو یہ بات محقق ہے کہ کائنات میں ہر جگہ روشنی ہی روشنی ہے اور اس میں کہیں اندھیرا نہیں سوائے جو تھوڑا سا اندھیرا ہے اور وہ اندھیرا کس چیز کا ہے؟ وہ دنیائی زمین کا اندھیرا ہے جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ زمین سورج کے گرد دن میں ایک دفعہ چکر لگاتی ہے اس لیے زمین کا وہ حصہ جس پر انسانی آبادی ہے جب سورج کے سامنے ہوتا ہے تو گویا کہ زمین پر دن ہوتا ہے اور زمین کا وہ حصہ جو اس وقت سورج سے مخفی ہوتا ہے تو سورج سے دوری کی بناء پر دنیا میں اندھیرا ہو جاتا ہے اور زمین پر چھاؤں ہو جاتی ہے یہی وہ چھاؤں ہے جس میں انسان آرام کرتا ہے اور دن بھر کی تھکاوٹ کو رات کے اندھیرے میں اتارتا ہے۔

اور دن کے وقت سورج کے گرد گھومنے سے زمین میں چھاؤں مختلف طور پر ہوتی ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دوپہر میں شدید تپش کے وقت جب سورج زمین کے بالکل سامنے ہوتا ہے تو سایہ اپنی اصل چیز کی

لمبائی سے آدھا ہوتا ہے۔ اور جیسے جیسے زمین گردش کرتی ہے سائے میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور شام کے وقت ہر چیز کا سایہ اپنی اصل چیز سے دوگناہ ہوتا ہے تو گویا اس سائے کے کم اور زیادہ ہونے اور زمین پر مکمل سائے یعنی رات کے وقت میں اللہ تعالیٰ کی بڑی نشانی چھپی ہوئی ہے۔

سنریھم اٰیٰتنا فی الافاق و فی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق اولم یکف بربک انہ علی کلی شیءٍ شھیدo

اگر ہم پوری کائنات پر غور وفکر کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس کے چاروں طرف اللہ تعالیٰ اور اس کی بڑائی گونجتی ہے کہ بے شک وہ رب ہے جو ہمیں پالتا ہے، چھوٹے سے بڑا کرتا ہے اور غذا دیتا ہے۔ اسی نے ہمارے لیے زمین کا فرش بچھایا اور پھر اس میں چلنے کے لیے راستے بنائے اور اوپر سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعے سے مختلف اقسام کی پیداوار نکالی ہمارے لیے گدھے خچر اور گھوڑے پیدا کیے تاکہ ہم ان پر سوار ہوں اور یہ ہماری زندگی کی روشنی کی رونق بنیں۔

ہر چیز کو اللہ نے بڑے تناسب کے ساتھ پیدا کیا۔ ہر مخلوق کو اس کا ایک کردار دیا اور اس کو ہدایت دی تاکہ وہ اپنا کردار پہچان سکے اور اس کو صحیح طریقے سے ادا کر سکے۔ اور ان کو پیدا کرنے کا جو مقصد ہے وہ پورا ہو سکے۔

ایک شہد کی مکھی اپنا گھر ہر حالت میں تلاش کر لیتی ہے۔ گو کہ آس پاس کے علاقے کی ہوا کو یکسر تبدیل کر کے رکھ دیتی ہے۔ ایک چھوٹے کیڑے میں خود بینی آنکھوں میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب پرندوں کو ایسی آنکھیں عطا فرمائی ہیں جس سے وہ لاکھوں میل دور تک دیکھ سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ وہ بیکٹر یا اور چھوٹے کیڑے بھی دیکھ سکتی ہیں جن کو ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔

☆ سنریھم اٰیٰتنا فی الافاق و فی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق اولم یکف بربک انہ علی کلی شیءٍ شھیدo

قرآن کریم میں شہد کی مکھیوں کے متعلق آیا ہے:

وَ اَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِیۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعۡرِشُوۡنَ (68) ثُمَّ کُلِیۡ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسۡلُکِیۡ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلاً یَخۡرُجُ مِنۡ بُطُوۡنِہَا شَرَابٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُہٗ فِیۡہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاس. (النحل)

ترجمہ: اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کو یہ بات سمجھا دی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور ٹٹیوں پر چڑھائی ہوئی بیلوں میں اپنے چھتے بنا اور ہر طرح کے پھلوں کا رس چوس اور اپنے رب کی ہموار کی ہوئی راہوں پر چلتی رہ۔ اس مکھی کے اندر سے رنگ برنگ کا ایک شربت نکلتا ہے

جس میں لوگوں کے لیے شفاء ہے۔

شرح: شہد کی مکھی اپنی روزی تلاش کرنے کا انتظام اس طرح کرتی ہے کہ جب کہیں صاف ستھری جگہ اسے مل جاتی ہے تو سب سے پہلے وہاں چھتے کا وہ حصہ بناتی ہے جس میں شہد جمع کرنا ہے پھر رانی مکھی کے لیے رہنے کا گھر تعمیر ہوتا ہے اور اس کے بعد نر مکھیوں کے لیے جگہ بناتی ہے جو روزی کمانے میں حصہ نہیں لیتیں وہ مادہ مکھیوں سے چھوٹی ہوتی ہیں۔ مادہ مکھیاں چھتے کے خانوں میں شہد جمع کرتی ہیں پھر سب کی سب ایک ساتھ اڑ کر فضا میں بکھر جاتی ہیں۔ اس کے بعد شہد لے کر چھتے میں واپس آ جاتی ہیں۔

ان کی ایک فطری عادت یہ بھی ہے کہ جب کسی مکھی کے اندر کوئی خرابی دیکھتی ہیں تو اسے چھتے سے باہر بھگا دیتی ہیں پھر اس کو جان سے مار دیتی ہیں اور رانی مکھی اکیلے کہیں نہیں جاتی بلکہ اس کے ساتھ سب لشکر کی طرح ایک ساتھ چلتی ہیں اگر وہ اڑ نہ سکے تو دیگر مکھیاں اسے اپنی پیٹھ پر بٹھا کر اڑا کر لے جاتی ہیں۔ اس رانی مکھی میں ایک خاص بات یہ ہوتی ہے کہ اس کے پاس ڈنگ نہیں ہوتا جس سے کسی کو نقصان پہنچا سکے۔ شہد کی مکھیاں سب اکٹھی جمع ہو کر کام تقسیم کر لیتی ہیں۔ کچھ تو شہد بناتی ہیں کچھ موم بناتی ہیں اور کچھ اس موم سے چھتہ تعمیر کرتی ہیں۔ کچھ مکھیاں صرف پانی لاتی ہیں ان کا گھر نہایت عجیب وغریب چیز ہوتا ہے۔

ذرا غور کریں کس طرح شہد کی مکھی اپنے رب کے حکم کی فرمابرداری کرتی ہے۔ کس عمدگی سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجا لاتی ہے۔ کس طرح ان تینوں جگہوں پر اپنا چھتہ بناتی ہے جہاں اللہ نے اس کو حکم دیا ہے کہ آپ ان جگہوں کے علاوہ کسی اور جگہ اس کو چھتہ بناتے ہیں نہیں دیکھ سکتے۔ ذرا غور کریں کس طرح حکم خداوندی کے مطابق سب سے زیادہ پہاڑوں میں پھر درختوں میں اور پھر مکانات اور آبادی میں اپنا چھتہ لگاتی ہے۔ قرآن کریم میں پہاڑوں میں بنانے کا حکم سب سے پہلے ہے لہٰذا سب سے زیادہ وہاں چھتے لگاتی ہیں اور پھر ترتیب سے درختوں اور مکانوں میں کم لگاتی ہیں کیونکہ اللہ کے حکم کی ترتیب یہی ہے۔ ان کے مزاج میں صفائی ستھرائی بھی بہت ہے۔ چھوٹی مکھیاں بڑی مکھیوں سے زیادہ محنت سے کام کرتی ہیں۔ صاف اور عمدہ پانی ہی پیتی ہیں۔ ان کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ یہ جب چھتے سے اڑ کر غذا حاصل کرنے جاتی ہیں اور جب لوٹتی ہیں تو ہر مکھی اپنے ہی خانے میں جاتی ہے۔ اس میں غلطی نہیں کرتی۔ (از کتاب الحیوان جلد 2 ص 703 سے 706)

☆ **سنریھم اٰیتنا فی الافاق و فی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق اولم یکف بربک انہ علی کلی شیءٍ شھیدo**

اگر آپ ڈوبن نام کے ایک کیڑے کو اکیلے چھوڑ دیں تو رات کے اندھیرے میں سب دیکھ سکتا ہے اور سڑک کی تھوڑی سی روشنی میں آنکھوں سے حرارت کے فرق کو محسوس کر لیتا ہے۔ اُلو بھی اندھیری رات میں ٹھنڈی گھاس پر دوڑتے ہوئے چوہوں کو دیکھ سکتے ہیں۔ جب روشنی پھیل جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ رات دن

میں تبدیل ہوگئی۔

☆ **سنریھم اٰیٰتنا فی الافاق و فی انفسھم حتی یتبین لھم انه الحق اولم یکف بربک انه علی کلی شیءٍ شھیدo**

کتا اپنی ناک سے گزرنے والے جانور کو پہچان لیتا ہے اللہ نے انسان کو سونگھنے کی صلاحیت اس طرح دی ہے کہ وہ کسی بھی آلہ کے بغیر خوشبو یا بدبو کو سونگھ سکتا ہے اور سب ایک چیز کی بو ایک جیسی ہی محسوس کر سکتے ہیں اسی طرح ذائقے کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے مختلف حسیں بنائی ہیں۔ تمام جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے سننے کی صلاحیت دی ہے وہ ایسی آواز بھی سن سکتے ہیں جو ہم نہیں سن سکتے۔ انسان تیار کردہ آلہ استعمال کر کے میلوں دور مکھی کی آہٹ کو سن سکتا ہے لیکن اللہ نے ان جانوروں میں ایسی صلاحیت رکھی کہ کسی آلہ کو استعمال کیے بغیر میلوں دور کی آہٹ کو سن سکتے ہیں۔

☆ **سنریھم اٰیٰتنا فی الافاق و فی انفسھم حتی یتبین لھم انه الحق اولم یکف بربک انه علی کلی شیءٍ شھیدo**

ایک پانی کی مکڑی غبارہ نما جال پانی کے نیچے بڑی مہارت سے بنا لیتی ہے جس کو بڑے بڑے انجینئر بھی نہیں سمجھ سکتے ہیں۔

چھوٹی سی سلمون ایک قسم کی مچھلی ہے جو سمندر میں اپنی زندگی گزارنے کے بعد واپس اپنی پیدائش کی جگہ پر چلی جاتی ہے۔ ایسے جوش والے سمندر میں یہ مچھلی جدوجہد کر کے کسی نہ کسی طرح اپنی جگہ پر پہنچتی ہے۔

بام مچھلی (ایل) بھی ایک سمندری مخلوق ہے یہ مخلوق بھی سخت طوفان اور موجوں میں اپنے مقام پر پہنچتی ہے نہ امریکی ایل یورپ میں پائی جاتی ہے اور یورپی ایل امریکہ میں پائی جاتی ہے۔ سب کی سب ایک حدود میں پائی جاتی ہیں۔ یورپین ایل کی بلوغت میں ایک سال سے زائد عرصہ لگتا ہے تاکہ اپنا سفر مکمل کر سکے۔

کیا ایل میں موجود ایٹم اور مالیکیول کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس سمت پر سفر کرے اللہ نے انسان کو اور پرندوں کے علاوہ سمندری مخلوق کے لیے کیسے کیسے راستے پانی میں بنائے اور ان کی پہچان بھی ان کو دی۔

☆ **سنریھم اٰیٰتنا فی الافاق و فی انفسھم حتی یتبین لھم انه الحق اولم یکف بربک انه علی کلی شیءٍ شھیدo**

ایک مادہ پروانہ موت گھر کے اندر سے باہر بیٹھے ہوئے ہر نر پروانہ موتھ کو اپنا پیغام پہنچاتی ہے۔ کیا اس چھوٹی مخلوق کے بارے میں ذرائع ابلاغ موجود ہیں؟ کیا اس مخلوق کے پاس ریڈیو ہے جس میں اینٹینا ہے کہ وہ ان کو وصول کر سکے؟ یہ بالکل طبیعت کے اصول کے مطابق کام کرتی ہے۔

سائنسدان ریڈیو کی ایجاد سے پہلے یہ سمجھتے تھے کہ مادہ بو سے نر پروانے کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے کیونکہ یہ بو ہوا میں ہو یا نہ ہو پھیل جاتی ہے جس سے نر پروانہ اپنے جانے کی سمت کو پہچان لیتا ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی فون کے ذریعے رابطہ قائم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اتنی چھوٹی مخلوق کو بغیر ریڈیو اور ٹیلی فون کے ایک جگہ سے دوسری جگہ رابطہ کرنے کا طریقہ سکھایا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ o

جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے سرپرست بنا لیے ہیں ان کی مثال مکڑی جیسی ہے جو اپنا ایک گھر بناتی ہے اور سب گھروں سے زیادہ کمزور گھر مکڑی کا ہی ہوتا۔ کاش یہ لوگ علم رکھتے۔

مکڑی کا جالا فی الحقیقت ریشمی دھاگوں کا ہوتا ہے جو اس جانور کے غدودوں سے رس کر نکلتا ہے اور وہ بے انتہا باریک ہوتا ہے اس کی نزاکت کی نقل انسان نہیں اتار سکتا۔ ماہر حیوانات کام کے اس غیر معمولی نمونے سے جو اس جانور کے اعصابی خلیات سے قریب پایا جاتا ہے مسحور ہو جاتا ہے۔ اس اعصابی نظام سے اس جانور کو ایک مکمل ہندسی نوعیت کا جالا تاننے میں مدد ملتی ہے۔

☆ سنريهم اٰيتنا في الافاق و في انفسهم حتى يتبين لهم انه الحق اولم يكف بربك انه على كلى شيءٍ شهيدo

پرندوں کا قرآن میں اکثر تذکرہ کیا گیا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت یوسف، حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے حالات زندگی کے دوران دکھائی دیتے ہیں۔ زمین پر حیوانی برادریوں اور آسمان پر پرندوں کے غولوں سے متعلق قرآن میں آیا ہے:

وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ.

ترجمہ: زمین پر چلنے والے کسی جانور اور ہوا میں پروں سے اڑنے والے کسی پرندے کو دیکھ لو یہ سب تمہاری ہی طرح کی انواع ہیں۔ ہم نے ان کی تقدیر کے نوشتہ میں کوئی کسر نہیں چھوڑی پھر یہ سب اپنے رب کی طرف سمٹے جاتے ہیں۔

ایک اور جگہ قرآن کریم میں پرندوں کے قدرت خداوندی کے مکمل طور پر تابع ہونے کی مثال نمایاں ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ☆ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ o (ملک آیت

19)

ترجمہ: کیا یہ لوگ اپنے اوپر اڑنے والے پرندوں کو پر پھیلاتے اور سکیڑتے نہیں دیکھتے۔ رحمٰن کے سوا کوئی نہیں جو انہیں تھامے ہوئے ہو۔

اپنی نقل وحرکت کے پروگرام میں پرندوں کی بعض انواع کو جو تکمیل کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔اس بات پر زور دیتا ہے کہ موجودہ دور میں کسی عقلی دلیل کے مقابلے میں پرندے حکم ربی پر کہیں زیادہ انحصار کرتے ہیں پرندوں کو توالد اور تناسل کے رمز (جینیٹک کوڈ) میں صرف ایک انتقالی پروگرام کی موجودگی ہی ان طویل اور انتہائی پیچیدہ سفروں کی وجہ ہوسکتی ہے جن کو نہایت منے پرندے بغیر کسی سابقہ تجربہ اور کسی رہنما کے مکمل کر لیتے ہیں۔

پروفیسر ہمبر گر اپنی کتاب ''طاقت اور کمزور'' میں ''مٹن برڈ'' جو بحرالکاہل کے علاقے میں رہتی ہے کے مشہور واقعے کی مثال پیش کرتے ہیں کہ وہ پندرہ ہزار پانچ سو میل کا سفر چھ ماہ کی مدت میں طے کرتی ہے اور زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے کی تاخیر سے پھر اس جگہ واپس آ جاتی ہے جہاں سے روانہ ہوئی تھی۔ یہ بات ماننی پڑے گی کہ یہ انتہائی پیچیدہ ہدایات اس پرندے کے محض اعصابی خلیات ہی میں شامل ہیں جو بے انتہا واضح طور پر منضبط ہے لیکن اس انضباط کو وجود میں لانے والا کون ہے؟''

☆ سنریھم اٰیٰتنا فی الافاق و فی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق اولم یکف بربک انہ علی کلی شیءٍ شھیدo

نباتات اپنی بقاء کے لیے پیچیدہ ذریعہ استعمال کرتے ہیں کیڑے ''زیرہ'' کو ایک پھول سے دوسرے پھول میں منتقل کرتے ہیں اور بیج ایک جگہ سے دوسرے جگہ ہوا کے ذریعے منتقل ہو جاتے ہیں پھر اس بیج سے جو پودے نکلتے ہیں وہ انسان کے لیے فائدے مند ہوتے ہیں۔ یہ جو ایک قدرتی نظام ہے اگر نہ ہوتا تو انسان فاقے کا شکار ہو جاتا۔

☆ سنریھم اٰیٰتنا فی الافاق و فی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق اولم یکف بربک انہ علی کلی شیءٍ شھیدo

کچھ جانور جھینگا مچھلی کی طرح ہوتے ہیں جس کے بہت سارے پنجے ہوتے ہیں۔جسم کا کوئی حصہ ٹوٹ جانے کے بعد دوبارہ وہ حصہ پھر سے بن جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس کے جسم میں ایسے خلیے بنائے ہیں کہ جسم کا ختم شدہ حصہ دوبارہ واپس بن جاتا ہے۔

ایک (Polyp) ادنی قسم کا نظام جسمانی رکھنے والے جانور کے دو حصے ہو جانے کے بعد دوبارہ ہر ایک حصے سے ایک مکمل جانور (Polyp) بن جانا اللہ ہی کی قدرت ہے۔اسی طرح ایک رینگنے والے کیڑے کے

سر کو کاٹنے کے بعد دیکھیں تو کچھ دیر کے بعد دوسرا سر فوراً بن جاتا ہے۔ انسان کے جسم میں اگر کوئی زخم ہو تو ڈاکٹر یا سرجن اس زخم کو بھر سکتے ہیں۔ مگر نیا گوشت نئی ہڈی نیا ناخن چاہے کتنی ہی کوشش کر لیں نہیں بنا سکتے۔ یعنی اللہ نے اس چھوٹے کیڑے مچھلی وغیرہ کو ایسا انوکھا بنایا ہے کہ اگر ان کے خلیے دو حصوں میں تقسیم ہو جائیں تو کچھ عرصے بعد ایک ایک پورا جانور ہر ایک حصے سے بن جاتا ہے یہ ایسا راز ہے کہ اس کو کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا یہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت کے خزانوں میں سے ہی ہو سکتا ہے۔

☆ **سنریھم اٰیٰتنا فی الافاق و فی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق اولم یکف بربک انہ علی کلی شیءٍ شھیدo**

شاہ بلوط کا پھل جب زمین پر گرتا ہے اس وقت ایک تجہیز میں محفوظ ہوتا ہے اور رینگتے ہوئے دوسری جگہ منتقل ہو جاتا ہے۔ جب بہار کا موسم آتا ہے تو یہ چھچھڑ پھٹ جاتا ہے اور اندر سے اس کے تمام بیج نکل آتے ہیں جس سے جڑیں نکلتی ہیں اور کچھ سال میں شاہ بلوط کا درخت بن جاتا ہے۔

☆ **سنریھم اٰیٰتنا فی الافاق و فی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق اولم یکف بربک انہ علی کلی شیءٍ شھیدo**

جانوروں کا ہر خلیہ اپنے آپ کو تبدیل کر کے گوشت کا حصہ بن جاتا ہے اور اس کے لیے وہ اپنے آپ کو قربان بھی کر دیتا ہے۔ اس طرح ناک، کان، ہاتھ اور جسم کے ہر عضو میں ایسے خلیے پائے جاتے ہیں جو اس کی کارکردگی کے کام آتے ہیں۔ جس طرح دائیں بائیں کام کے خلیے سر کے دونوں اطراف میں یکساں طور پر مخصوص جگہ پر پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح حسک وں خلیے اپنی جگہ پر اپنا کام انجام دیتے ہیں۔

☆ **سنریھم اٰیٰتنا فی الافاق و فی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق اولم یکف بربک انہ علی کلی شیءٍ شھیدo**

کچھ مخلوقات کی ہاتھا پائی کے لیے بھی مختلف درجے کے فطری فعل ہوتے ہیں بھڑ، ٹڈی کو پکڑ کر زمین کی کھودائی کر کے ٹڈی کو اس میں رکھتا ہے تاکہ وہ بے ہوش ہو جائے اور اس کو اس لیے محفوظ کرتا ہے کہ غذا کے طور پر استعمال کر سکے۔ پھر بھڑ اپنی جگہ پر انڈے دیتا ہے اور اس کو علم نہیں ہوتا کہ ان انڈوں سے بچے کب نکلیں گے؟ یہ پہلے ہی سے اپنے بچوں کے لیے غذا تیار رکھتا ہے تاکہ ان بچوں کو کیڑے مکوڑے پکڑنے کی ضرورت نہ پڑے کیونکہ یہ کیڑے ان کے قاتل بن سکتے ہیں۔ پھر بھڑ زمین کے اندر ایک سوراخ میں خوشی سے رخصت ہوتا ہے اور وہیں اس کی زندگی ختم ہو جاتی ہے یہ عمل ان کو ان کے آباء و اجداد سکھاتے ہیں نہ ہی یہ اپنے بچوں کو سکھاتے ہیں۔ قدرتی طور پر یہ نظام چلتا رہتا ہے۔ سائنسدان اس راز کو نہیں سمجھ سکے۔

☆ **سنریھم اٰیٰتنا فی الافاق و فی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق اولم یکف بربک انہ**

علی کلی شیءٍ شہیدo

چونٹیوں میں مزدور چونٹیاں دوسری چونٹیوں کے لیے سردی کے موسم میں بیج جمع کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ چونٹیاں اپنے تیز جبڑوں سے غذا تیار کرنے کے لیے ایک کمرہ بناتی ہیں اوراس میں بیجوں کو پیس کر آٹا بنا لیتی ہیں۔ یہ غذا پورے ہجوم کے لیے تیار کرتی ہیں۔ یہ کام صرف چونٹیوں ہی میں ہوتا ہے۔خزاں کے موسم میں کثیر تعداد میں عمدہ غذا تیار کر لیتی ہیں۔ سپاہی چونٹیاں غذا تیار کرنے والی چونٹیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔ کیونکہ یہ سمجھتی ہیں کہ اب غذا تیار کرنے والی چونٹیوں کا کام ختم ہو گیا ہے۔

جو مثالیں تحریر کی گئی ہیں وہ ایک بڑی تعداد کے مقابلے میں بہت کم ہیں مگر وہ زبردست مثالیں پودوں، کیڑوں، پرندوں اور جانوروں کی دنیا کی ہیں۔مگر یہ سب مثالیں اس ذات کی طرف راہنمائی کرتی ہیں جو بناتا ہے اور جو تناسب کے ساتھ پیدا کرتا ہے۔

کیونکہ ہمارا علم بمشکل تھوڑا سا ہے اور جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اشارے دیئے ہیں ان کے علاوہ ہمیں اور کچھ نہیں معلوم۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آیات الانفس

حصہ دوم:

سورۃ الزمر

فی قولہ

خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنۡہَا زَوۡجَہَا.

انسانی تخلیق کی پچاس حکمتیں

1- اللہ پاک نے انسانی اعضاء کو قطعات میں بنایا۔ ایک قطعہ نہیں بنایا تاکہ اس کے لیے ان کے ذریعے سے کام کرنا آسان ہو جائے اور حاجت کے اعتبار سے کسی کو بڑا کسی کو چھوٹا، کسی کو لمبا کسی کو کھوکھلا، کسی کو چوڑا کسی کو باریک بنایا ہے۔

2- اور ان اعضاء کے درمیان جوڑ بنائے پھر ان میں سے ہر ایک کی اس کی مطلوبہ حرکت کے مناسب شکل بنائی پھر ان جوڑوں کو ملا دیا اور ان کو ایک دوسرے سے ایسے کہنیوں سے جوڑ دیا جو ہڈی کے دونوں اطراف میں ہوتے ہیں اور دوسرے کو اس سے چپکا دیا رباط کی طرح۔

3- پھر ہڈی کے ایک طرف کچھ زوائد اس میں سے نکالے ہوئے بنائے اور دوسری طرف اندر گھستے ہوئے سوراخ بنائے ان زوائد کی شکل بنائی تاکہ وہ ان میں داخل ہو جائیں اور صحیح بیٹھ جائیں۔

4- اور یہ سب کچھ اس لیے کیا تاکہ انسان اس کے ذریعے اس بات پر قادر ہو سکے کہ اپنے ایک عضو کو دوسرا عضو ہلائے بغیر حرکت دے سکے۔ اگر ان جوڑوں کی یہ حکمت نہ ہوتی تو اس کے لیے اعضاء کو الگ الگ حرکت دینا ناممکن ہو جاتا۔

5- انسان کا سر مختلف شکلوں اور صورتوں کی ہڈیوں سے مرکب ہے اور ان کو آپس میں ایک دوسرے سے اس طرح جوڑ دیا کہ سر کی گولائی برابر ہو جائے اور اس میں سے چھ ہڈیاں ایسی ہیں جو کھوپڑی سے متعلق ہیں اور باقی 32 بتیس دانتوں سے اور اوپر اور نیچے کے جبڑوں سے۔

6- اور گھٹنے کو سات کھو کھلے گول سوراخوں سے بنایا جو ایک دوسرے میں فٹ ہو جاتے ہیں اور جو کمر اور سرین اور ریڑھ کی ہڈی سے متصل ہے اور کمر کی ہڈی کو سینے کی ہڈی اور کندھوں کی ہڈیوں اور گدی کی ہڈی اور سرین کی ہڈی اور پنڈلیوں اور رانوں کی ہڈیوں سے اور دنوں پاؤں کی انگلیوں سے جوڑ دیا اور یہ سب کی سب ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں۔ یہ 348 ہڈیاں ہیں اور یہ توان ہڈیوں کے علاوہ ہے جن سے اللہ پاک جوڑوں کی خالی جگہ کو بھرتے ہیں۔

7- اور آنکھ بنائی جس کے ساتھ پلکیں بنائیں جو کہ دروازوں کا کام دیتی ہیں۔ جب ضرورت ہو تو کھول لے اور جب ضرورت نہ ہو تو بند کر دے۔

8- پلکیں آنکھوں کو خوبصورتی دیتی ہیں۔

9- اس کے بال نہ بڑھتے ہیں نہ کم ہوتے ہیں اگر بڑھ جائیں تو بھی نقصان اور اگر کم ہو تو بھی آنکھوں کو نقصان دیں۔

10- اس میں جو پانی ہے وہ نمکین ہے تاکہ جو اس میں چلا جائے (مٹی کچرہ وغیرہ) اس کو ختم کر دے۔

11- اور بھنویں بنائیں کہ اس میں بھی چہرے کی خوبصورتی ہے۔

12- اور یہ آنکھوں کی حفاظت بھی کرتی ہیں۔

13- بھنوں کے بال بھی پلکوں کی طرح نہ بڑھتے ہیں اور نہ کم ہوتے ہیں اگر زیادہ بڑھ جائیں تو بدنما لگیں اور اگر کم ہو جائیں تو اس سے آنکھوں کے لیے نقصان ہے۔

14- اس کے برعکس داڑھی اور سر کے بالوں کا بڑھنا اور کم ہونا انسان کے اختیار میں ہوتا ہے تو انسان کو جس میں خوبصورتی لگتی ہے وہ اپنے ماحولوں کے مطابق اس کو اپناتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ جل شانہ نے سر اور ڈاڑھی کے بالوں میں بڑھنے اور کم ہونے کی صفت رکھی ہے۔

15- اور دونوں ہونٹ بھی منہ کی حفاظت کرتے ہیں اور یہ دونوں ایک دروازے کی طرح سے ہیں جب ان کے کھولنے کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے تو یہ بند ہو جاتا ہے۔

16- اور یہ دروازہ جبڑوں اور دانتوں کی حفاظت کرتا ہے۔

17- اور یہ دونوں چہرے کو خوبصورتی بخشتے ہیں اور اگر یہ نہ ہوں تو چہرہ نہایت بدصورت لگے۔

18- اورہ یہ دونوں بات کرنے میں بھی مدد دیتے ہیں۔

19- زبان بات کرنے اور دل کے احساسات کو بیان کرنے میں مدد دیتی ہے۔

20- اور کھانے کو ڈاڑھوں کے نیچے پھرانے کے لیے تاکہ وہ صحیح طرح چبا سکے اور اس کا نگلنا آسان ہو جائے۔

21- دانت الگ الگ ہوتے ہیں ایک ہڈی نہیں ہوتے اگر ایک ٹوٹ بھی جائے تو باقی سلامت رہتے ہیں۔

22- اور ان (دانتوں میں) نفع اور خوبصورتی کو جمع کر دیا۔

23- اور مضبوط بنایا۔

23- داڑوں کو بڑا بنایا تا کہ غذا کو اچھی طرح کھایا جا سکے کیونکہ چبانے ہی سے ہضم کی ابتداء ہوتی ہے۔

25- آگے کے دانت اور نوکیلے دانت کھانے کو چبانے کے لیے بھی ہوتے ہیں اور ان سے خوبصورتی بھی پیدا ہوتی ہے۔

26- ان کو اللہ تعالیٰ نے سفید رنگت دی اور اردگرد کے مسوڑھوں کو لال رنگ دیا۔

27- اس کے کناروں کو منظّم شکل میں برابر رکھا یہاں تک کہ دیکھنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ پروئے ہوئے موتی ہیں۔

28- اللہ جل شانہ نے منہ میں ایک قسم کی طراوت رکھ دی ہے جو کہ محسوس تو ہوتی ہے مگر صرف ضرورت کے ساتھ۔ اگر زیادہ ہو جائے اور بہنا شروع ہو جائے تو انسان کے لیے بدنمائی کا باعث ہو۔ پس اللہ جل شانہ نے اس میں اور صفت رکھی کہ یہ کھانے کو تر کر دے جس کی وجہ سے کھانے کو ہضم کرنا بغیر کسی تکلیف کے ممکن ہو سکے۔

29- پس جب کھانا منہ میں نہیں ہوتا تو تھوک ختم ہو جاتی ہے اور اتنی ہی باقی رہتی ہے جتنی کی ضرورت ہو۔

30- پس جب کھانا منہ میں نہیں ہوتا تو تری بچتی ہے اور اس تری سے گلا اور تالو گیلا رہتا ہے تا کہ بات کرنے میں سہولت ہو سکے اور اگر یہ خشک ہو جائے تو انسان ہلاک ہو جائے۔

31- اللہ جل شانہ نے زبان میں ذائقہ محسوس کرنے کی صلاحیت رکھ دی جس سے انسان اپنی پسند اور ناپسند کی چیزوں میں فرق کر سکے۔ تو پھر اسے جو پسند ہے اسے تو وہ کھا لیتا ہے اور جو چیز اسے ناپسند ہوتی ہے اسے چھوڑ دیتا ہے اگر یہ چیز نہ ہوتی تو انسان اپنی پسند کی چیزوں میں فرق نہ کر سکتا۔ پس ذائقہ بھی شہد کی مکھی کے نگہبان (خفیر) کی طرح ہے جو کسی اجنبی کو اندر داخل نہیں ہونے دیتا۔

32- اس ذائقے کی حساسیت کی وجہ سے انسان کو کھانے کی گرمی اور سردی محسوس ہوتی ہے۔

33- اور اللہ جل شانہ نے کان کی حفاظت کے لیے اس میں تری پیدا کر دی ہے جس کی وجہ سے کیڑے اور دوسرے موذی مکوڑے کان میں داخل نہیں ہو سکتے۔

34- کان کی سیپی نما غلاف سے حفاظت کی جو کہ آواز کو جمع کر کے اس کو حساس حصہ میں پہنچاتی ہے۔

35- اور اس میں ایک حس پیدا کر دی جس سے محسوس ہو جاتا ہے کہ کون سی آواز کس کی ہے۔

36- اور اس میں ایک حس پیدا کر دی ہے جو مسلسل ہونے والی آواز کو محسوس کر لیتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی

نیند سے بیدار ہو جاتا ہے۔

37- اور حلق کو آواز کے نکلنے کی جگہ بنایا اور زبان میں یہ صلاحیت پیدا کی ہے کہ وہ مختلف طریقوں سے حرکت کر سکتی ہے جس سے مختلف آوازیں پیدا ہوتی ہے اور اس کے سبب وہ مختلف طریقوں سے بات کر سکتا ہے۔

38- اور حلق (حنجرۃ) کی بھی مختلف صورتیں بنائیں، کسی کا بڑا، کسی کا چھوٹا، کسی کا چوڑا غرض مختلف شکلیں بنائی ہیں جس سے ساری آوازیں مختلف ہوتی ہیں اور اسی کے سبب کبھی دو آوازیں ایک جیسی نہیں ہوتیں۔

39- اور اسی طرح اللہ جل شانہ نے صورتیں بنائیں اور ہر صورت مختلف بنائی جس سے کبھی دو صورتیں ایک جیسی نہیں ہوئیں۔ پس ان کی آواز میں فرق رکھا تاکہ سننے والے فرق کر سکیں اور صورتوں میں فرق رکھا تاکہ پہچان ہو سکے۔

40- اللہ جل شانہ نے دو ہاتھ بنائے تاکہ انسان اپنے مقصد کو پکڑ سکے اور اپنے نقصان کو دور کر سکے۔ اور ہتھیلی کو چوڑا رکھا اور اس میں انگلیاں لگائیں اور ان انگلیوں میں ناخن رکھے اور چار انگلیوں کو ایک طرف رکھا جب کہ انگوٹھے کو دوسری طرف رکھا پس انگوٹھا سب جانب پہنچ سکتا ہے اور ہر انگلی کو لمبائی میں الگ الگ رکھا جس کی وجہ سے پکڑنے اور لینے دینے میں آسانی رہے۔

41- جب انسان ہاتھ پھیلاتا ہے تو وہ اس کے لیے تھال کی طرح ہو جاتا ہے تو انسان اس میں جو چاہے رکھ سکتا ہے۔

42- اور اگر اپنے ہاتھ کو سمیٹ (بند کر) لے تو وہ ایک آلہ بن جاتا ہے جس سے وہ مار سکتا ہے۔

43- اگر اس کو نا تمام جوڑے تو چلو کی طرح بن جائے۔

44- اور اگر ہاتھ کو پھیلائے اور انگلیوں کو جوڑ لے تو وہ بیلچہ کی طرح بن جائے۔

45- اور ہاتھ کے سروں پر ناخن بنائے تاکہ انگلیوں کے لیے زینت ہو اور ان کے لیے پیچھے سے ستون کی مانند ہو، تاکہ وہ کمزور نہ ہو جائیں۔

46- اور ان ناخنوں کے ذریعے ایسی باریک چیزیں چن سکتا ہے کہ اگر وہ نہ ہوں تو انگلیاں ان کو نہ چن سکیں۔

47- اور ان سے اپنے جسم کو کھجا سکتا ہے اگر ناخن نہ ہوتے اور خارش محسوس ہوتی تو وہ اپنی تکلیف کو دور نہ کر سکتا اور خارش کے لیے ناخن کا قائم مقام کوئی نہیں ہے نہ ان کے اندر ہڈی کی طرح سختی ہے اور نہ جلد کی طرح نرمی ہے اس لیے یہ خارش کے لیے بالکل مناسب ہیں۔

48- اور انسان ناخن کے ذریعے سے خارش کی جگہ کو جانچ سکتا ہے اور اس علاوہ کسی اور چیز سے نہیں جانچ

سکتا (مگر بہت مشکل سے)

49- ناخن بڑھتے بھی ہیں اور گھٹتے بھی ہیں۔ انسان کو جتنی حاجت ہوتی ہے اتنے باقی رکھتا ہے باقی کاٹ دیتا ہے تو انسان کو اس چیز پر قدرت ہے کہ وہ اپنی حاجت کا خود خیال رکھتا ہے۔

50- اور یہ چیز اللہ عزوجل نے انسان کے لیے مقدر (معین) کی ہے اور اس کی تخلیق کی ابتداء اس کی ماں کے پیٹ میں ہی شروع کر دی اور بچہ اس حال میں پیدا ہوتا ہے کہ اس کے اندر کسی کو پہچاننے کی صلاحیت نہیں ہوتی اگر وہ عاقل پیدا کیا جاتا تو اس وجود (زندگی) سے جس کو وہ نہ جانتا ہے نہ اس سے گزرا ہے یقیناً حیران پریشان ہو جاتا اور اس کے باوجود بھی وہ اس بات میں ذلت محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس حال میں دیکھتا ہے کہ وہ اٹھایا اور لٹایا جا رہا ہے اور کوئی اس کو باندھ رہا ہے اور کوئی اس کو گدی میں لپیٹ رہا ہے حالانکہ اس کو ضعف کی وجہ سے اس کی اشد ضرورت ہے تو یہ زندگی اس کے لیے حسین (خوشنما) نہ ہوتی اور اس کی بہترین تربیت نہ ہو سکتی۔ تو جب اللہ عزوجل نے اس کو اس حال میں پیدا فرمایا کہ پہچاننے کی صلاحیت مفقود تھی تو کام آسان ہو گیا اور پہچاننے (تمیز) کی صلاحیت آہستہ آہستہ عطا کی یہاں تک کہ وہ بڑا آدمی بن جائے۔

یہ تو اللہ جل شانہ کی ہزاروں حکمتوں میں سے ایک نمونہ ہے جو اللہ نے انسان کی تخلیق میں رکھ دیا ہے اور ہم نے اس کا ذکر اس لیے کیا ہے تا کہ اس مقام میں آپ کے لیے نصیحت ہو اور آپ کا دل علم کے لیے کھل جائے اور تا کہ آپ کے سامنے (دقیق ملاحظات) باریک انکشافات کی ایک صورت آ جائے اور تا کہ آپ دیکھ لیں کہ ہم حکمتوں اور علوم اور عجائب میں گھرے ہوئے ہیں، اور ان کے ساتھ انسیت اور ان کا ہمارے لیے ایک ہی ساتھ میسر کرنے دینا ایک ایسی بات ہے جو ہمیں ان کے سمجھنے سے قاصر کر دیتی ہے۔ تو کیا ہی اچھا علم ہے اور کیا ہی عجیب حکمت ہے۔ اللہ جل شانہ جسے چاہتے ہیں عزت عطا فرماتے ہیں اور جس کو حکمت مل گئی اس کو بڑی خیر مل گئی اور صرف عقل والے ہی نصیحت پکڑتے ہیں۔ (تفسیر الجواہر: طنطاوی ج 9 ص 163)

فی انفسہم (انسانوں کی اپنی ذات میں خدا کی نشانیاں)

قرآن پاک میں جگہ جگہ اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے موت کے بعد زندگی دینا نہایت ہی آسان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا:

كَمَا بَدَاَ كُمْ تَعُوْدُوْنَ. (سورۃ اعراف 29)

ترجمہ: جیسے تمہیں پیدا کیا تم دوبارہ بھی (جی اٹھو گے)

اِنَّہٗ یَبۡدَؤُ الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُہ. (سورۃ یونس 4)

ترجمہ: بیشک وہی پہلی بار پیدا کرتا پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا۔

حَتّٰۤی اِذَا مَا جَآءُوۡہَا شَہِدَ عَلَیۡہِمۡ سَمۡعُہُمۡ وَ اَبۡصَارُہُمۡ وَ جُلُوۡدُہُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ (20)] وَ قَالُوۡا لِجُلُوۡدِہِمۡ لِمَ شَہِدۡتُّمۡ عَلَیۡنَا قَالُوۡۤا اَنۡطَقَنَا اللّٰہُ الَّذِیۡۤ اَنۡطَقَ کُلَّ شَیۡءٍ وَّ ہُوَ خَلَقَکُمۡ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ. (سورۃ حمٓ سجدۃ: 20 تا 21)

ترجمہ: یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے گوشت پوست گواہی دیں گے اس پر جو وہ کرتے تھے، اور وہ اپنے گوشت پوست سے کہیں گے، تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟ وہ جواب دیں گے، ہمیں اس اللہ نے گویائی دی، جس نے ہر شے کو گویا (گفتگو کرنے والا) فرمایا اور اس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

اس ذیل میں قرآن نے انگلیوں کے نقوش پر خاص زور دیا ہے۔قرآن میں آتا ہے۔

اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَہٗ بَلٰی قٰدِرِیۡنَ عَلٰۤی اَنۡ نُّسَوِّیَ بَنَانَہ. (سورۃ القیمۃ 3:75)

ترجمہ: کیا انسان خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں ہرگز جمع نہ کریں گے؟ ہم ضرور جمع کریں گے۔ ہم اس پر قادر ہیں کہ اس انگلیوں کے پوروں تک کو درست کر دیں۔

سائنسدانوں نے انیسویں صدی میں انگلیوں کے نقوش کی خاص اہمیت دریافت کی۔ کوئی سے دو انسانوں کے نقوش ایک جیسے نہیں۔ چاہے وہ انسان جڑواں ہی کیوں نہ ہو۔ دنیا میں جگہ جگہ اس جدید دریافت کو لوگوں کی شناخت کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔قرآن نے اس حقیقت پر سے پردہ 1400 سال پہلے ہی اٹھا دیا تھا اور اللہ نے فرمایا کہ موت کے بعد دوبارہ زندہ کریں گے تو اس طرح کریں گے کہ ایک ایک نقشہ اپنی جگہ پر ہوگا یعنی دوبارہ اٹھانا کمال درجے تک پہلے جیسا ہوگا۔

اِنۡ اَخَذَ اللّٰہُ سَمۡعَکُمۡ وَ اَبۡصَارَکُمۡ وَ خَتَمَ عَلٰی قُلُوۡبِکُمۡ مَّنۡ اِلٰہٌ غَیۡرُ اللّٰہِ یَاۡتِیۡکُمۡ بِہٖ. (سورۃ الانعام 46)

ترجمہ: آپ کہہ دیں: بھلا دیکھو! اگر اللہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں چھین لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے؟ جو تم کو یہ چیزیں لا دے۔

وَ اللّٰہُ اَخۡرَجَکُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّہٰتِکُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَیۡئًا ۙ وَّ جَعَلَ لَکُمُ السَّمۡعَ وَ الۡاَبۡصَارَ وَ الۡاَفۡئِدَۃَ ۙ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ. (سورۃ نحل 87)

ترجمہ: اور اللہ نے تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا تم کچھ بھی نہ جانتے تھے، اور اللہ نے تمہارے بنائے کان اور آنکھیں اور دل تا کہ تم شکرادا کرو۔

وَهُوَ الَّذِیٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ (سورة مومنون:78)

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے۔ تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔

ان آیات میں اللہ کی تین اہم نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک خاص بات یہ دیکھی جاسکتی ہے کہ تینوں آیات میں پہلے سننے پھر دیکھنے اور اس کے بعد دل کا ذکر ہے۔ جدید تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ انسانی جسم میں پہلے کانوں کا ابتدائی حصہ پھر آنکھوں اور آخر میں دل کا ابتدائی حصہ بنتا ہے۔

و فی انفسهم

وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا. (سورة نوح: 14)

ترجمہ: اور یقیناً اس نے تمہیں پیدا کیا طرح طرح سے۔

انسان کی تخلیق مختلف مراحل میں ہوتی ہے۔ اس بات کی وضاحت ایک اور آیت میں پائی جاتی ہے۔

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ.

ترجمہ: اس نے تمہیں نفس واحد (آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا پھر اس نے اس سے اس کا ایک جوڑا بنایا اور تمہارے لیے چوپایوں میں آٹھ جوڑے بھیجے۔

یعنی تخلیق کے تین علیحدہ علیحدہ مراحل ہیں۔ مختلف مراحل کی دریافت 1759ء میں سائنسدانوں نے کی۔ لیکن تین واضح مراحل کا سانچہ 1940ء تک معلوم نہیں ہوا تھا۔ جب کہ قرآن کی یہ بات 1400 سال پہلے آ چکی ہے۔

یہ تین مراحل مندرجہ ذیل ہیں:

1- نطفہ......یعنی جب بچہ پانی کی صورت میں ہوتا ہے۔

2- علقہ...... جب وہ پانی خون کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

3- مضغہ...... جب وہ خون گوشت کے ٹکڑے اور بوٹی کی شکل میں آجاتا ہے۔

تیسرا مرحلہ جو کہ 8 ہفتوں کے بعد آتا ہے۔ اس کی خاص بات یہ ہے کہ اس مرحلے میں پیدا ہونے والا بچہ صرف 3 سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔ اس کی جسامت ایک انسان کی سی ہو چکی ہوتی ہے۔ یعنی ہاتھ، پاؤں، منہ کی شناخت ہو چکی ہوتی ہے۔ اور یہ تینوں مراحل شروع ہی سے اللہ کی قدرت سے تین اندھیروں میں نشونما پاتے ہیں۔ جن کا ذکر قرآن میں اس طرح آتا ہے۔

يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ○

ترجمہ: تمہیں پیدا کرتا ہے تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں، تین تاریکیوں کے اندر ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت میں۔ وہ تین اندھیرے مندرجہ ذیل ہیں۔

1- پیٹ کا اندھیرا۔

2- رحم کا اندھیرا۔

3- جنین کی جھلی کا اندھیرا۔

انفس

☆ **سنریهم اٰیٰتنا فی الافاق و فی انفسهم حتی یتبین لهم انه الحق اولم یکف بربک انه علی کلی شیءٍ شهیدo**

اللہ جل شانہ نے انسانوں کو بنایا اور ان کی مختلف زبانیں اور مختلف رنگ بنائے۔ اور ان کے درمیان فرق بنایا اور ان کے ذہنوں اور سمجھ کے اعتبار سے ان میں کوئی سعادت مند ہے اور کوئی بدبخت ہے اور ان کے بنانے میں میں کیا حکمتیں چھپی ہوئی ہیں اور ہر ہر عضو کو اپنی جگہ ہونے کی کیا حکمتیں ہیں۔ اور اللہ جل و شانہ نے ہر عضو اس جگہ بنایا جہاں اس کی ضرورت ہے اللہ پاک نے قرآن میں فرمایا:

وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ. (سورة ق: 21)

ترجمہ: اور تمہاری ذات میں بھی تو کیا تم دیکھتے نہیں؟

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں جو اپنی تخلیق میں غور و فکر کرے گا وہ یہ جان لے گا کہ اس کو صرف عبادت کے لیے ہی بنایا گیا ہے اور اس کے جوڑوں کو اللہ کے سامنے جھکنے کے لیے ہی نرم کیا گیا ہے۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا:

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ. (سورة بلد)

ترجمہ: کیا ہم نے نہیں بنائی اس کی دو آنکھیں؟

زبان 32 چھریوں کے اندر چلتی ہے۔ اللہ کی حفاظت کا کیسا نظام ہے؟ 32 چھریوں میں گوشت کا لوتھڑا چل رہا ہے اللہ اسے کٹنے نہیں دے رہا۔ کبھی کبھی اپنی حفاظت کے نظام کو ہٹاتا ہے تو منہ کے دانت زبان کو بری طرح زخمی کر دیں۔

اگر انسان کے جسم کی رگوں کو نکالا جائے اور زمین پر جس کا قطر 24000 میل ہے لپیٹا جائے تو ایک انسان کے جسم کی رگیں زمین کے قطر اور دائرے کے گرد تین مرتبہ لپیٹی جا سکتی ہے۔ دل 72000 میل خون کو پھینک کر آتا ہے اور یہ 60 اور 70 برس تک دھڑکتا ہے۔ ایک گاڑی ہزار میل چل جائے تو کہتے ہیں تیل

تبدیل کرو، موبل آئل تبدیل کرو اور اس کی مرمت کرو۔ 70 سال دل دھڑکتا ہے خون کو پھینکتا ہے۔ خون کو واپس کھینچتا ہے اس کی کوئی سروس نہیں ہوتی۔ جب اس کی سروس کی ضرورت ہوتی ہے تو اعلان ہوتا ہے کہ اس تیاری کرو۔ اللہ دل کو دھڑکاتے ہیں۔ اللہ بازو کو حرکت دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رزق دیتے ہیں۔

☆ **وفی انفسھم**

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْھِمْ نَارًا کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَیْرَھَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَزِیْزًا حَکِیْمًا.(سورۃ النساء 56)

ترجمہ: جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا کفر کیا بیشک انہیں ہم عنقریب آگ میں ڈال دیں گے۔ جس وقت ان کی کھالیں پک (گل) جائیں گی ہم اس کے علاوہ (دوسری) کھالیں بدل دیں گے تا کہ وہ عذاب چکھیں۔ بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

جلنے کی تکلیف جو انسان محسوس کرتا ہے وہ خارجی جلد تک محدود ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب جلد آگ سے جل جاتی ہے اور اس کی جلن گہری ہوتی ہے تو محسوس کرنے کا عضو بھی اس جلنے کی وجہ سے نہ کارہ ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر سالم محمود کہتے ہیں: جسم کے محسوس کرنے کے جو خلیے ہوتے ہیں وہ جلنے کی وجہ سے ناکارہ ہو جاتے ہیں تو انسان آگ کو محسوس نہیں کر سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دماغ میں جو تکلیف کی جگہ ہے وہ محسوس کرنے والے خلیات کے بغیر تکلیف کو نہیں محسوس کر سکتی۔

اوپر والی آیات کو غور سے پڑھیں۔ اس آیت کی وجہ سے پروفیسر تیلاندی جو کہ علمائے تشریح کے مشہور عالم ہیں، دہشت میں آگئے اور پھر انہوں نے معجزات قرآن کی تعلیم شروع کی جو 2 سال تک جاری رہی۔ پھر انہوں نے ایک کانفرنس میں حصہ لیا اور اس چیز کی شرح کی کہ جو جدید تعلیم انہوں نے حاصل کی ہے اس کی چھوٹی چھوٹی بات بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب میں موجود ہے اور یہ کہتے ہوئے انہوں نے اپنی بات ختم کی۔

"میرے لیے یقیناً یہ ثابت ہو چکا ہے کہ قرآن کی آیات ہر چیز کے بنانے والے کی طرف سے پہنچتی ہیں۔ اب میرے لیے یہ وقت آ گیا ہے کہ میں یہ اعلان کروں **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ** کہ آج سے میں مسلمان ہو گیا اور اس کے بعد کون ہے جو اللہ سے ڈرے اس سے پہلے کہ وقت ضائع ہو جائے اور وہ دن آجائے جس دن مجرموں سے کہا جائے۔

مَا سَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ (42) قَالُوْا لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ (43) وَلَمْ نَکُ نُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ (44) وَکُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِیْنَ (45) وَکُنَّا نُکَذِّبُ بِیَوْمِ الدِّیْنِ (46) حَتّٰی اَتٰنَا الْیَقِیْنُ (47) فَمَا تَنْفَعُھُمْ شَفَاعَۃُ الشّٰفِعِیْنَ. (سورہ مدثر)

ترجمہ: کہ تم کو دوزخ میں کس بات نے داخل کیا؟ وہ کہیں گے ہم نہ تو نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ غریب کو (جس کا حق واجب تھا) کھانا کھلایا کرتے تھے اور مشغلہ میں رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی مشغلہ میں رہا کرتے تھے اور قیامت کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ (اسی حالت میں) ہم کو موت آ گئی سو ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حکمت

اللہ سبحان وتعالیٰ حکیم ہیں اور اللہ جل شانہ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ جیسا کہ خود حق سبحانہ وتقدس قرآن پاک میں بار بار فرماتے ہیں:

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُo وَهُوَالْعَلِيْمُ الْحَكِيْمِ

اور وہ زبردست حکمت والے ہیں۔ وہ علم والے، حکمت والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت والی آیات

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بيْنَهُمَا لَا عُبِيْنَo

(جواہر الطنطاوی جلد 5 صفحہ 196)

اللہ پاک یہ فرما رہے ہیں کہ ہم نے زمین و آسمان کی اس خوبصورتی کولہو ولعب کے لیے نہیں بنایا۔ بلکہ ہم نے اس کو کسی حکمت سے پیدا کیا ہے۔ اس کو کسی فائدے کے لیے وجود دیا ہے اور اس کو اس لیے آراستہ کیا تا کہ ہم انسانوں کی تربیت کریں اور ان انسانوں کو اپنے عجائب پر مطلع کریں اور تا کہ وہ اس کائنات کی خوبصورتی کا خود ادراک کریں اور تا کہ یہ ان کے لیے ایک پر کی مانند ہو جائے جس کے ذریعے سے وہ اوپر والے عالم تک پہنچ سکیں۔

لَوْ اَرَدْنَا اَنْ نَتَّخِذَ لَهْوًا لَّا تَّخَذْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا.

یعنی اگر ہم چاہتے تو اپنے پاس سے (اختیار کر لیتے) یعنی ان عوالم میں سے جو مادہ سے خالی ہیں جیسا کہ فرشتے اور ہم نے تم کو اس لیے نہیں بنایا تا کہ تمہارے ساتھ لہو ولعب کریں جیسا کہ تم لوگ زمین کی مادی صورتوں کے ساتھ لہو کرتے ہو۔ بلکہ اگر لہو ہوتا تو ہمارے پاس والے عوالم میں سے ہوتا (جو مادہ سے خالی ہیں) مگر بات یہ ہے کہ یہ ہماری شان کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہ ہماری حکمتوں کے نظام اور ہمارے نظام کے قوانین سے باہر ہے ہم جسمانی صورتوں اور روحانی نفوس سے کھیلنے والے نہیں ہیں بلکہ ہم نے تم کو حکمت سے (ایک حکمت کے لیے) پیدا کیا ہے۔ اور تمہاری تقدیر کی ہے۔ اور تمہاری شکلیں بنائی ہیں۔ اور تمہارے لیے کان اور آنکھیں بنائی ہیں اور یہ سب حدوں کے لیے بنایا ہے (انہی حدود کے لیے) جو ہم نے تمہارے لیے مقرر کی ہیں۔ یہ ہم نے اپنے لہو ولعب کے لیے نہیں بنایا اور اسی وجہ سے ہم تم کو بیکار نہیں چھوڑ دیں گے بلکہ

تمہارا مواخذہ ومحاسبہ کریں گے کیونکہ ہمارا مطلب حدود مقرر کرنا ہے اور لہو ولعب بندوں کی شان ہے، رب العالمین کی نہیں۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا.

یعنی ہم نے زمینوں، آسمانوں اور ان دونوں کے درمیان کی چیزوں کو باطل یعنی بے کار نہیں بنایا۔ یا اس کو باطل کے لیے نہیں بنایا جو خواہش کا تابع ہو بلکہ اس کو حق کے لیے بنایا جو عدل کا تقاضا کرتا ہے۔

اور یہ تو کفار کا گمان ہے کہ اللہ نے زمین و آسمان کو بے کار بنایا ہے۔ تو جس نے یہ گمان کیا اس نے دلیل کے بغیر فیصلہ کیا جیسے کہ قاضی ایک فریق کے حق میں دوسرے فریق کی بات سنے بغیر فیصلہ کر دے (جیسا کہ داؤد علیہ السلام کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ہم نے داؤد علیہ السلام کو آزمائش میں ڈالا (دو فریقوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں) اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ وہ فتنے میں پڑ گئے اس وجہ سے انہوں نے ایک فریق کی طرف رجحان کر لیا ہے دوسرے کو چھوڑ کر تو اسی طرح ہم نے انسان کو زمین پر آزمائش میں ڈالا اور ہمارے نظام میں اس کا امتحان لیا تو ان میں بعض ایسے ہیں جو دیکھتے ہیں کہ ہمارا مارنا اور ہمارا زندہ کرنا اور بیمار کرنا اور زمین پر تغیر کا ہونا اور وباء اور جنگیں اور جھوٹ اور تمام فتنوں کا ہونا یہ سب باطل ہے اس کا کوئی مقصد نہیں تو انسان بس زندگی گزارتا ہے اور مر جاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ یہ سب کیوں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اطمینان اور راحت میں کیوں نہیں بنایا اس حال میں کیوں نہیں بنایا کہ نہ وہ بیمار ہوں نہ بدبخت ہوں نہ جنگ کریں نہ آپس میں لڑائی جھگڑا کریں اور اللہ تعالیٰ نے شیروں کو کیوں حکم دیا کہ وہ ہرنوں اور خرگوش کو کھائیں اور کھانے والے جانوروں کے دانتوں کو کیوں تیز بنایا اور کیوں کھائے جانے والے جانوروں کو مقابلے سے منع کیا؟

اور غور کریں تو انکار کرنے والوں میں بھی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک قسم تو وہ ہے جو اس کا دل سے انکار کرتے ہیں۔ پس ان میں بعض اس کو ظاہر کرتے ہیں جیسے وہ لوگ جو آجکل کے زمانے میں سطحی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور بعض اس کو چھپاتے ہیں اور وہ بہت سے دیندار ہیں (چاہے کسی بھی دین کے ہوں) اور دوسری قسم وہ ہے جو حکمت کے علوم پڑھتی ہے اور اس کا اچھی طرح احاطہ کرتی ہے اور وہ اس بات کو محسوس کرتی ہے کہ یہ نظام اچھا ہے اور اس میں جو کچھ ہے وہ اپنے سے اونچے حال کے لیے پیش ہونے والا ہے۔

تو جو یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس عالم کا نظام باطل ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو دو فریقوں میں سے ایک کے حق میں فیصلہ کر دے۔ انسان اگر اس تخلیق عالم کے اس پہلو پر غور کرے تو اس کا رجحان دوسرے فریق کی طرف بھی ہو جائے اور وہ اس کی حُجّت سمجھ جائے اور اس کی حجت یہ ہے کہ یہ نظام عجیب ہے اور جب لوگ اس کو سمجھ سکیں گے تو پہلی سوچ باطل ہو جائے گی اور وہ یہ ہے کہ دنیا غیر منظم ہے اور جو باتیں اس کائنات کے

نظام میں شکوک پھیلاتی ہیں ان میں سے یہ ہے کہ ظلم اس سے مجسم ہے اور خاص طور سے اس انسان میں اور کیوں نہ ہو کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کتنے ہی مفسدین نعمتوں اور عافیت میں ہیں تو یہ کونسا نظام ہے؟ یہ کیسا عدل ہے؟ لیکن اگر لوگ یہ جان لیں کہ اس دنیا کے بعد ایک اور زندگی ہے جہاں تمام امور کی حقیقت کھل جائے گی تو وہ یہ جان لیں کہ یہ نظام بالکل انصاف والا ہے۔

فقہی مسائل

غسل کا طریقہ

غسل کرنے والی کو چاہیے کہ پہلے گٹوں تک دونوں ہاتھ دھوئے۔ پھر استنجے کی جگہ دھوئے۔ ہاتھ اور استنجے کی جگہ نجاست نہ ہوتب بھی ہر حال میں ان دونوں کو پہلے دھونا چاہیے۔ پھر جہاں بدن پر نجاست ہو پاک کرے پھر وضو کرے۔ پھر وضو کے بعد تین مرتبہ اپنے سر پر پانی ڈالے۔ پھر تین مرتبہ داہنے کندھے پر، پھر تین بار بائیں کندھے پر پانی ڈالے اس طرح کہ سارے بدن پر پانی بہہ جائے۔ جب سارے بدن پر پانی پڑ جائے اور کلی کر لے اور ناک میں پانی ڈال لے تو غسل ہو جائے گا۔ چاہے غسل کرنے کا ارادہ ہو یا نہ ہو اسی طرح اگر حوض وغیرہ میں گر جائے اور سب بدن بھیگ گیا اور کلی بھی کر لی اور ناک میں پانی بھی ڈال لیا تو غسل ہو گیا۔ اسی طرح غسل کرتے وقت کلمہ پڑھنا یا پانی پر دم کرنا ٹھیک نہیں چاہے کلمہ پڑھے یا نہ پڑھے پاکی حاصل ہو جاتی ہے نہاتے وقت کلمہ یا اور کوئی دعا پڑھنا ٹھیک نہیں اس وقت کچھ نہ پڑھے۔ اگر بدن بھر میں بال برابر بھی کوئی جگہ سوکھی رہ جائے گی تو غسل نہیں ہو گا۔ اسی طرح اگر غسل کرتے وقت کلی کرنا بھول جائے یا ناک میں پانی نہیں ڈالا تو بھی غسل نہیں ہوا۔ اگر غسل کے بعد یاد آ جائے کہ فلاں جگہ سوکھی رہ گئی تھی تو پھر سے نہانا واجب نہیں بلکہ جہاں سوکھا رہ گیا تھا اسی کو دھو لینا چاہیے لیکن فقط ہاتھ پھیر لینا کافی نہیں بلکہ تھوڑا پانی لے کر اس جگہ بہانا چاہیے اور اگر کلی کرنا بھول گئی ہو تو اب کلی کر لے اور اگر ناک میں پانی نہ ڈالا تو اب ڈال لے۔ غرض جو چیز رہ گئی ہو بعد میں اس کو پورا کر لینا چاہیے نئے سرے سے غسل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

غسل کے فرائض، سنن اور مستحبات

	غسل کے فرائض	غسل کی سنتیں	غسل کے مستحبات
نمبر شمار	غسل کے تین فرائض ہیں	غسل کی پانچ سنتیں ہیں	غسل کے چار مستحبات ہیں
-1	ایک بار خوب منہ بھر کر کلی کرنا، اگر روزہ نہ ہوتو غرارہ بھی کرے	دونوں ہاتھ گٹوں تک دھونا	غسل کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ نہ کرنا
-2	ناک میں پانی ڈالنا اس طور پر کہ سانس کے ساتھ ناک کے نرم حصہ تک پانی پہنچ جائے	استنجا کرنا، بدن پر جس جگہ نجاست لگی ہو اسے دھونا	بقدرضرورت پانی بہانا
-3	سارے بدن پر پانی پہنچانا اس طور پر کہ بال برابر جگہ بھی سوکھی نہ رہ جائے	ناپاکی دور کرنے کی نیت کرنا	غسل کے وقت باتیں نہ کرنا
-4		پہلے وضو کر لینا	سنت کے مطابق کرنا
-5		تمام بدن پر تین مرتبہ پانی بہانا	

وضو کے فرائض، سنن اور مستحبات

	وضو کے فرائض	وضو کی سنتیں	وضو کے مستحبات
نمبر شمار	وضو کے چار فرض ہیں	وضو کی تیرہ سنتیں ہیں	وضو کے پانچ مستحبات ہیں
-1	پیشانی کے بالوں سے تھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان کی لو سے دوسرے کی لو تک منہ دھونا	نیت کرنا	دائیں طرف سے شروع کرنا
-2	دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھونا	بسم اللہ پڑھنا	گردن کا مسح کرنا
-3	چوتھائی سر کا مسح کرنا	پہلے تین بار دونوں ہاتھ گٹوں تک دھونا	وضو کے کام خود کرنا دوسروں سے مدد نہ لینا
-4	دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھونا	مسواک کرنا	قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھنا
-5		تین بار کلی کرنا	پاک اور اونچی جگہ پر بیٹھ کر وضو کرنا
-6		تین بار ناک میں پانی ڈالنا	
-7		داڑھی کا خلال کرنا	
-8		ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا	
-9		ہر عضو کو تین بار دھونا	
-10		ایک بار پورے سر کا مسح کرنا	
-11		دونوں کانوں کا مسح کرنا	
-12		ترتیب سے وضو کرنا	
-13		پے در پے وضو کرنا کہ ایک عضو خشک نہ ہونے پائے تو دوسرا دھو لیا جائے۔	

وضو کرنے کا طریقہ

وضو کس طرح کرنا چاہیے؟

صاف برتن میں پاک پانی لے کر پاک صاف اور اونچی جگہ پر بیٹھو قبلہ کی طرف منہ کر لو تو اچھا ہے اور اس کا موقع نہ ہو تو کچھ نقصان نہیں آستینیں کہنیوں سے اوپر تک چڑھا لو۔ پھر بسم اللہ پڑھو۔ اور تین بار گٹوں تک دونوں ہاتھ دھوؤ۔ پھر تین مرتبہ کلی کرو۔ مسواک کرو۔ مسواک نہ ہو تو انگلی سے دانت مل لو۔ پھر تین بار ناک میں پانی ڈال کر بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے ناک صاف کرو۔ پھر تین مرتبہ منہ دھوؤ۔ منہ پر پانی زور سے نہ مارو بلکہ آہستہ آہستہ سے پیشانی پر پانی ڈال کر دھوؤ۔ پیشانی کے بالوں سے تھوڑی تک اور دونوں کانوں تک منہ کو دھونا چاہیے۔ اس کے بعد دائیں بازو کو کہنی تک اور پھر بائیں بازو کو کہنی تک تین دفعہ دھونا ہے۔ بازو دھونے کے بعد سر کا مسح کرنا ہے۔ مسح کے لیے پیشانی سے لے کر گردن تک اور پھر شہادت کی انگلی سے کانوں کے اندر صفائی کرنی ہے اور انگوٹھے سے کانوں کے باہر کی صفائی کرنی ہے۔ اس کے بعد دایاں پاؤں اور پھر بایاں پاؤں دھونا ہے۔

وضو کو توڑنے والی چیزیں

وضو کو توڑنے والی چیزیں آٹھ ہیں۔

1- پاخانہ پیشاب کرنا یا ان دونوں راستوں سے کسی اور چیز کا نکلنا۔

2- ریح یعنی ہوا کا پیچھے سے نکلنا۔

3- بدن کے کسی مقام سے خون یا پیپ کا نکل کر بہہ جانا۔

4- منہ بھر کے قے کرنا۔

5- لیٹ کر یا سہارا لگا کر سو جانا۔

6- بیماری یا کسی اور وجہ سے بیہوش ہو جانا۔

7- مجنون یا دیوانہ ہو جانا۔

8- نماز میں قہقہہ مار کر ہنسنا۔

غسل سے متعلق ضروری احکام

1- غسل کرتے وقت کلمہ یا کوئی اور دعا نہ پڑھنا۔

2- اگر غسل کے بعد معلوم ہو کہ فلاں جگہ سوکھی رہ گئی ہے تو خالی جگہ کو دھو لے، پھر سے پورا غسل دھرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

3- نتھ اور بالیوں کے سوراخوں میں بھی خوب خیال سے پانی پہنچانا اگر پانی نہ پہنچا تو غسل نہ ہوگا۔ اگر انگوٹھی چھلا پہنا ہوا اور وہ تنگ ہو تو ان کو بھی پانی ڈالتے وقت ہلانا تاکہ پانی اچھی طرح پہنچ جائے۔

4- اگر ناخن میں آٹا لگ کر سوکھ گیا اور اس کے نیچے پانی نہیں پہنچا تو غسل نہیں ہوا۔

5- اگر نیل پالش ناخنوں پر لگی ہو تو اس کے ہوتے ہوئے غسل نہیں ہوتا۔

6- اگر دانتوں کے بیچ میں چھالیہ یا کوئی چیز پھنسی ہوئی ہے تو اس کو نکال کر غسل کرنا۔

تیمّم کے فرائض اور اس کا طریقہ

تیمّم کے فرائض:

تیمّم کے تین فرائض ہیں:

1- نیت کرنا۔

2- دونوں ہاتھ مٹی پر مار کر منہ پر پھیرنا۔

3- دونوں ہاتھ مٹی پر مار کر کہنیوں سمیت ملنا۔

تیمّم کا طریقہ:

1- اول نیت کرنا کہ میں ناپاکی دور کرنے اور نماز پڑھنے کے لیے تیمّم کرتی ہوں۔

2- دونوں ہاتھ مٹی کے ڈھیلے پر مار کر انہیں جھاڑنا۔ زیادہ مٹی لگ جانے کی صورت میں پھونک مار کر مٹی جھاڑنا۔

3- دونوں ہاتھوں کو منہ پر اس طرح پھیرنا کہ کوئی جگہ باقی نہ رہ جائے اگر ایک بال برابر جگہ چھوٹ جائے گی تو تیمّم نہ ہوگا۔

4- دونوں ہاتھ مٹی پر مار کر انہیں جھاڑ لیں، پھر دایاں بازو پھلائیں اس طور پر کہ ہتھیلی اوپر کی طرف ہو اب بائیں ہاتھ کی چاروں انگلیاں سیدھے ہاتھ کی انگلیوں کے سروں کے نیچے رکھ کر کھینچتے ہوئے کہنی تک لے جائیں، پھر بایاں ہاتھ گھما کر دائیں ہاتھ کے اوپر کی جانب لائیں اور بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو کہنی سے پھیرتے ہوئے کلائی تک لائیں اور بائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کی پشت کا مسح کریں۔ بالکل اسی طرح دائیں ہاتھ سے بائیں بازو کا مسح کرلیں۔

5- انگلیوں کا خلال کرنا، اگر انگوٹھی پہنے ہوئے ہو تو اسے اتارنا یا ہلانا ضروری ہے۔

تیمّم کے ضروری احکام:

1- اگر کوئی جنگل میں ہے اور بالکل معلوم نہیں کہ پانی کہاں ہے۔ نہ وہاں کوئی ایسا آدمی ہے جس سے دریافت کرے، تو ایسے وقت تیمّم کرلے اور اگر کوئی آدمی مل گیا اور اس نے ایک میل (1.64km) کے اندر پانی کا پتہ بتایا اور گمان غالب ہوا کہ یہ سچا ہے، یا آدمی تو نہیں ملا لیکن کسی نشانی سے خود اس کا جی کہتا ہے کہ

یہاں ایک میل کے اندر کہیں پانی ضرور ہے، تو پانی کا اس قدر تلاش کرنا کہ اس کو اور اس کے ساتھیوں کو کسی قسم کی تکلیف اور حرج نہ ہو ضروری ہے۔ ڈھونڈے بغیر تیمّم کرنا درست نہیں۔ اور اگر خوب یقین ہے کہ پانی ایک میل کے اندر ہے تو پانی کا لانا واجب ہے۔

2-اگر پانی کا پتہ چل گیا لیکن پانی ایک میل سے دور ہے تو اتنی دور جا کر پانی لانا واجب نہیں ہے بلکہ تیمّم کر لینا درست ہے۔

3-اگر کوئی آبادی سے ایک میل کے فاصلہ پر ہو اور ایک میل سے قریب کہیں پانی نہ ملے تو بھی تیمّم کر لینا درست ہے۔ چاہے مسافر ہو یا مسافر نہ ہوے

4-اگر کہیں پانی مل گیا لیکن بہت تھوڑا ہے تو اگر اتنا ہو کہ ایک ایک دفعہ منہ اور دونوں ہاتھ اور دونوں پیر دھوئے جا سکتے ہوں تو تیمّم کرنا درست نہیں بلکہ ایک ایک دفعہ ان چیزوں کو دھو لے اور سر کا مسح کر لے اور کلی وغیرہ نہ کرے یعنی وضو کی سنتیں چھوڑ دے اور اگر اتنا بھی نہ ہو تو تیمّم کر لے۔

5-اگر بیماری کی وجہ سے پانی نقصان کرتا ہو کہ اگر وضو اور غسل کرے گی تو بیماری بڑھ جائے گی یا دیر میں اچھی ہو گی تب بھی تیمّم درست ہے۔ لیکن اگر ٹھنڈا پانی نقصان کرتا ہو اور گرم پانی نقصان نہ کرے تو گرم پانی سے غسل کرنا واجب ہے۔ البتہ اگر ایسی جگہ ہے کہ گرم پانی نہیں مل سکتا تو تیمّم کرنا درست ہے۔

6-جب تک پانی سے وضو نہ کر سکے تیمّم ہی کرنا چاہیے چاہے جتنے دن گزر جائیں۔

7-اگر کسی کے آدھے سے زیادہ بدن پر زخم ہوں یا چیچک نکلی ہوئی ہو تو نہانا واجب نہیں بلکہ تیمّم کر لینا چاہیے۔

8-اگر سفر میں کسی اور کے پاس پانی ہو تو اپنے جی کو دیکھے اگر اندر سے دل کہتا ہو کہ اگر پانی مانگا تو مل جائے گا تو بغیر مانگے ہوئے تیمّم کر لینا درست نہیں۔ اور اگر اندر سے دل یہ کہتا ہو کہ مانگنے سے پانی نہیں ملے گا تو بغیر مانگے بھی تیمّم کر کے نماز پڑھ لینا درست ہے۔ لیکن اگر نماز کے بعد پانی مانگا اور پانی مل گیا تو نماز کو دھرانا پڑھے گا۔

9-اگر غسل کرنا نقصان کرتا ہو اور وضو نقصان نہ کرے تو غسل کی جگہ تیمّم کرے۔ پھر وہ تیمّم جو غسل کی جگہ کیا ہے اس کے بعد اگر وضو ٹوٹ جائے تو وضو کے لیے تیمّم نہ کرے بلکہ وضو کی جگہ وضو ہی کرنا چاہیے۔

10-زمین کے سوا اور جو چیز مٹی کی قسم سے ہو اس پر تیمّم درست ہے جیسے مٹی، ریت، پتھر، گچ، چونا، سرمہ، گیرو وغیرہ اور جو چیز مٹی کی قسم سے نہ ہو اس سے تیمّم درست نہیں جیسے سونا، چاندی، تانبا، گیہوں، لکڑی، کپڑا وغیرہ۔ ہاں اگر ان چیزوں پر گرد مٹی لگی ہو تو اس وقت ان چیزوں پر تیمّم کرنا درست ہوگا۔

11-اگر پتھر پر بالکل گرد نہ ہو تب بھی تیمّم درست ہے۔ بلکہ اگر پانی سے خوب دھلا ہوا ہو تب بھی

درست ہے۔ ہاتھ پر گرد کا لگنا کچھ ضروری نہیں ہے اسی طرح پکی اینٹ پر بھی تیمّم درست ہے چاہے اس پر گرد ہو یا نہ ہو۔

12- جس طرح وضو کی جگہ تیمّم درست ہے اسی طرح غسل کی جگہ بھی مجبوری کے وقت تیمّم درست ہے۔ اسی طرح جو عورت حیض و نفاس سے پاک ہوئی ہو مجبوری کے وقت اس کے لیے بھی تیمّم کر لینا درست ہے۔ وضو اور غسل کے تیمّم میں کوئی فرق نہیں دونوں کا ایک ہی طریقہ ہے۔

13- اگر قرآن مجید کے چھونے کے لیے تیمّم کیا تو اس سے نماز پڑھنا درست نہیں ہے اور اگر ایک نماز کے لیے تیمّم کیا تو اس سے دوسرے وقت کی نماز پڑھنا درست ہے اور قرآن مجید کا چھونا بھی اس تیمّم سے درست ہے۔

14- کسی کو غسل کی بھی ضرورت ہے اور وضو بھی نہیں ہے تو وضو اور غسل کے لیے ایک ہی تیمّم کرے دونوں کے لیے الگ الگ تیمّم کرنے کی ضرورت نہیں۔

15- پانی موجود ہوتے وقت قرآن مجید کے چھونے کے لیے تیمّم کرنا درست نہیں۔

16- جتنی چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ان سے تیمّم بھی ٹوٹ جاتا ہے اور پانی مل جانے سے بھی ٹوٹ جاتا ہے۔

17- اگر وضو کے لیے تیمّم کیا ہے تو وضو کے موافق پانی ملنے سے تیمّم ٹوٹ جائے گا اور اگر غسل کے لیے تیمّم کیا ہے تو غسل کے موافق پانی ملنے سے تیمّم ٹوٹ جائے گا۔ اگر پانی غسل اور وضو کے موافق نہیں ملا تو تیمّم نہیں ٹوٹے گا۔

موزوں پر مسح کرنے کا طریقہ اور اس سے متعلق ضروری احکام

موزوں پر مسح کرنے کا طریقہ:

ہاتھ کی انگلیاں تر کر کے آگے کی طرف رکھیں۔ انگلیاں تو پوری موزہ پر رکھیں اور ہتھیلی موزے سے علیحدہ رکھیں، پھر ان کو کھینچ کر ٹخنے کی طرف لے جائیں اور انگلیوں کے ساتھ ہتھیلی بھی رکھ دیں اور اگر ہتھیلی سمیت انگلیوں کو کھینچ کر لے جائیں تو بھی درست ہے۔ اگر کوئی الٹا مسح کرے یعنی ٹخنے کی طرف سے کھینچ کر انگلیوں کی طرف لائے تو بھی جائز ہے لیکن خلاف مستحب ہے اسی طرح اگر لمبائی میں مسح نہ کرے بلکہ موزے کی چوڑان میں مسح کرے تو بھی درست ہے لیکن خلاف مستحب ہے۔

موزوں پر مسح کرنے سے متعلق ضروری احکام:

1- اگر چمڑے کے موزے وضو کر کے پہنے اور پھر وضو ٹوٹ جائے تو پھر وضو کرتے وقت موزوں پر مسح کر لینا درست ہے۔ اور اگر موزہ اتار کر پیر دھو لیا جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

2- اگر موزہ اتنا چھوٹا ہو کہ ٹخنے موزے کے اندر چھپے ہوئے نہ ہوں تو ان پر مسح درست نہیں۔ اسی طرح اگر بغیر وضو کیے موزہ پہن لیا تو اس پر بھی مسح درست نہیں موزہ اتار کر پیر دھونا چاہیے۔

3- سفر کے دوران تین دن تین رات تک موزوں پر مسح کرنا درست ہے اور جو سفر میں نہ ہو اس کو ایک دن اور ایک رات، اور جس وقت وضو ٹوٹا ہے اس وقت سے ایک دن رات یا تین دن رات کا حساب کیا جائے گا، جس وقت موزہ پہنا ہے اس کا اعتبار نہیں کرینگے۔ مثلاً کسی نے ظہر کے وقت وضو کر کے موزہ پہنا پھر سورج ڈوبنے کے وقت وضو ٹوٹا تو اگلے دن کے سورج ڈوبنے تک مسح کرنا درست ہے اور سفر میں تیسرے دن کے سورج ڈوبنے تک، جب سورج ڈوب گیا تو اب مسح کرنا درست نہیں رہا۔

4- اگر کوئی ایسی بات ہوگئی جس سے نہانا واجب ہو گیا تو موزہ اتار کر نہائے۔ غسل کے ساتھ موزے پر مسح کرنا درست نہیں۔

5- موزہ کے اوپر کی طرف مسح کرے تلوے کی طرف مسح نہ کرے۔

6- اگر کسی نے موزے پر مسح نہیں کیا لیکن پانی برستے وقت باہر نکل گیا یا بھیگ گیا یا گھاس پر چلا جس

سے موزہ بھیگ گیا تو مسح ہو گیا۔

7-ہاتھ کی تین انگلیوں سے ہر موزے پر مسح کرنا فرض ہے اس سے کم میں مسح صحیح نہیں ہوگا۔

8-جن چیزوں سے وضوٹوٹ جاتا ہے ان سے مسح بھی ٹوٹ جاتا ہے اور موزوں کے اتار دینے سے بھی مسح ٹوٹ جاتا ہے۔تو اگر کسی کا وضو تو نہیں ٹوٹا لیکن اس نے موزے اتار دیئے تو مسح ٹوٹ جائے گا اب دونوں پیر دھو لے پھر سے وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

9-اگر ایک موزہ اتار دیا تو دوسرا موزہ بھی اتار کر دونوں پاؤں کا دھونا واجب ہے۔

10-اگر مسح کی مدت پوری ہوگئی ہے۔تو مسح ٹوٹ جائے گا اگر وضو نہ ٹوٹا ہو تو موزہ اتار کر دونوں پاؤں دھوئے۔پورے وضو کا دھرانا واجب نہیں اور اگر وضوٹوٹ گیا ہو تو موزے اتار کر پورا وضو کرے۔

11-موزہ پر مسح کرنے کے بعد کہیں پانی میں پیر پڑ گیا اور موزہ ڈھیلا تھا اس لیے موزے کے اندر پانی چلا گیا اور سارا پاؤں یا آدھے سے زیادہ پاؤں بھیگ گیا تو بھی مسح ٹوٹ جائے گا،اب دوسرا موزہ بھی اتار دے اور دونوں پیروں کو دھوئے۔

12-جو موزہ اتنا پھٹ گیا ہو کہ جتنے میں پیر کی چھوٹی تین انگلیوں کے برابر جگہ کھلتی ہے تو اس پر مسح درست نہیں اور اگر اس سے کم جگہ ہو تو درست ہے۔

13-اگر موزہ کی سلائی کھل گئی لیکن اس میں سے پیر دکھائی نہیں دیتا تو مسح درست ہے اور اگر ایسا ہو کہ چلتے وقت تو تین انگلیوں کے برابر پیر دکھائی دیتا ہے اور یوں نہیں دکھائی دیتا تو مسح درست نہیں۔

14-اگر موزہ میں دو انگلیوں کے برابر پیر کھل جاتا ہے اور دوسرے موزہ میں ایک انگلی کے برابر تو کچھ حرج نہیں مسح جائز ہے۔اور اگر ایک ہی موزہ کئی جگہ سے پھٹا ہے اور سب ملا کر تین انگلیوں کے برابر کھل جاتا ہے تو مسح جائز نہیں،اور اگر اتنا کم ہو کہ سب ملا کر بھی پوری تین انگلیوں کے برابر نہیں ہوتا تو مسح درست ہے۔

15- کسی نے موزے پر مسح کرنا شروع کیا اور ابھی ایک دن رات گزرنے نہیں پایا تھا کہ سفر شروع ہو گیا تو تین دن رات تک مسح کرے،اور اگر سفر سے پہلے ہی ایک دن گزر جائے تو مدت ختم ہو چکی۔پیر دھو کر پھر سے موزہ پہن لے۔

16-اور اگر سفر میں مسح کیا اور گھر پہنچ گیا اگر ایک دن رات پورا ہو چکا ہے تو اب موزہ اتار دے اب اس پر مسح درست نہیں اور اگر ابھی ایک دن رات بھی نہیں ہوا تو ایک دن رات پورا کر لے۔اس مدت سے زیادہ مسح کرنا درست نہیں۔

17-اگر جراب کے اوپر موزے پہنے ہیں تب بھی موزوں پر مسح درست ہے

18-جرابوں پر مسح کرنا درست نہیں ہے البتہ اگر ان پر چمڑا چڑھا دیا گیا ہو یا سارے موزہ پر چمڑا نہ

چڑھایا ہو بلکہ مردانہ جوتا کی شکل پر چمڑا لگا دیا گیا ہو یا بہت سنگین اور سخت ہوں کہ بغیر کسی چیز سے باندھے ہوئے آپ ہی آپ ٹھہرے رہتے ہوں اور ان کو پہن کر تین چار میل رستہ بھی چل سکتا ہو تو ان سب صورتوں میں جراب پر بھی مسح درست ہے۔

19- برقع اور دستانوں پر مسح درست نہیں۔

حیض اور استحاضہ کا بیان

حیض کی تعریف: ہر مہینے میں عورت کو جو آگے کی راہ سے بغیر بیماری کے معمول کا خون آتا ہے اس کو حیض کہتے ہیں۔

حیض کی مدت: کم سے کم حیض کی مدت تین دن تین رات ہے۔ کسی کو تین دن تین رات سے کم خون آیا تو وہ حیض نہیں ہے۔ بلکہ استحاضہ ہے کہ کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہے اور اگر دس دن سے زیادہ آیا ہے تو جتنے دن زیادہ آیا ہے وہ بھی استحاضہ ہے۔

1- اگر تین دن تو ہو گئے لیکن تین راتیں نہیں ہوئیں جیسے جمعہ کو صبح سے خون آیا اور اتوار کی شام کے وقت بعد مغرب بند ہو گیا تب بھی یہ حیض نہیں استحاضہ ہے۔ اگر تین دن رات سے ذرا بھی کم ہو تو وہ حیض نہیں ہے بلکہ استحاضہ ہے۔ جیسے اگر جمعہ کو سورج نکلتے وقت حیض آیا اور پیر کو سورج نکلنے سے پہلے بند ہو گیا تو حیض نہیں بلکہ استحاضہ ہے۔

2- حیض کی مدت کے اندر سرخ، زرد، خاکی یعنی مٹیالا سیاہ جو رنگ آئے وہ سب حیض ہے۔ جب تک گدی بالکل سفید نہ دکھائی دے۔ اور جب بالکل سفید ہو جائے جیسے کہ رکھی گئی تھی تو اب حیض سے پاک ہو گئی۔

3- نو برس سے پہلے اور پچپن برس کے بعد کسی کو حیض نہیں آتا اس لیے نو برس سے چھوٹی لڑکی کو جو خون آئے وہ حیض نہیں ہے۔ بلکہ استحاضہ ہے۔ اور اگر پچپن برس کے بعد خون آئے تو اگر خون خوب سرخ یا سیاہ ہو تو حیض ہے اور اگر زرد یا سبز یا خاکی رنگ ہو تو حیض نہیں بلکہ استحاضہ ہے۔

4- کسی کو ہمیشہ تین دن یا چار دن خون آتا تھا پھر کسی مہینہ میں زیادہ آ گیا لیکن دس دن سے زیادہ نہیں آیا تو وہ سب حیض ہے۔ اور اگر دس سے بھی بڑھ گیا تو جتنے دن پہلے سے عادت کے ہیں اتنا تو حیض ہے باقی سب استحاضہ ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی کو ہمیشہ تین دن حیض آنے کی عادت ہے لیکن کسی مہینہ میں نو دن یا دس دن رات خون آیا تو یہ سب حیض ہے اور اگر دس دن رات میں ایک لحظہ بھی زیادہ خون آ جائے تو تین دن حیض کے ہیں اور باقی دنوں کا سب استحاضہ ہے۔ ان دنوں کی نمازیں قضا پڑھنا واجب ہے۔

5- ایک عورت ہے جس کی کوئی عادت مقرر نہیں ہے کبھی چار دن خون آتا ہے۔ کبھی سات دن اسی طرح

بدلتا رہتا ہے کبھی دس دن بھی آجاتا ہے تو یہ سب حیض ہے ایسی عورت کو اگر کبھی دس دن رات سے زیادہ خون آئے تو دیکھا جائے گا کہ اس سے پہلے مہینے میں کتنا حیض آیا تھا۔ بس اتنے دن حیض کے اور باقی سب استحاضہ ہے۔

6- کسی کو ہمیشہ چار دن حیض آتا تھا پھر ایک مہینہ میں پانچ دن خون آیا اس کے بعد دوسرے مہینے میں پندرہ دن خون آیا تو اس پندرہ دن میں سے پانچ دن حیض کے ہیں اور دس دن استحاضہ ہے اور پہلی عادت کا اعتبار نہیں کرینگے اور یہ سمجھیں گے کہ عادت بدل گئی اور پانچ دن کی عادت ہوگئی۔

7- کسی کو دس دن سے زیادہ خون آیا اور اس کو اپنی پہلی عادت بالکل یاد نہیں کہ پہلے مہینے میں کتنے دن خون آیا تھا تو اس کے مسئلے بہت باریک ہیں جن کا سمجھنا مشکل ہے اور ایسا اتفاق بھی کم پڑتا ہے اس لیے اس کا حکم بیان نہیں کرتے اگر کبھی ضرورت پڑے تو کسی بڑے عالم سے پوچھ لینا چاہیے اور کسی ایسے ویسے مولوی سے ہرگز نہ پوچھے۔

8- کسی لڑکی نے پہلی مرتبہ خون دیکھا تو اگر دس دن یا اس سے کچھ کم آئے تو سب حیض ہے اور اگر دس دن سے زیادہ آئے تو پورے دس دن حیض ہے اور جتنا زیادہ ہو وہ سب استحاضہ ہے۔

9- کسی نے پہلے پہل خون دیکھا اور وہ کسی طرح بند نہیں ہوا کئی مہینے تک برابر آتا رہا تو جس دن خون آیا ہے اس دن سے لیکر دس دن رات حیض ہے اس کے بعد بیس دن استحاضہ ہے اسی طرح برابر دس دن حیض اور بیس دن استحاضہ سمجھا جائے گا۔

10- دو حیض میں پاک رہنے کی مدت کم سے کم پندرہ دن ہیں اور زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ سو اگر کسی وجہ سے کسی کو حیض آنا بند ہو جائے تو جتنے مہینے تک خون نہیں آئے گا پاک رہے گی۔

11- اگر کسی کو تین دن رات خون آیا پھر پندرہ دن پاک رہی۔ پھر تین دن رات خون آیا تو تین دن پہلے کے اور تین دن یہ جو پندرہ دن کے بعد ہیں۔ حیض کے ہیں اور بیچ میں پندرہ دن پاکی کا زمانہ ہے۔

12- اگر ایک یا دو دن خون ایا پھر پندرہ دن پاک رہی پھر ایک یا دو دن خون آیا تو بیچ میں پندرہ دن تو پاکی کا زمانہ ہی ہے ادھر ادھر ایک یا دو دن جو خون آیا ہے وہ بھی حض نہیں بلکہ استحاضہ ہے۔

13- اگر ایک دن یا کئی دن خون آیا۔ پھر پندرہ دن سے کم پاک رہی اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے بلکہ یوں سمجھیں گے کہ گویا اول سے آخر تک برابر خون جاری رہا۔ سو جتنے دن حیض آنے کی عادت ہے اتنے دن تو حیض کے ہیں باقی سب استحاضہ ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی کو ہر مہینے کی پہلی، دوسری اور تیسری تاریخ حیض آنے کا معمول ہے۔ پھر کسی مہینے میں ایسا ہوا کہ پہلی تاریخ کو خون آیا پھر چودہ دن پاک رہی۔ پھر ایک دن خون آیا تو ایسا سمجھیں گے کہ سولہ دن برابر خون آیا۔ سو اس میں سے تین دن اول کے تو حیض کے ہیں اور

تیرہ دن استحاضہ ہے اور اگر چوتھی، پانچویں، چھٹی تاریخ حیض کی عادت تھی تو یہی تاریخیں حیض کی ہیں اور تین دن اول کے اور دس دن بعد کے استحاضہ کے ہیں اور اگر اس کی کوئی عادت نہ ہو بلکہ پہلے پہل خون آیا ہو تو دس دن حیض ہے اور چھ دن استحاضہ ہے۔

14- حمل کے زمانہ میں جو خون آئے وہ بھی حیض نہیں بلکہ استحاضہ ہے چاہے جتنے دن خون آئے۔

15- بچہ پیدا ہونے کے وقت بچہ نکلنے سے پہلے جو خون آتا ہے وہ بھی استحاضہ ہے۔ بلکہ جب تک بچہ آدھے سے زیادہ نہ نکل آئے تب تک جو خون آئے گا اس کو استحاضہ ہی کہیں گے۔

حیض کے متعلق ضروری احکام

1- حیض کے زمانے میں نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا درست نہیں۔ لیکن اتنا فرق ہے کہ نماز تو بالکل معاف ہو جاتی ہے پاک ہونے کے بعد بھی اس کی قضاء واجب نہیں ہوتی لیکن روزہ معاف نہیں ہوتا پاک ہونے کے بعد قضاء رکھنی پڑے گی۔

2- اگر فرض نماز پڑھنے میں حیض آ گیا تو وہ نماز معاف ہوگئی۔ پاک ہونے کے بعد اس کی قضا نہ پڑھے اور اگر نفل یا سنت میں حیض آ گیا تو اس کی قضاء پڑھنا پڑے گی اور اگر آدھے روزے کے بعد حیض آیا تو وہ روزہ ٹوٹ گیا جب پاک ہو تو قضاء رکھے۔ اگر نفلی روزے میں حیض آیا تو اس کی قضاء رکھے۔

3- اگر نماز کے اخیر وقت میں حیض آیا اور ابھی نماز نہیں پڑھی ہے تب بھی معاف ہوگئی۔

4- حیض کے زمانے میں مرد کے پاس رہنا یعنی صحبت کرنا درست نہیں ہے اور صحبت کے سوا اور سب باتیں جائز ہیں۔ (جن میں عورت کی ناف سے لے کر گھٹنے تک کا جسم مرد کے کسی عضو سے مس نہ ہو) یعنی ساتھ کھانا پینا لیٹنا وغیرہ درست ہے۔

5- کسی کی عادت پانچ دن کی یا نو دن کی تھی سو جتنے دن کی عادت تھی اتنے ہی دن خون آیا پھر بند ہو گیا تو جب تک نہا نہ لے تب تک صحبت کرنا جائز نہیں اگر غسل نہ کرے تو جب ایک نماز کا وقت گزر جائے کہ ایک نماز کی قضا اس کے ذمہ واجب ہو جائے تب صحبت کرنا جائز ہے اس سے پہلے جائز نہیں۔

6- اگر عادت پانچ دن کی تھی اور خون چار ہی دن آ کے بند ہو گیا تو نہا کے نماز پڑھنا واجب ہے لیکن جب تک پانچ دن پورے نہ ہوں تب تک صحبت کرنا جائز نہیں کہ شاید دوبارہ خون آ جائے۔

7- اگر ایک یا دو دن خون آ کر بند ہو گیا تو نہانا واجب نہیں ہے وضو کر کے نماز پڑھے لیکن ابھی صحبت کرنا درست نہیں اگر پندرہ دن گزرنے سے پہلے خون آ جائے گا تو معلوم ہوگا کہ وہ حیض کا زمانہ تھا۔ حساب سے جتنے دن حیض کے ہونگے ان کو حیض سمجھے اور اب غسل کر کے نماز پڑھے اور اگر پورے پندرہ دن بیچ میں گزر گئے اور خون نہیں آیا تو معلوم ہوا کہ وہ استحاضہ تھا سو ایک دن خون آنے کی وجہ سے جو نمازیں نہیں پڑھیں تھیں اب ان کی قضاء پڑھنا چاہیے۔

8- تین دن حیض آنے کی عادت ہے لیکن کسی مہینے میں ایسا ہوا کہ تین دن پورے ہو چکے اور ابھی خون

بند نہیں ہوا تو ابھی غسل نہ کرے اور نہ نماز پڑھے۔ اگر پورے دس دن یا رات پر یا اس سے کم میں خون بند ہو جائے تو ان سب دنوں کی نمازیں معاف ہیں۔ کچھ قضا نہیں پڑھنا پڑھیں گی۔ اور یوں کہیں گے کہ عادت بدل گئی اس لیے یہ سب دن حیض کے ہونگے اور اگر گیارھویں دن بھی خون آیا تو معلوم ہوا کہ حیض کے فقط تین ہی دن تھے۔ یہ سب استحاضہ ہے۔ پس گیارھویں دن نہائے اور سات دن کی نمازیں قضا پڑھے اور اب نمازیں نہ چھوڑے۔

10-اگر دس دن سے کم حیض آیا اور ایسے وقت خون بند ہوا کہ نماز کا وقت بالکل تنگ ہے کہ جلدی اور پھرتی سے نہانے کے بعد بھی بالکل ذرا سا وقت بچے گا۔ جس میں صرف ایک مرتبہ اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھی جاسکتی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں پڑھا جاسکتا تب بھی اس وقت کی نماز واجب ہو جائے گی اور قضا پڑھنا پڑھے گی اور اگر اس سے بھی کم وقت ہو تو نماز معاف ہے اس کی قضا پڑھنا واجب نہیں۔

11-اگر پورے دس دن حیض آیا اور ایسے وقت خون بند ہوا کہ بس اتنا وقت ہے کہ ایک مرتبہ اللہ اکبر کہہ سکتی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتی اور نہانے کی بھی گنجائش نہیں تو بھی نماز واجب ہو جاتی ہے اس کی قضاء پڑھنا چاہیے۔

12-اگر رمضان شریف میں روزے کی حالت میں حیض آجائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا کرنی پڑیگی لیکن کھانا پینا درست ہے اور اگر دن میں پاک ہوئی تو اب پاک ہونے کے بعد کچھ کھانا پینا درست نہیں ہے۔ شام تک روزہ داروں کی طرح سے رہنا واجب ہے لیکن یہ دن روزہ میں شمار نہیں ہوگا بلکہ اس کی بھی قضا کرنی پڑیگی۔

13-اگر رات کو پاک ہوئی اور پورے دس دن رات حیض آیا تو اگر اتنی ذرا سی رات باقی ہو جس میں ایک مرتبہ بھی اللہ اکبر کہہ سکے تب بھی صبح کا روزہ واجب ہے۔ اور اگر دس دن سے کم حیض آیا ہے تو اگر اتنی رات باقی ہو کہ پھرتی سے غسل تو کر لیا جائے لیکن غسل کے بعد ایک مرتبہ بھی اللہ اکبر نہیں کہہ سکی تو بھی صبح کا روزہ واجب ہے اگر اتنی رات تو تھی لیکن غسل نہیں کیا تو روزہ نہ توڑے بلکہ روزہ کی نیت کر لے اور صبح ہوتے ہی نہالے اور اگر اس سے بھی کم رات ہو یعنی غسل بھی نہ کر سکے تو صبح کا روزہ جائز نہیں ہے۔ لیکن دن کو کچھ کھانا پینا بھی درست نہیں بلکہ سارا دن روزہ داروں کی طرح رہے پھر اس کی قضا کرے۔

14-جب خون سوراخ سے باہر کی کھال میں نکل آئے تب سے حیض شروع ہو جاتا ہے۔ اس کھال سے باہر نکلے یا نہ نکلے اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے تو اگر کوئی سوراخ کے اندر روئی وغیرہ رکھ لے جس سے خون نہ نکل پائے تو جب تک سوراخ کے اندر ہی اندر خون رہے اور باہر والی روئی پر خون کا دھبہ نہیں آئے تب تک حیض کا

حکم نہیں لگائیں گے۔ جب خون کا دھبہ باہر والی کھال میں آجائے یا روئی وغیرہ کھینچ کر باہر نکال لے تب سے حیض کا حساب ہوگا۔

15-پاک عورت نے رات کو فرج داخل میں گدی رکھ لی تھی۔ جب صبح ہوئی تو اس پر خون کا دھبہ دیکھا تو جس وقت سے دھبہ دیکھا ہے اس وقت سے حیض کا حکم لگائیں گے۔

استحاضہ کے متعلق احکام

1- اگر عورت کا خون برابر بہتا رہے اور بہنا بند نہ ہو یہاں تک کہ اتنا وقت بھی نہ ملے کہ طہارت سے نماز پڑھ سکے تو وہ معذور کہلائے گی۔ اس کا حکم یہ ہے کہ ہر نماز کے وقت وضو کر لے جب تک وہ وقت رہے گا تب تک اس کا وضو باقی رہے گا۔ البتہ استحاضہ کے سوا اگر کوئی اور بات ایسی پائی جائے جس سے وضوٹوٹ جاتا ہے تو وضو جاتا رہے گا اور پھر کرنا پڑے گا۔ جب یہ وقت چلا گیا دوسری نماز کا وقت آ گیا تو اب دوسرے وقت دوسرا وضو کرنا چاہیے۔ اسی طرح ہر نماز کے وقت وضو کر لیا کرے اور اس وضو سے فرض، نفل جو نماز چاہے پڑھے۔

2- اگر فجر کے وقت وضو کیا تو سورج نکلنے کے بعد اس وضو سے نماز نہیں پڑھ سکتی دوسرا وضو کرنا چاہیے۔ اور جب سورج نکلنے کے بعد وضو کیا تو اس وضو سے ظہر کی نماز پڑھنا درست ہے۔ ظہر کے وقت نیا وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہے جب عصر کا وقت آئے گا تب نیا وضو کرنا پڑے گا۔ ہاں اگر کسی اور وجہ سے ٹوٹ جائے تو یہ اور بات ہے۔

3- آدمی معذور جب بنتا ہے اور یہ حکم اس وقت لگاتے ہیں کہ پورا ایک وقت اسی طرح گزر جائے کہ خون برابر بہا کرے اور اتنا بھی وقت نہ ملے کہ اس وقت کی نماز طہارت سے پڑھ سکے۔ اگر اتنا وقت مل گیا کہ اس میں طہارت سے نماز پڑھ سکتی ہے تو اس کو معذور نہیں کہیں گے اور جو حکم ابھی بیان ہوا ہے اس پر لاگو نہیں ہوگا۔ اگر ظہر سے عصر تک خون برابر جاری رہا تو معذور بن گئی پھر جب عصر کا وقت آئے تو اس میں ہر وقت خون بہنا شرط نہیں ہے بلکہ تمام وقت میں اگر ایک دفعہ بھی خون آ جائے اور باقی سارے وقت بند رہے تو بھی معذور باقی رہے گی۔ ہاں اگر اس کے بعد ایک پورا وقت ایسا گزر جائے مثلاً مغرب سے عشاء جس میں خون بالکل نہ ہو تو اب معذور نہیں رہی اب اس کا حکم یہ ہے کہ جتنی دفعہ خون نکلے گا وضوٹوٹ جائے گا۔

1- استحاضہ اس خون کو کہتے ہیں جو حیض کے دنوں کے علاوہ کسی بیماری کی وجہ سے رحم سے آتا ہے۔

2- جس کی نکسیر بند نہ ہو یا مسلسل پیشاب کے قطرے آتے ہوں وغیرہ وہ بھی معذور کہلائے گا اور اس کے لیے بھی یہی حکم ہے۔

کتاب الصلوٰۃ

دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں

پانچوں نمازوں کے نام یہ ہیں۔

پہلی نماز فجر، جو صبح کے وقت سورج نکلنے سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔ دوسری نماز ظہر، جو دوپہر کو سورج ڈھلنے کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ تیسری نماز عصر، جو سورج چھپنے سے ڈیڑھ دو گھنٹے پہلے پڑھی جاتی ہے۔ چوتھی نماز مغرب، جو شام کو سورج چھپنے کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ پانچویں نماز عشاء جو ڈیڑھ دو گھنٹے رات آنے کے بعد پڑھی جاتی ہے۔

اذان:

جب نماز کا وقت آجاتا ہے تو نماز سے کچھ دیر پہلے ایک شخص کھڑے ہو کر زور زور سے یہ الفاظ کہتا ہے۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ   اَللّٰہُ اَکْبَرُ

اللہ سب سے بڑا ہے   اللہ سب سے بڑا ہے

اَللّٰہُ اَکْبَرُ   اَللّٰہُ اَکْبَر

اللہ سب سے بڑا ہے   اللہ سب سے بڑا ہے

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ   اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

گواہی دیتا ہوں میں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ گواہی دیتا ہوں میں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ   اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ

گواہی دیتا ہوں میں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ گواہی دیتا ہوں میں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں

حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ   حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ

آؤ! نماز کیلیے   آؤ! نماز کیلیے

حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ

آؤ! کامیابی کی طرف آؤ! کامیابی کی طرف

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں

ان الفاظ کو اذان کہتے ہیں۔صبح کی اذان میں حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے بعد اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ بھی دو مرتبہ کہنا چاہیے۔

تکبیر:

جب نماز کے لیے کھڑے ہونے لگتے ہیں تو نماز شروع کرنے سے پہلے ایک شخص وہی کلمے کہتا ہے جو اذان میں کہے جاتے ہیں اسے اقامت اور تکبیر کہتے ہیں۔تکبیر میں حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے بعد قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ دو مرتبہ اذان کے کلموں سے زیادہ کہا جاتا ہے۔

جو شخص اذان کہتا ہے اسے ''موذن'' کہتے ہیں اور جو تکبیر کہتا ہے اسے ''مکبّر'' کہتے ہیں۔

سوال: بہت سے لوگ مل کر جو نماز پڑھتے ہیں اس میں اس نماز کو اور نماز پڑھانے والے کو اور نماز پڑھنے والوں کو کیا کہتے؟

جواب: بہت سے آدمی مل کر جو نماز پڑھتے ہیں اسے جماعت کی نماز کہتے ہیں اور نماز پڑھانے والے کو امام اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کو مقتدی کہتے ہیں۔

اکیلے نماز پڑھنے والے کو منفرد کہتے ہیں۔

جو مکان خاص نماز پڑھنے کے لیے بنایا جاتا ہے اور اس میں جماعت سے نماز ہوتی ہے اسے مسجد کہتے ہیں۔

مسجد میں نماز پڑھے، قرآن شریف پڑھے یا اور کوئی وظیفہ پڑھے یا ادب سے چپکا بیٹھا رہے، مسجد میں کھیلنا کودنا، شور مچانا اور دنیا کی باتیں کرنا بری بات ہے۔

نماز پڑھنے سے بہت سے فائدے ہیں۔تھوڑے سے فائدے ہم تم کو بتاتے ہیں۔

1- نمازی آدمی کا بدن اور کپڑے پاک صاف اور ستھرے رہتے ہیں

2- نمازی آدمی سے خدا راضی اور خوش ہوتا ہے۔

3- حضرت محمد مصطفٰے ﷺ نمازی سے راضی اور خوش ہوتے ہیں۔

4- نمازی آدمی خدا تعالیٰ کے نزدیک نیک ہوتا ہے۔

5- نمازی آدمی کی نیک لوگ دنیا میں بھی عزت کرتے ہیں۔

6- نمازی آدمی بہت سے گناہوں سے بچ جاتا ہے۔

7- نمازی آدمی کو مرنے کے بعد خدا تعالیٰ آرام اور سکھ سے رکھتا ہے۔

سوال: نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس کے نام اور عبارتیں کیا کیا ہیں؟

جواب: نماز میں جو عبارتیں پڑھی جاتی ہیں ان سب کے نام اور الفاظ یہ ہیں:۔

تکبیر: اَللّٰہُ اَکْبَرُ (اللہ سب سے بڑا ہے)

ثناء: سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَآ اِلٰہَ غَیْرُکَ o

ترجمہ: اے اللہ ہم تیری پاکی کا اقرار کرتے ہیں اور تیری تعریف بیان کرتے ہیں اور تیرا نام بہت برکت والا ہے اور تری بزرگی برتر ہے اور تیرے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں۔

تعوذ: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o

میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں شیطان مردود سے

تسمیہ: بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سورہ فاتحہ یا الحمد شریف:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ o اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ o اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ o

روز جزا کا مالک ہے o (اے اللہ) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں o ہم کو سیدھے راستے پر چلا۔

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ o

اوران لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام فرمایا نہ ان کے راستے پر جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ گمراہوں کے راستے پر۔

سورہ کوثر:

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ o فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ o اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ o

اے نبیؐ ہم نے تم کو کوثر عطا کی ہے۔ پس تم اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو o بے شک تمہارا دشمن ہی بے نام ونشان رہے گا۔

سورہ الفلق:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ o مِنْ شَرِّ مَاخَلَقَ o وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ o وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ

(اے نبیؐ دعا میں یوں کہو) کہ میں صبح کے رب کی پناہ لیتا ہوں تمام مخلوق کے شر سے اور اندھیرے کے شر سے جب اندھیرا

فِی الْعُقَدِ o وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ o

پھیل جائے اور گرہوں پر دم کرنے والیوں کے شر اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرنے پر آجائے۔

سورہ الناس:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ o مَلِکِ النَّاسِ o اِلٰهِ النَّاسِ o مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ o

(اے نبیؐ دعا میں یوں کہو) کہ میں آدمیوں کے رب کی پناہ لیتا ہوں آدمیوں کے بادشاہ آدمیوں کے معبود کی (پناہ لیتا ہوں) اس وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے کے شر سے

الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ o مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ o

جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے جو جنوں میں سے ہو یا آدمیوں میں سے۔

رکوع یعنی جھکنے کی حالت کی تسبیح:

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمُ

پاکی بیان کرتا ہوں اپنے پروردگار کی جو عظمت والا ہے

قومہ یعنی رکوع سے اٹھنے کی تسبیح:

سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ

(اللہ نے اس کی سن لی جس نے اس کی تعریف کی)

اسی قومہ کی تحمید:

رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ

اے ہمارے پروردگار تیرے ہی واسطے تمام تعریف ہے۔

سجدہ۔یعنی زمین پر سر رکھنے کی حالت کی تسبیح:

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی
پاکی بیان کرتا ہوں میں اپنے پروردگار برتر کی۔

تشہد یا التحیات:

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوتُ وَالطَّیِّبٰتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَالنَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ
تمام قولی عبادتیں اور تمام فعلی عبادتیں اور تمام مالی عبادتیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔سلام تم پر اے نبیؐ اور اللہ کی رحمت اور

وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً
اس کی برکتیں۔سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر۔گواہی دیتا ہوں میں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود
عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ
نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے پیغمبر ہیں۔

درود شریف:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلَٓی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلَٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اے اللہ رحمت نازل فرما محمد ﷺ پر اور ان کی آل پر جیسے رحمت نازل فرمائی تو نے ابراہیم علیہ السلام پر اور ان کی آل پر بیشک تو تعریف کے لائق بڑی بزرگی والا ہے

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلَٓی اِبْرٰھِیْمَ
اے اللہ برکت نازل فرما محمد ﷺ پر اور ان کی آل پر جیسے برکت نازل فرمائی تو نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی
وَعَلَٓی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
آل پر بے شک تو تعریف کے لائق بڑی بزرگی والا ہے۔

درود شریف کے بعد کی دعا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْراً وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ
اے اللہ میں نے اپنے نفس پر بہت ظلم کیا اور سوائے تیرے اور کوئی گناہوں کی بخشش نہیں کرسکتا۔
عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْٓ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُO
پس تو اپنی طرف سے خاص بخشش سے مجھ کو بخش دے اور مجھ پر رحم فرما دے بے شک تو ہی بخشنے والا

نہایت رحم والا ہے۔

سلام: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِo

سلام ہو تم پر اور اللہ کی رحمت

نماز کے بعد کی دعا:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِo

اے اللہ تو ہی سلامتی دینے والا ہے اور تیری ہی طرف سے سلامتی (مل سکتی) ہے بہت برکت والا ہے تو اے عظمت اور بزرگی والے۔

دعائے قنوت:

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ وَنُثْنِيْ عَلَيْكَ الْخَيْرَ وَ

اے اللہ ہم تجھ سے مدد مانگتے ہیں اور مغفرت طلب کرتے ہیں اور تیرے اوپر ایمان لاتے ہیں اور تیرے اوپر بھروسہ رکھتے ہیں۔

نَشْكُرُكَ وَلَا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ اَللّٰهُمَّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّىْ

اور تیری بہتر تعریف کرتے ہیں۔اور تیرا شکر ادا کرتے ہیں اور تیری ناشکری نہیں کرتے اور علیحدہ کر دیتے ہیں اس شخص کو جو تیری نافرمانی کرے اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔

وَنَسْجُدُ وَاِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْرَحْمَتَكَ وَنَخْشٰى عَذَابَكَ اِنَّا عَذَابَكَ

اور خاص تیرے لیے نماز اور سجدہ کرتے ہیں اور تیری ہی جانب دوڑتے اور جھپٹتے ہیں اور تیری ہی رحمت کی امید رکھتے ہیں

بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌo

اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں بے شک تیرا عذاب کافروں کو پہنچنے والا ہے۔

اوقات مکروہہ کی تفصیل

وہ اوقات جن میں نماز پڑھنا منع ہے

مسئلہ: سورج نکلتے وقت اور ٹھیک دوپہر کو اور سورج ڈوبتے وقت کوئی نماز صحیح نہیں ہے۔ البتہ اگر عصر کی نماز ابھی نہ پڑھی ہو تو وہ سورج ڈوبتے وقت بھی پڑھ لے اور ان تینوں وقتوں میں سجدہ تلاوت بھی مکروہ اور منع ہے۔

مسئلہ: ٹھیک دوپہر سے ضحوۂ کبریٰ سے زوال تک کا وقت مراد ہے یعنی زوال سے متصل قبل پون گھنٹہ یہی قول زیادہ معتبر معلوم ہوتا ہے۔

مسئلہ: فجر کی نماز پڑھ لینے کے بعد جب تک سورج نکل کر اونچا نہ ہو جائے نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ البتہ سورج نکلنے سے پہلے قضا نماز پڑھنا درست ہے اور سجدہ تلاوت بھی درست ہے اور جب سورج نکل آیا تو جب تک ذرا روشنی نہ آ جائے جس میں تقریباً بیس منٹ لگتے ہیں قضا نماز پڑھنا بھی درست نہیں۔ ایسے ہی عصر کی نماز پڑھ لینے کے بعد نفل نماز پڑھنا جائز نہیں۔ البتہ قضا نماز اور سجدہ تلاوت درست ہے لیکن جب دھوپ پھیکی پڑ جائے تو یہ بھی درست نہیں۔

مسئلہ: فجر کے وقت سورج نکل آنے کے ڈر سے جلدی کے مارے فقط فرض پڑھ لیے تو اب جب تک سورج اونچا اور روشن نہ ہو جائے تب تک سنت نہ پڑھے۔

مسئلہ: جب صبح ہو جائے اور فجر کا وقت آ جائے تو دو رکعت سنت اور دو رکعت فرض کے سوا اور کوئی نفل نماز پڑھنا درست نہیں۔ یعنی مکروہ ہے البتہ قضا نمازیں اور سجدہ کی آیت پڑھنے پر سجدہ کرنا درست ہے۔

مسئلہ: اگر فجر کی نماز پڑھنے میں سورج نکل آیا تو نماز نہیں ہوئی، سورج میں روشنی آ جانے کے بعد قضا پڑھے اور اگر عصر کی نماز پڑھنے میں سورج ڈوب گیا تو نماز ہوگئی قضا نہ پڑھے۔

مسئلہ: عشاء کی نماز پڑھنے سے پہلے سونا مکروہ ہے نماز پڑھ کے سونا چاہیے لیکن کوئی مرض سے یا سفر سے بہت تھکا ماندہ ہو اور کسی سے کہہ دے کہ مجھ کو نماز کے وقت جگا دینا اور دوسرا وعدہ کر لے تو سو رہنا درست ہے۔

مسئلہ: جب امام خطبہ کے لیے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہو اور خطبہ جمعہ کا ہو یا عیدین کا یا حج وغیرہ کا تو ان وقتوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

نماز کی شرائط اور ارکان کا بیان

نماز کی سات شرائط اور چھ ارکان ہیں:

نماز کی شرائط	نماز کے ارکان
1- بدن کا پاک ہونا	تکبیر تحریمہ کہنا
2- کپڑوں کا پاک ہونا	قیام کرنا یعنی کھڑے ہونا
3- جگہ کا پاک ہونا	قرأت کرنا
4- ستر کا چھپانا	رکوع کرنا
5- نماز کا وقت ہونا	دونوں سجدے کرنا
6- قبلہ کی طرف رخ کرنا	قعدہ اخیرہ یعنی نماز کے اخیر میں
7- اور نیت کرنا	التحیات پڑھنے کی مقدار بیٹھنا

نوٹ: شرائط اور ارکان سے مراد وہ چیزیں ہیں جن میں سے کوئی ایک بھی مفقود ہو تو نماز نہیں ہو گی۔

نماز کے واجبات، سنتیں اور مستحبات

نماز میں چودہ واجبات ہیں:

1- فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں کو قرأت کے لیے مقرر کرنا۔

2- فرض نمازوں کی تیسری اور چوتھی رکعت کے علاوہ تمام نمازوں کی ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ پڑھنا۔

3- فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں اور واجب اور سنت اور نفل نمازوں کی تمام رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد کوئی سورت یا چھوٹی تین آیتیں پڑھنا۔

4- سورۃ فاتحہ کو سورت سے پہلے پڑھنا۔

5- قرأت اور رکوع اور سجدوں اور رکعتوں میں ترتیب قائم رکھنا۔

6- قومہ کرنا یعنی رکوع سے اٹھ کر سیدھا کھڑا ہونا۔

7- جلسہ یعنی دونوں سجدوں کے درمیان میں سیدھا بیٹھ جانا۔

8- تعدیل ارکان یعنی رکوع سجدہ وغیرہ کو اچھی طرح اطمینان سے ادا کرنا۔

9- قعدہ اولی یعنی تین اور چار رکعت والی نمازوں میں دو رکعتوں کے بعد تشہد کی مقدار بیٹھنا۔

10- دونوں قعدوں میں تشہد پڑھنا۔

11- امام کو نماز فجر، مغرب، عشاء، جمعہ، عیدین، تراویح اور رمضان شریف کے وتروں میں آواز سے قرأت کرنا اور ظہر، عصر وغیرہ نمازوں میں آہستہ پڑھنا۔

12- لفظ سلام کے ساتھ نماز سے علیحدہ ہونا۔

13- نماز وتر میں قنوت کے لیے تکبیر کہنا اور دعائے قنوت پڑھنا۔

14- دونوں عیدوں کی نماز میں زائد تکبیریں کہنا۔

نماز میں اکیس سنتیں ہیں:

1- تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے دونوں ہاتھ اٹھانا، مردوں کے لیے کانوں تک اور عورتوں کیلیے کندھوں تک۔

2- ثناء پڑھنا۔

3- تعوذ یعنی اعوذ باللہ پڑھنا۔

4-تسمیہ بسم اللہ پڑھنا۔

5- آمین کہنا۔

6- تسمیع یعنی سمع اللہ لمن حمد کہنا۔

7- تحمید یعنی ربنا لک الحمد کہنا۔

8-رکوع، سجدہ، قیام اور سجود سے اٹھتے وقت تکبیر کہنا۔

9-رکوع اور سجدے میں تسبیح پڑھنا۔

10-دونوں ہاتھوں کی کھلی انگلیوں سے گھٹنوں کو پکڑ لینا۔

11-جلسہ اور قعدہ میں مردوں کے لیے بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھنا اور سیدھے پاؤں کو اس طرح کھڑا رکھنا کہ اس کی انگلیوں کے سرے قبلے کی طرف رہیں اور عورتوں کے لیے بائیں سرین کے بل بیٹھنا اور دونوں پیر دائیں طرف نکال دینا ہے اس طرح کہ داہنی پنڈلی بائیں پنڈلی پر آجائے۔

12- تشہد میں اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پر کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرنا۔

13-دونوں ہاتھ رانوں پر رکھنا۔

14-فرض کی آخری دو رکعتوں میں قرأت کرنا (فرض کے علاوہ سنن اور نوافل کی تمام رکعتوں میں قرأت کرنا واجب ہے)۔

15-امام کا تمام تکبیروں اور تسمیع کو بلند آواز میں پڑھنا۔

16-قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد درود پڑھنا۔

17-درود کے بعد دعا پڑھنا۔

18-پہلے دائیں طرف پھر بائیں طرف سلام پھیرنا۔

19-امام کو اپنے سلام میں اپنے تمام مقتدیوں کی نیت کرنا اور ساتھ رہنے والے فرشتوں کی اور مقتدیوں کو اپنے ساتھ نماز پڑھنے والوں کی اور ساتھ رہنے والے فرشتوں کی اور منفرد کو صرف فرشتوں کی نیت کرنا۔

20- تکبیر تحریمہ کے بعد فوراً ہاتھوں کو باندھ لینا مردوں کو ناف کے نیچے اور عورتوں کو سینے پر۔

21-سجدے کی حالت میں مردوں کو اپنے پیٹ کا رانوں سے اور کہنیوں کا پہلو سے علیحدہ رکھنا اور ہاتھوں کا زمین سے اٹھا ہوا ہونا اور عورتوں کو اپنے پیٹ کا رانوں سے اور کہنیوں کا پہلو سے ملا کر رکھنا اور مردوں کو سجدے میں کہنیاں زمین سے اٹھی ہوئی رکھنا چاہیے اور عورتوں کو زمین پر بچھی ہوئی۔

نماز میں پانچ مستحبات ہیں:

1- تکبیر تحریمہ کہتے وقت آستینوں سے دونوں ہتھیلیاں نکال لینا۔

2-رکوع، سجدے میں منفرد کو تین سے زیادہ تسبیح کہنا۔

3-قیام کی حالت میں سجدے کی جگہ پر اور رکوع میں قدموں کی پشت پر اور جلسہ اور قعدہ میں اپنی گود پر اور سلام کے وقت اپنے کندھوں پر نظر رکھنا۔

4- کھانسی کو اپنی طاقت بھر نہ آنے دینا۔

5-جمائی میں منہ بند رکھنا اور کھل جائے تو قیام کی حالت میں سیدھے ہاتھ اور باقی حالتوں میں بائیں ہاتھ کی پشت سے منہ چھپا لینا۔

جن چیزوں سے نماز فاسد ہو جاتی ہے

جن چیزوں سے نماز فاسد ہو جاتی ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

1-افعال

2-اقوال

1-افعال:

جن کاموں سے نماز فاسد ہو جاتی ہے وہ یہ ہیں۔

1- بھولے سے نماز میں کچھ کھا پی لینا۔

2- کوئی ایسا کام کرنا جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ نماز میں نہیں ہے۔

3-جان بوجھ کر نماز میں کوئی ایسا کام کرنا جس سے وضو ٹوٹ جائے۔

4-نماز میں پے در پے دو یا دو سے زیادہ صفیں چلنا۔

5- قبلہ سے رخ موڑ لینا۔

6-بے ہوش ہو جانا۔

7-پاگل ہو جانا

8-نماز میں شہوت سے دیکھے یا احتلام ہو جانے کی وجہ سے منی کا خارج ہو جانا۔

9-فرض نماز میں اگر امام نے عورتوں کی بھی نیت کی ہو تو کسی قابل نکاح عورت کا کسی مرد کے برابر آ کر کھڑے ہو جانا اس طرح کہ دونوں کی جگہ بھی ایک ہو اور کوئی آڑ بھی نہ ہو۔

10- کسی رکن کی ادائیگی کے دوران ستر کا کھل جانا یا جسم پر کپڑے پر اتنی نجاست کا لگا ہونا کہ جس سے نماز نہ ہو سکے۔

11-اتنی زور سے ہنسنا کہ خود کو اپنی آواز سنائی دے۔

اقوال: جن باتوں سے نماز ٹوٹ جاتی ہے وہ یہ ہیں

1-نماز میں باتیں کرنا چاہے جان بوجھ کر یا بھول کر یا غلطی سے خواہ ایک لفظ ہی کیوں نہ ہو۔

2-نماز میں کسی کو سلام کرنا۔

3-زبان سے کسی کے سلام کا جواب دینا۔

4-اُف کہنا۔

5- کراھنا

6-اوہ کہنا

7-جنت دوزخ کے ذکر کے علاوہ کسی تکلیف یا مصیبت کی وجہ سے آواز بلند ہو جانا۔

8-اگر کسی شخص کو چھینک آئے اور وہ الحمداللہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا۔

قضا نمازوں کے پڑھنے کا بیان

1- جس کی کوئی نماز چھوٹ گئی ہو تو جب یاد آجائے فوراً اس کی قضا پڑھ لے۔ بلا کسی عذر کے قضا پڑھنے میں دیر لگانا گناہ ہے۔

2- قضا پڑھنے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ جس وقت فرصت ہو وضو کر کے پڑھ لے البتہ اتنا خیال ہو کہ مکروہ وقت نہ ہو۔

3- جس کی ایک ہی نماز قضا ہوئی اس سے پہلے کوئی نماز اس کی قضا نہیں ہوئی یا اس سے پہلے نمازیں قضا تو ہوئیں لیکن سب کی قضا پڑھ چکی ہے فقط اسی ایک نماز کی قضا پڑھنی باقی ہے تو پہلے اس کی قضا پڑھ لے تب کوئی اور نماز پڑھے۔ ہاں اگر قضا پڑھنی یاد نہیں رہی بھول گئی تو ادا درست ہوگئی۔

4- اگر وقت بہت تنگ ہے کہ اگر پہلے قضا پڑھ لی تو ادا کا وقت باقی نہیں رہے گا تو پہلے ادا پڑھ لے پھر قضا پڑھے۔

5- اگر دو یا تین یا پانچ نمازیں قضا ہوگئیں اور سوائے ان نمازوں کے اس کے ذمے کسی اور نماز کی قضا باقی نہیں ہے، یعنی عمر بھر میں جب سے بالغ ہوئی ہے کوئی نماز قضا نہیں ہوئی یا قضا تو ہوئی ہے لیکن سب کی قضا پڑھ چکی ہے تو جب تک ان پانچوں کی قضا نہ پڑھ لے تب تک ادا نماز پڑھنا درست نہیں ہے، اور جب ان پانچوں کی قضا پڑھے تو اس طرح پڑھے کہ جو نماز سب سے اول چھوٹی ہے پہلے اس کی قضا پڑھے پھر اس کے بعد والی پھر اس کے بعد والی۔ اسی طرح ترتیب سے پانچوں کی قضا پڑھے جیسے کسی نے پورے ایک دن کی نمازیں نہیں پڑھیں۔ یعنی فجر، ظہر، عصر، مغرب پھر عشاء اسی ترتیب سے قضا پڑھے۔ اگر پہلے فجر کی قضا نہیں پڑھی بلکہ ظہر کی پڑھی یا عصر کی یا اور کوئی تو درست نہیں ہوئی پھر سے پڑھنا پڑے گی۔

6- اگر کسی کی چھ نمازیں قضا ہوگئیں تو اب بغیر ان کی قضا پڑھے ہوئے بھی ادا نماز پڑھنا جائز ہے اور جب ان چھ نمازوں کی قضا پڑھے تو جو نماز سب سے پہلے قضا ہوئی ہے پہلے اس کی قضا پڑھنا واجب نہیں ہے بلکہ جو چاہے پہلے پڑھے اور جو چاہے بعد میں پڑھے سب جائز ہے اور اب ترتیب سے پڑھنا واجب نہیں ے

7- اگر کسی کے ذمے چھ نمازیں یا بہت سی نمازیں قضا تھیں۔ اس وجہ سے ترتیب اس پر واجب نہیں تھی لیکن اس نے ایک ایک دو دو کر کے سب کی قضا پڑھ لی۔ اب کسی کی قضا پڑھنا باقی نہیں رہی۔ تو اب پھر جب

ایک نماز یا پانچ نمازیں قضا ہو جائیں تو ترتیب سے پڑھنا پڑھے گا اوران پانچوں نمازوں کی قضا پڑھے بغیر ادا نماز درست نہیں البتہ اب پھر اگر چھ نمازیں چھوٹ جائیں تو پھر ترتیب معاف ہو جائے گی اور بغیر ان چھ نمازوں کی قضا پڑھے بھی ادا پڑھنی درست ہوگئی۔

8- کسی کی بہت سی نمازیں قضا ہوگئی تھیں۔اس لیے تھوڑی تھوڑی کر کے سب کی قضا پڑھ لی۔اب فقط چار پانچ نمازیں رہ گئیں تو اب ان چار پانچ کو ترتیب سے پڑھنا واجب نہیں ہے بلکہ اختیار ہے جس طرح دل چاہے پڑھے اور بغیر ان باقی نمازوں کی قضا پڑھے ہوئے بھی ادا پڑھ لینا درست ہے۔

9- قضا فقط فرض نمازوں اور وتر کی پڑھی جاتی ہے۔سنتوں کی قضا نہیں ہے البتہ اگر فجر کی نماز قضا ہو جائے تو اگر نصف النہار سے پہلے پہلے قضا پڑھے تو سنت اور فرض دونوں کی قضا پڑھے اور اگر دوپہر کے بعد قضا پڑھے تو فقط دو رکعت فرض کی قضا پڑھے۔

10- اگر کسی کی کچھ نمازیں قضا ہوگئیں ہوں اور ان کی قضا پڑھنے کی ابھی نوبت نہیں آئی تو مرتے وقت نمازوں کی طرف سے فدیہ دینے کی وصیت کر جانا واجب ہے نہیں تو گناہ ہوگا۔

سجدہ سہو کا بیان

1- نماز میں جتنی چیزیں واجب ہیں اس میں سے ایک بھی واجب یا کئی واجب اگر بھولے سے رہ جائیں یا ایک فرض دو مرتبہ ادا کر لیا جائے یا نماز کی ترتیب بدل دی تو سجدہ سہو کرنا واجب ہے اور اس کے کر لینے سے نماز درست ہو جاتی ہے۔ اگر سجدہ سہو نہیں کیا تو نماز پھر سے پڑھے۔

2- اگر بھولے سے نماز کا کوئی فرض چھوٹ جائے تو سجدہ سہو کرنے سے نماز درست نہیں ہوئی پھر سے پڑھے۔

سجدہ سہو کرنے کا طریقہ

سجدہ سہو کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اخیر رکعت میں فقط التحیات پڑھ کر ایک طرف سلام پھیر کر دو سجدے کرے پھر بیٹھ کر التحیات اور درود شریف اور دعا پڑھ کر دونوں طرف سلام پھیرے اور نماز ختم کرے۔

کسی نے بھول کر سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ کر لیا تب بھی ادا ہو گیا اور نماز صحیح ہو گئی۔

فرض کی پہلی دو رکعتوں میں سورت ملانا بھول گئی تو اگلی دونوں رکعتوں میں سورت ملا دیں اور سجدہ سہو کریں۔ اور اگر پہلی دو رکعتوں میں سے ایک رکعت میں سورت نہیں ملائی تو اگلی ایک رکعت میں ملا دیں اور سجدہ سہو کریں اور اگر اگلی رکعتوں میں بھی سورت ملانا یاد نہ رہا بالکل اخیر رکعت میں التحیات پڑھتے وقت یاد آیا تب بھی سجدہ سہو کرنے سے نماز ہو جائے گی۔

نماز کے کسی بھی رکن میں اتنی تاخیر کرنے سے جس میں تین بار سبحان اللہ کہا جا سکے سجدہ سہو کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ تین رکعت یا چار رکعت والی فرض نماز یا وتر یا سنت موکدہ کی دوسری رکعت میں التحیات کے بعد اتنا درود شریف پڑھ لیا **اللھم صل علی محمد** یا اس سے زیادہ پڑھ لیا تو سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے لیکن اگر اس سے کم پڑھا تو سجدہ سہو واجب نہیں۔ تین رکعت یا چار رکعت والی نماز میں دوسری رکعت میں بیٹھنا بھول گئی اور تیسری رکعت کیلیے کھڑی ہوگئی لیکن ابھی پوری طرح کھڑی نہیں ہوئی تو بیٹھ جائے لیکن اگر سیدھی کھڑی ہوگئی تو نہیں بیٹھے بلکہ چاروں رکعتیں پوری کرنے کے بعد آخر میں سجدہ سہو کرے۔

اگر چوتھی رکعت میں بیٹھنا بھول گئی تو اگر ابھی پوری طرح کھڑی نہیں ہوئی تو بیٹھ جائے اور التحیات اور درد شریف پڑھ کر سلام پھیرے اور سجدہ سہو نہیں کرے۔ اور اگر سیدھی کھڑی ہوگئی تب بھی بیٹھ جائے بلکہ اگر

الحمد اور سورت بھی پڑھ چکی ہو یا رکوع بھی کر چکی ہو تب بھی بیٹھ جائے التحیات پڑھ کر سجدہ سہو کرے البتہ اگر رکوع کے بعد بھی یاد نہیں آیا اور پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کر لیا تو فرض نماز پھر سے پڑھے یہ نماز نفل ہو گئی ایک رکعت اور ملا کر پوری چھ رکعت کرے اور سجدہ سہو کرنے کی ضرورت نہیں اور اگر ایک رکعت اور نہیں ملائی اور پانچویں رکعت پر سلام پھیر دیا تو چار رکعتیں نفل ہو گئیں اور ایک رکعت بیکار ہو گئی۔

اگر چوتھی رکعت پر بیٹھی اور التحیات پڑھ کر کھڑی ہو گئی تو سجدہ کرنے سے پہلے پہلے یاد آجائے تو بیٹھ جائے اور التحیات نہ پڑھے بلکہ فوراً سلام پھیر کر سجدہ سہو کرے۔ اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر چکی تب یاد آیا تو ایک رکعت اور ملا کر چھ کر لے چار فرض ہو گئیں اور دو نفل اور چھٹی رکعت پر سجدہ سہو بھی کرے اور اگر پانچویں رکعت پر سلام پھیر دیا اور سجدہ سہو کر لیا تو اچھا نہیں ہوا چار فرض ہوئے اور ایک رکعت بیکار ہو گئی۔

10- اگر نماز میں شک ہو گیا کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار رکعتیں۔ تو اگر یہ شک اتفاق سے ہو گیا ہے ایسا شبہ پڑھنے کی اس کی عادت نہیں ہے تو پھر سے نماز پڑھے اور اگر شک کی عادت ہے اور اکثر ایسا شبہ پڑ جاتا ہے تو دل میں سوچ کر دیکھے کہ دل زیادہ کدھر جاتا ہے۔ اگر زیادہ گمان تین رکعت پڑھنے کا ہو تو ایک اور پڑھ لے اور سجدہ سہو واجب نہیں ہے اور اگر زیادہ گمان یہی ہے کہ میں نے چاروں رکعتیں پڑھ لی ہیں تو اور رکعت نہ پڑھے اور سجدہ سہو بھی نہ کرے اور اگر سوچنے کے بعد بھی دونوں طرف برابر خیال رہے نہ تین کی طرف زیادہ گمان جاتا نہ چار کی طرف تو تین ہی رکعتیں سمجھے اور ایک رکعت اور پڑھ لے لیکن اس صورت میں تیسری رکعت پر بھی بیٹھ کر التحیات پڑھے تب کھڑی ہو پھر چوتھی رکعت پڑھے اور سجدہ سہو بھی کرے۔

11- اگر نماز پڑھ چکنے کے بعد یہ شک ہوا کہ نہ معلوم تین رکعتیں پڑھیں یا چار تو اس شک کا کچھ اعتبار نہیں نماز ہو گئی۔ البتہ اگر ٹھیک یاد آجائے۔ کہ تین ہی ہوئی ہیں تو پھر کھڑے ہو کر ایک رکعت اور پڑھ لے اور سجدہ سہو کر لے اور اگر پڑھ کے کوئی بات ایسی کر لی یا کوئی ایسی بات کہہ دے جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے تو پھر سے نماز پڑھے۔ اسی طرح اگر التحیات پڑھ چکنے کے بعد شک ہوا تو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ جب تک ٹھیک یاد نہ آئے اس کا کچھ اعتبار نہ کرے۔ لیکن اگر کوئی احتیاط کی راہ سے پھر سے پڑھ لے تو اچھا ہے۔

12- اگر نماز میں کئی باتیں ایسی ہو گئیں جن سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے تو ایک ہی سجدہ سب کی طرف سے ہو جائے گا۔ ایک نماز میں دو مرتبہ سجدہ سہو نہیں کیا جاتا۔

13- اگر سجدہ سہو کرنا بھول گئی اور دونوں طرف سلام پھیر لیا لیکن ابھی اسی جگہ بیٹھی ہے نہ کسی سے کچھ بات کی ہے اور نہ کوئی ایسی چیز جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے تو اب سجدہ سہو کر لے اور اگر اسی طرح بیٹھے بیٹھے کلمہ اور درود شریف وغیرہ کوئی وظیفہ بھی پڑھنے لگی ہو تب بھی کچھ حرج نہیں اب سجدہ سہو کر لے تو نماز ہو جائے گی۔

14- وتر میں دعائے قنوت پڑھنا بھول گئی۔ سورت پڑھ کے رکوع میں چلی گئی تو سجدہ سہو واجب ہے۔

بیمار کی نماز کا بیان

1- نماز کو کسی حالت میں بھی نہ چھوڑے جب تک کھڑے ہو کر پڑھنے کی قوت رہے کھڑے ہو کر نماز پڑھتی رہے اور جب کھڑا نہ ہوا جائے تو بیٹھ کر نماز پڑھے۔ بیٹھے بیٹھے رکوع کر لے اور رکوع کر کے دونوں سجدے کر لے اور رکوع کے لیے اتنا جھکے کہ پیشانی گھٹنوں کے مقابل ہو جائے۔

2- اگر رکوع سجدہ کرنے کی بھی قوت نہ ہو تو رکوع اور سجدے کو اشارے سے ادا کرے اور سجدے میں رکوع سے زیادہ جھک جایا کرے۔

3- سجدہ کرنے کے لیے تکیہ وغیرہ یا کوئی اونچی چیز رکھ لینا اور اس پر سجدہ کرنا بہتر نہیں۔ جب سجدے کی قدرت نہ ہو تو اشارہ کر لیا کرے تکیہ کے اوپر سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

4- اگر کھڑا ہونے کی قوت تو ہے لیکن کھڑا ہونے سے بڑی تکلیف ہوتی ہے یا بیماری کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہے تب بھی بیٹھ کر نماز پڑھ لینا درست ہے۔

5- اگر کھڑی تو ہو سکتی ہے لیکن رکوع سجدہ نہیں کر سکتی۔ تو چاہے کھڑے ہو کر پڑھے اور رکوع سجدہ اشارے سے کرے اور چاہے بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع سجدہ کو اشارے سے ادا کرے دونوں اختیار ہیں لیکن بیٹھ کر پڑھنا بہتر ہے۔

6- اگر بیٹھنے کی طاقت نہیں ہے تو پیچھے کوئی گاؤ تکیہ وغیرہ لگا کر اس طرح لیٹ جائے کہ سر خوب اونچا رہے بلکہ قریب قریب بیٹھنے کے رہے اور پاؤں قبلہ کی طرف پھیلا لے اور اگر کچھ طاقت ہو تو قبلہ کی طرف پیر نہ پھیلائے بلکہ گھٹنے کھڑے رکھے پھر سر کے اشارے سے نماز پڑھے اور سجدے کا اشارہ زیادہ نیچے کرے اگر گاؤ تکیہ سے بھی ٹیک لگا کر اس طرح نہ لیٹ سکے کہ سر اور سینہ وغیرہ اونچا رہے تو قبلہ کی طرف پیر کر کے بالکل چت لیٹ جائے لیکن سر کے نیچے کوئی اونچا تکیہ رکھ دیں کہ منہ قبلہ کی طرف ہو جائے آسمان کی طرف نہ رہے پھر سر کے اشارے سے نماز پڑھے رکوع کا اشارہ کم کرے اور سجدے کا اشارہ زیادہ کرے۔

7- اگر چت نہ لیٹے بلکہ دائیں بائیں کروٹ پر قبلہ کی طرف منہ کر کے لیٹے اور سر کے اشارے سے رکوع سجدہ کرے تو یہ بھی جائز ہے لیکن چت لیٹ کر پڑھنا زیادہ اچھا ہے۔

8- اگر بیماری کی وجہ سے رکوع سجدے کی قوت نہ تھی اس لیے سر کے اشارے سے رکوع سجدہ کیا پھر

جب کچھ نماز پڑھ چکی تو ایسی ہوگئی کہ اب رکوع سجدہ کرسکتی ہے تو اب یہ نماز جاتی رہی اس کو پورا نہ کرے بلکہ پھر سے پڑھے۔

9-اگر اچھا خاصہ آدمی بے ہوش ہو جائے تو اگر بے ہوشی ایک دن رات سے زیادہ نہ ہو تو قضاء پڑھنا واجب ہے اور اگر ایک دن رات سے زیادہ ہوگئی ہو تو قضاء پڑھنا واجب نہیں۔

مسافر کی نماز

وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي الْحَضَرِ الظُّهْرَ اَرْبَعًا وَّبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَصَلَّيْتُ فِي السَّفَرِ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنَ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنَ وَلَمْ يُصَلِّ بَعْدَهَا شَيْئًا وَالْمَغْرِبَ فَي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ سَوَآءِ ثَلٰثَ رَكْعَتٍ لَا يَنْقُص فِيْ حَضَرٍ وَلَاسَفرٍ وَهِيَ وِتْرُ النَّهَارِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنَ.

”ترجمہ۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضر (یعنی گھر پر رہنے کی حالت میں) اور سفر میں نماز پڑھی ہے، حضر میں میں نے آپ کے ساتھ ظہر کی نماز چار رکعت (فرض) پڑھی اور اس کے بعد دو رکعتیں (سنت پڑھیں) اور سفر میں میں نے آپ کے ساتھ ظہر کی نماز دو رکعت (فرض) پڑھیں اور اس کے بعد دو رکعتیں (سنت پڑھیں اور سفر میں آپ ک ساتھ میں نے نماز عصر (فرض) دو رکعت پڑھی اور اس کے بعد کوئی نماز (سنت ونفل) نہیں پڑھی، اور نماز مغرب حضر وسفر میں برابر تین ہی پڑھیں، آپ ان میں حضر وسفر میں کوئی کمی نہیں فرماتے تھے، یہ دن کی وتر نماز ہے، اس کے بعد آپ دو رکعتیں پڑھتے تھے۔“

سفر میں نماز پڑھنے کے احکام

1-اگر کوئی مرد یا عورت اڑتالیس میل چلنے کا ارادہ کر کے چلے اور اپنے شہر کی آبادی سے باہر نکل جائے تو وہ مسافر ہے اور جب تک آبادی کے اندر اندر چلے تب تک وہ مسافر نہیں ہے۔

2- کوئی شریعت کی رو سے مسافر ہو وہ ظہر اور عصر اور عشاء کی فرض نماز دو دو رکعت پڑھے اور سنتوں کا یہ حکم ہے کہ اگر جلدی ہو تو فجر کی سنتوں کے سوا اور سنتیں چھوڑ دینا درست ہے۔ ان کے چھوڑ دینے سے کوئی گناہ نہیں ہوگا اور اگر جلدی نہ ہو اور نہ اپنے ساتھیوں سے رہ جانے کا ڈر ہو تو سنتیں نہ چھوڑے بلکہ سنتیں سفر میں پوری پڑھے ان میں کمی نہیں ہے۔ ایسے مسافر کو یہ بھی اجازت ہے کہ رمضان ہوتے ہوئے فرض روزے نہ رکھے۔ اس وقت قضاء کر کے بعد میں رکھ لے۔

3-اگر راستہ میں کہیں ٹھہر گئی تو پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کر لی ہے تو اب وہ مسافر نہیں

رہی، پھر اگر نیت بدل گئی اور پندرہ دن سے پہلے جانے کا ارادہ ہو گیا تب بھی مسافر کے حکم میں نہیں ہے، نمازیں پوری پڑھے، پھر جب یہاں سے چلے تو اگر وہ جگہ یہاں سے اڑتالیس میل کے فاصلے پر ہو جہاں جانا ہے تو پھر مسافر ہو جائے گی۔ جو اس سے کم ہو تو مسافر نہیں ہو گی۔

4- کوئی عورت اپنے شوہر کے ساتھ ہے اور اس کے تابع ہے راستے میں جتنا وہ ٹھہرے گا اتنا ہی یہ ٹھہرے گی۔ تو ایسی حالت میں شوہر کی نیت کا اعتبار ہے اگر شوہر کا ارادہ پندرہ دن ٹھہرنے کا ہو تو عورت بھی مسافر نہیں رہی۔ چاہے خود ٹھہرنے کی نیت کرے یا نہ کرے اور اگر شوہر کا ارادہ کم ٹھہرنے کا ہو تو عورت بھی مسافر ہی رہے گی۔

5- راستہ میں کئی جگہ ٹھہرنے کا ارادہ ہے۔ دس دن یہاں، پانچ دن وہاں، لیکن پورے پندرہ دن کہیں گزارنے کا ارادہ نہیں۔ تب بھی مسافر رہے گی۔

6- شادی کے بعد عورت اگر مستقل طور پر اپنے سسرال میں رہنے لگی تو اب اس کا اصلی گھر سسرال ہے، بس اگر اڑتالیس میل کا سفر طے کر کے میکے گئی اور پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہیں ہے تو وہاں مسافر رہے گی، مسافرت کے قاعدے سے نماز پڑھے اور اگر وہاں کا رہنا ہمیشہ کیلیے دل میں طے نہیں کیا تو جو وطن اصلی تھا وہ اب بھی وطن اصلی ہی رہے گا۔

7- اگر دریا میں کشتی چل رہی ہے اور نماز کا وقت آ گیا تو اسی چلتی کشتی پر قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھے لے، اگر کھڑے ہو کر پڑھنے سے سر گھومے تو بیٹھ کر پڑھے۔

کتاب الصوم

رمضان کے روزے اور قیام اللیل کی فضیلت

رمضان شریف کے روزے ہر مسلمان عاقل، بالغ پر فرض ہیں۔

وعن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ من صام رمضان ايمانا و احتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه و من قام رمضان ايمانا و احتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه و من قام ليلة القدر ايمانا و احتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه (رواه البخاری و مسلم)

''ترجمہ۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ایمان کے ساتھ اور ثواب کا یقین رکھتے ہوئے رمضان کے روزے رکھے،اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔اور جس نے رمضان (کی راتوں میں) ایمان کے ساتھ اور ثواب کا یقین رکھتے ہوئے قیام کیا (تراویح اور نفل میں مشغول رہا) اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور جس نے شب قدر میں ایمان کے ساتھ ثواب سمجھتے ہوئے قیام کیا۔اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔''

روزہ کن لوگوں کو مضان میں چھوڑ کر بعد میں رکھنے کی اجازت ہے:

1- جو شخص ایسا مریض ہو کہ روزہ رکھنے سے اس کی جان پر بن آنے کا اندیشہ ہو یا جو کسی سخت مرض میں مبتلا ہو اور روزے کی وجہ سے مرض کے طول پکڑ جانے کا غالب گمان ہو اس کے لیے جائز ہے کہ رمضان شریف کے روزے رمضان میں نہ رکھے اور اس کے بعد جب اچھا ہو جائے، قضا رکھ لے۔ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جسے عام طور سے لوگ نہ جانتے ہوں،لیکن اس میں بہت سی غلطیاں ہوتی ہیں۔

اول یہ کہ معمولی معمولی مرض میں روزہ چھوڑ دیتے ہیں۔ گو اس مرض کے لیے روزہ مضر بھی نہ ہو۔

دوم یہ کہ بد دین ڈاکٹروں کے قول کا اعتبار کر لیتے ہیں۔ مریض کو اپنی ایمانی صوابدید سے اور کسی ایسے ڈاکٹر سے مشورہ کر کے فیصلہ کرنا چاہیے جو خوف خدا رکھتا ہو اور جو مسئلہ شرعیہ سے واقف ہو۔

سوم یہ کوتاہی عام ہے کہ بیماری کی وجہ سے رمضان کے روزے چھوڑ دیتے ہیں اور پھر رکھتے ہی نہیں اور بڑی گناہ گاری کا بوجھ لے کر قبر میں چلے جاتے ہیں۔

2-مسافر جو مسافت قصر کے ارادے سے اپنے شہر سے نکلا جب تک سفر میں رہے گا۔ مرد ہو یا عورت اسے روزے چھوڑنے کی اجازت ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ بہت سے لوگ جس طرح مرض کی حالت میں روزہ چھوٹ جانے پر بعد میں قضا نہیں رکھتے اسی طرح لوگ سفر میں روزہ چھوڑ کر بعد میں گھر آ کر قضا نہیں رکھتے اور گناہ گار ہوتے ہیں

جس طرح مریض اور مسافر کو رمضان میں روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے۔ اسی طرح دودھ پلانے والی عورت کے لیے بھی جائز ہے کہ رمضان میں روزہ نہ رکھے اور بعد میں قضا کرلے۔

4-جو عورت حمل سے ہو اس کو بھی رمضان شریف میں روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے۔ فارغ ہونے کے بعد چھوڑے ہوئے روزے رکھ لے۔ مگر شرط یہ ہے کہ روزہ رکھنے سے بہت زیادہ تکلیف میں پڑنے یا اپنے بچے کی جان کا اندیشہ ہو۔

فدیہ کا حکم:

وہ عورت یا مرد جو مستقل ایسا مریض ہو کہ روزہ رکھنے سے جان پر بن آنے کا شدید خطرہ ہو اور زندگی میں اچھے ہونے کی امید بھی نہ ہو یا وہ مرد عورت جو بہت زیادہ بوڑھے ہیں روزہ رکھ ہی نہیں سکتے اور روزے پر قادر ہونے کی کوئی امید نہیں۔ یہ لوگ روزے کی بجائے فدیہ دیں۔ لیکن بعد میں کبھی روزہ رکھنے کے قابل ہو گئے تو گزشتہ روزوں کی قضا کرنی ہوگی اور آئندہ روزے رکھنے ہوں گے اور جو فدیہ دیا ہے صدقہ میں شمار ہوگا۔

مسئلہ: ہر روزہ کا فدیہ یہ ہے کہ پونے دو سیر گیہوں یا اس کی قیمت کسی ایسے شخص کو دے جو زکوٰۃ کا مستحق ہو۔

روزے کے مسائل:

1-زبان سے نیت کرنا اور کچھ کہنا ضروری نہیں ہے بلکہ جب دل میں یہ دھیان ہو کہ آج میرا روزہ ہے تو اس کا روزہ ہو گیا۔

2-رمضان شریف کے روزے کی اگر رات سے نیت کرلے تو بھی فرض ادا ہو جاتا ہے اور اگر رات کو روزہ رکھنے کا ارادہ نہ تھا بلکہ صبح ہوگئی تب بھی یہی خیال رہا کہ میں آج کا روزہ نہ رکھوں گی، پھر دن چڑھے خیال آ گیا کہ فرض چھوڑ دینا بری بات ہے اس لیے اب روزہ کی نیت کرلی تب بھی روزہ ہو گیا اگر کچھ کھایا پیا نہ ہو تو دن کو ٹھیک دوپہر سے ایک گھنٹہ پہلے پہلے رمضان کے روزے کی نیت کر لینا درست ہے۔

جن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور جن چیزوں سے روزہ ٹوٹتا ہے:

1-اگر روزے دار بھول کر کچھ کھالے یا پی لے یا بھولے سے خاوند سے ہم بستر ہو جائے تو اس کا روزہ نہیں گیا۔ اگر بھول کر پیٹ بھر بھی کھا پی لے تب بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اگر بھول کر کئی مرتبہ کھا پی لیا تب بھی روزہ نہیں گیا۔

2-ایک شخص کو بھول کر کچھ کھاتے پیتے دیکھا تو اگر وہ اس قدر طاقت ور ہے کہ روزہ سے زیادہ تکلیف نہیں ہوتی تو روزہ یاد دلا دینا واجب ہے اور اگر کوئی کمزور ہو کہ روزہ سے تکلیف ہوتی ہے تو اس کو یاد نہ دلائے کھانے دے۔

3-دن کو سرمہ لگانا، آنکھ میں قطرے ڈالنا، تیل لگانا، خوشبو سونگھنا درست ہے اس سے روزے میں کچھ نقصان نہیں آتا چاہے جس وقت ہو۔ بلکہ اگر سرمہ لگانے کے بعد تھوک میں یا رینٹھ میں سرمہ کا رنگ دکھائی دے تو بھی روزہ نہیں گیا نہ مکروہ ہوا۔

4- حلق کے اندر مکھی چلی گئی یا آپ ہی آپ دھواں چلا گیا یا گرد وغبار چلا گیا تو روزہ نہیں گیا البتہ اگر قصداً ایسا کیا تو روزہ جاتا رہا۔

5-دانتوں میں گوشت کا ریشہ اٹکا ہوا تھا یا چھالی کا ٹکڑا وغیرہ کوئی اور چیز تھی اس کو خلال سے نکال کر کھا گئی لیکن منہ سے باہر نہیں نکالا۔ آپ ہی آپ حلق میں چلی گئی تو دیکھو اگر چنے سے کم ہے تب تو روزہ نہیں گیا اور اگر چنے کے برابر یا اس سے زیادہ ہے تو جاتا رہا۔ البتہ اگر منہ سے باہر نکال لیا تھا پھر اس کے بعد نگل گئی تو حال میں روزہ ٹوٹ گیا ہے۔ چاہے وہ چیز چنے کے برابر ہو یا اس سے کم ہو، دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔

6-ناک کو اتنی زور سے سڑک لیا کہ حلق میں چلی گئی تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح منہ کی رال سڑک کر کے نگل جانے سے روزہ نہیں جاتا۔

7- کلی کرتے وقت حلق میں پانی چلا گیا اور روزہ یاد تھا تو روزہ جاتا رہا اور قضا واجب ہے، کفارہ واجب نہیں ہے۔

8- آپ ہی آپ قے ہوگئی تو روزہ نہیں گیا چاہے تھوڑی سی قے ہوئی ہو یا زیادہ۔ البتہ اگر اپنے اختیار سے قے کی اور منہ بھر قے ہوئی تو روزہ جاتا رہا اور اگر اس سے تھوڑی ہو تو خود کرنے سے بھی روزہ نہیں گیا۔

9- تھوڑی سی قے آئی پھر آپ ہی آپ حلق میں لوٹ گئی، تب بھی روزہ نہیں ٹوٹا۔ البتہ اگر قصداً لوٹا لیتی تو روزہ ٹوٹ جاتا۔

10- کان میں قطرے ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ہر قسم کے انجکشن، ڈرپ، ٹرانسفیوژن وغیرہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ البتہ روزے کی حالت میں طاقت کا ٹیکہ لگوانا مکروہ ہے۔ جس عورت نے رحم میں کوائل رکھوایا ہو یا کوئی دوا رکھی ہو تو اس کا روزہ ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر روزے کی حالت میں رکھوایا جائے تو روزہ ٹوٹ

جاتا ہے۔اسی طرح P.V کروائے تو اگر کوئی دوا وغیرہ معالج کے ہاتھ پر لگی ہوئی تھی، تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

11- منہ سے خون نکلتا ہے۔اس کو تھوک کے ساتھ نگل گئی تو روزہ ٹوٹ گیا۔البتہ اگر خون تھوک سے کم ہو اور خون کا مزہ حلق میں معلوم نہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹا۔

12- اگر زبان سے کوئی چیز چکھ کر تھوک دی تو روزہ نہیں ٹوٹا۔لیکن بے ضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے۔ہاں اگر کسی کا شوہر بڑا بدمزاج ہو اور یہ ڈر ہو کہ اگر سالن میں نمک پانی درست نہ ہوا تو ناک میں دم کر دے گا۔ اس کو نمک چکھ لینا درست ہے اور مکروہ نہیں ہے

13- کسی نے بھولے سے کچھ کھا لیا اور یوں سمجھی کہ میرا روزہ ٹوٹ گیا، اس وجہ سے پھر قصداً کچھ کھا لیا تو اب روزہ جاتا رہا، فقط قضاء واجب ہے، کفارہ واجب نہیں۔

14- اگر کسی کو قے ہوئی اور وہ یہ سمجھی کہ میرا روزہ ٹوٹ گیا، اس گمان پر پھر قصداً کھا لیا اور روزہ توڑ دیا تو بھی قضا واجب ہے، کفارہ نہیں۔

15- کوئلہ چبا کر دانت مانجھنا اور منجن سے دانت مانجھنا یا ٹوتھ پیسٹ کرنا مکروہ ہے اور اگر اس میں سے کچھ حلق میں گر جائے گا تو روزہ جاتا رہے گا اور مسواک سے دانت صاف کرنا درست ہے۔چاہے سوکھی مسواک ہو یا تازی، اسی وقت کی توڑی ہوئی اگر نیم کی مسواک ہو اور اس کا کڑوہ پن منہ میں معلوم ہوتا ہو تب بھی مکروہ نہیں ہے۔

16- روزے کے توڑنے سے کفارہ جب ہی لازم آتا ہے۔جبکہ رمضان شریف میں روزہ توڑ ڈالے اور رمضان شریف کے سوا اور کسی روزے کے توڑنے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا، چاہے جس طرح توڑے۔ اگرچہ روزہ رمضان کی قضا ہی کیوں نہ ہو۔" البتہ اگر روزے کی نیت رات سے نہ کی ہو یا روزہ توڑنے کے بعد اسی دن حیض آ گیا ہو تو اس کے توڑنے سے کفارہ واجب نہیں۔

17- لپ اسٹک لگانے سے بھی روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔

کتاب الزکوٰۃ

زکوٰۃ کی فرضیت:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

(۱) اقیمو الصلوٰۃ و اتو الزکوۃ

''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو''

(۲) فان تابو و اقامو الصلاۃ واتو الزکوۃ فاخوانکم فی الدین.

''پس اگر انہوں (یعنی کافروں) نے توبہ کی (یعنی ایمان لائے) اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے جب حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف گورنر بنا کر بھیجا تو انہیں یہ تعلیم فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں جب یہ بات تسلیم کرلیں انہیں بتانا کہ:

ان اللہ فرض علیھم صدقۃ توخذمن اعنیائھم فترد علی فقرائھم.

''بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے ان پر صدقہ (یعنی زکوٰۃ) فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائیگی اور ان کے فقیروں کو دی جائے گی''۔

جب وہ اس بات کو مان لیں (اب ان کی جان و مال محفوظ ہوگئی لہٰذا) ان کے اچھے اموال لینے سے بچو، اور مظلوم کی بددعا سے بچو اس لیے کہ مظلوم کی بددعا اور باری تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے۔(صحیح بخاری وصحیح مسلم بحوالہ مشکوۃ ص ۱۵۵)

زکوٰۃ ادا کرنے کی فضیلت:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

1-ومآ اتیتم من زکوٰۃ تریدون وجہ اللہ فاولئک ھم المضعفون. (الروم ۳۹)

''اور جو زکوٰۃ تم دیتے ہو اللہ کی رضا مندی چاہ کر، تو یہی وہ لوگ ہیں جو دوگنا کرنے والے ہیں''۔

2-. یمحق اللہ الربا وؑ یُربِیُ الصدقات. (البقرۃ: ۲۷۶)

''اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے''۔

3- نبی کریم ﷺ کے فرمان کا مفہوم ہے کہ:

''جس مال کی زکوٰۃ دے دی جائے وہ کنز نہیں ہے''۔(صحیح بخاری ج ۱ص ۱۸۸)

یعنی قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں جس خزانہ کی مذمت وارد ہوئی ہے اور جو عذاب کا سبب بنے گا' اس سے مراد وہ خزانہ کی مذمت وارد ہوئی اور جو عذاب کا سبب بنے گا' اس سے مراد وہ خزانہ ہے جس کی زکوٰۃ اور مالی حقوق ادا نہ کیے گئے ہوں۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی وعید:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جس کو اللہ تعالیٰ مال دے اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس کا مال ایسے زہریلے سانپ کی صورت اختیار کرلے گا کہ زہر کی وجہ سے اس کے بال جھڑ گئے ہونگے' اس کی آنکھوں کے پاس دو سیاہ نقطے ہونگے' قیامت کے دن وہ سانپ اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔ پھر وہ سانپ اس کے دونوں جبڑوں سے اسے پکڑ لے گا اور کہے گا کہ میں تمہارا مال اور خزانہ ہوں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے قرآن کریم کی آیت پڑھی (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) یہ خیال نہ کریں کہ یہ ان کیلیے بہتر ہے بلکہ یہ ان کیلیے برا ہے' عنقریب قیامت میں اس مال کا ہار جس میں انہوں نے بخل کیا' ان کی گردن میں پہنایا جائے گا''(صحیح بخاری)

احکام زکوٰۃ ایک نظر میں

نصاب: 52.5 تولہ/ 612.35 گرام چاندی، 7.5 تولہ/ 87.48 گرام سونا

قابل زکوٰۃ مال: سونا، چاندی، نقد رقم، فروخت کرنے کی نیت سے خریدا ہوا مال' چرنے والے جانور۔

زکوٰۃ کی شرح: 2.5 فیصد (چالیسواں حصہ)

زکوٰۃ کس پر فرض ہے: مسلمان عاقل بالغ جو صاحب نصاب ہو۔

زکوٰۃ کب لازم آتی ہے: جس قمری تاریخ کو پہلی دفعہ جو صاحب نصاب ہوا اس تاریخ سے ایک کامل قمری سال گزرنے کے بعد بھی صاحب نصاب ہو تو زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کی شرائط:

نیت، مستحق شخص کو زکوٰۃ کے مال کا مالک بنانا۔

مستحق زکوٰۃ: ایسا مسلم شخص جو ہاشمی نہ ہو اور اس کی ملکیت میں 52.5 (ساڑھے باون) تولہ چاندی یا اس کی مالیت کے بقدر سونا یا مال تجارت یا ضرورت سے زائد سامان نہ ہو یا اس کی ملکیت میں موجود ان پانچوں چیزوں کی مجموعی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کے برابر نہ ہو۔

کس کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی: ہاشمی، مالدار، غیر مسلم، اپنے ماں باپ، دادا، دادی، نانا نانی، اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد، بیوی شوہر۔

زکوٰۃ کا حساب کس طرح لگایا جائے

زکوٰۃ کا حساب لگانے کیلیے سب سے پہلے کل قابل زکوٰۃ مال ایک طرف لکھ کر اس کے سامنے مارکیٹ ویلیو کے مطابق ان کی قیمت لکھ دی جائے' پھر اس کو جمع کر لیا جائے۔ اس کے بعد جتنی مالی ذمہ داریاں ہیں۔ انہیں لکھا جائے اور ان کو جمع کر لیا جائے پھر قابل زکوٰۃ مال کی مجموعی مالت میں سے مالی ذمہ داریاں تفریق کی جائیں باقی جو کچھ بچے اگر وہ نصاب کے بقدر ہو تو اس کی ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔

قابل زکوٰۃ مال:

1- سونا 2- چاندی

یہ دونوں دھاتیں خواہ کسی بھی شکل' حالت اور مقصد کیلیے ہوں۔

3- نقد رقم۔

یعنی سکہ رائج الوقت خواہ کسی بھی مقصد کیلیے ہو' گھر میں ہو یا بینک میں اور اس کی درج ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں:

(ا) گھر میں موجود رقم

(ب) بینک کے کسی بھی اکاؤنٹ میں جمع شدہ جائز رقم

(ج) حج کیلیے جمع کرائی ہوئی رقم میں سے آمدورفت اور معلم وغیرہ کی فیس منہا کر کے باقی رقم جو اس کو خرچ کے لیے واپس ملتی ہے۔

(د) بی سی (کمیٹی) میں جمع کردہ رقم

(ح) کوئی چیز کرائے پر لینے کی صورت میں ایڈوانس دی ہوئی رقم جو کہ واپس ملے گے۔

(د) پراویڈنٹ فنڈ کی رقم جبکہ اپنے اختیار سے کسی محکمہ (بینک انشورنس کمیٹی یا سرمایہ کاری کے ادارے) میں منتقل کرا دی گئی ہو۔

(ی) کسی کو قرض دی ہوئی رقم قرض لینے والا اس کا اقرار کرے۔

(ک) سامان تجارت میں سے کوئی چیز مثلاً مکان یا دکان وغیرہ کرایہ پر دی تو کرایہ میں حاصل ہونے والی رقم۔

(م) کسی بھی قسم کی بچت سرٹیفکیٹس، مضاربہ سرٹیفکیٹس، سرمایہ کاری کے سرٹیفکیس، NIT، NDFC وغیرہ۔

(ن) غیر ملکی کرنسی

(و) کمپنیوں کے شیئرز

ان میں سے بعض سرمایہ کاری اور شیئرز ناجائز ہیں' اس کی تفصیل کسی مفتی صاحب سے پوچھ لیں۔

مال تجارت:

اس سے مراد وہ سامان ہے جو فروخت کرنے کی نیت سے خریدا گیا ہوگا۔ یا وہ سامان جو سامان تجارت کے بدلہ میں آیا ہو۔ فیکٹری میں موجود تیار مال اور خام مال دونوں سامان تجارت کے حکم میں ہیں اسی طرح کمپنیوں کے وہ شیئرز جو تجارت کرنے یعنی کیپٹل گین حاصل کرنے کے لیے خریدے گئے ہیں وہ بھی مال تجارت میں داخل ہوں گے۔ زکوٰۃ کا حساب کرتے وقت مال تجارت کی قیمت فروخت لگائی جائے۔

غیر قابل زکوٰۃ مال:

سونا چاندی اور نقد رقم کے علاوہ ہر وہ سامان جو فروخت کرنے کی نیت سے نہ خریدا گیا ہو اور نہ ہی کسی سامان تجارت کے بدلہ میں براہ راست حاصل ہوا ہو۔ لہٰذا ضرورت کے سامان پر اور فاضل سامان پر جو فروخت کی نیت سے نہ خریدا گیا، زکوٰۃ نہیں ہیں۔خواہ وہ کتنی ہی مالیت کا ہو اور کبھی بھی استعمال میں نہ آتا ہو۔

نصاب:

612.35 گرام یعنی 52.5 تولہ چاندی یا اس کی مالیت کے برابر نقد رقم یا مال تجارت ۔ اگر کسی کی ملکیت میں صرف سونا ہے۔ چاندی یا نقد رقم یا مال تجارت میں سے کچھ بھی نہیں ہے تو پھر سونے کا نصاب 87.48 گرام یعنی 7.5 تولہ سونا ہے۔لیکن اگر کسی کی ملکیت میں نصاب سے کم سونا ہے اور اس کے ساتھ کچھ نقد یا چاندی یا مال تجارت بھی ہے تو اس صورت میں زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے سونے کا نصاب معتبر نہیں ہوگا۔ بلکہ چاندی کا نصاب معتبر ہوگا اور اس مجموعہ کی مالیت اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کے برابر یا اس سے زائد ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔یعنی اگر ملکیت میں مختلف قسم کا مال زکوٰۃ ہو،صرف ایک قسم کا مال زکوٰۃ نہ ہو تو پھر زکوٰۃ کا حساب کرنے میں وہ نصاب لیا جاتا ہے جس سے زکوٰۃ واجب ہو جائے تاکہ فقیروں کو فائدہ حاصل ہو اور آج کل چونکہ چاندی سستی ہے اور سونا مہنگا ہے اس لیے مخلوط صورت میں چاندی کے نصاب سے حساب لگایا جائے گا۔

قمری سال کا گزرنا:

اگر کسی دن کسی ملکیت میں قابل زکوٰۃ مال مذکورہ بالا نصاب وتفصیل کے مطابق آجائے اور وہ شخص اس دن اتنا مقروض نہ ہو کہ قرض کی ادائیگی کے بعد اس کی ملکیت میں موجود قابل زکوٰۃ مال نصاب سے کم ہو جائے تو وہ شخص اس دن سے صاحب نصاب بن جاتا ہے۔ اس دن کی قمری تاریخ ،مہینہ وسال کو محفوظ کر لیا جائے یعنی کسی محفوظ دستاویز (ڈائری) وغیرہ میں لکھ لیں۔آئندہ سال جب یہی قمری تاریخ ومہینہ آئے اور وہ شخص اس دن بھی صاحب نصاب ہو اور صاحب نصاب ہونے کے بعد قمری سال کے پورے عرصہ میں اس کی ملکیت میں قابل زکوٰۃ مال رہا ہو۔اگرچہ نصاب سے کم ہو گیا ہو لیکن پوری طرح ختم نہ ہوا ہو تو جس دن قمری سال پورا ہوا ہے۔اس دن کی ملکیت میں جتنا بھی قابل زکوٰۃ مال ہے اب سب کی مجموعی مالیت پر زکوٰۃ فرض ہوگئی،خواہ کچھ قابل زکوٰۃ مال سال پورا ہونے سے ایک دن قبل ہی ملکیت میں آیا ہوا۔

قرض کی منہائی:Deduction of Loan and Liabilities

کسی صاحب نصاب کا جس قمری تاریخ کو زکوٰۃ کا سال پورا ہو جائے تو اس تاریخ کو ان صاحب کے

ذمہ جتنے قرض اور مالی ادائیگیاں واجب ہو چکی ہوں، ان کی مجموعی مقدار کو قابل زکوٰۃ مال سے منہا کیا جائے گا۔ اس کے بعد اگر قابل زکوٰۃ مال نصاب کے بقدر یا اس سے زائد باقی بچے تو اس بقیہ کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

قابل زکوٰۃ مال میں سے مندرجہ ذیل قرض اور مالی ادائیگیاں منہا کی جائیں گی:

1- ادھار خریدی ہوئی چیزوں کی قیمت

2- ادھار لی ہوئی رقم

3- بیوی کا مہر جبکہ ادا کرنے کی نیت ہو۔

4- بیوی کا وہ خرچہ جو عدالت کے مقرر کرنے یا آپس کی رضا مندی سے طے ہو کر واجب ہو گیا ہو۔

5- کمیٹی (بیسی) حاصل کرنے کے بعد بقیہ اقساط کی رقم۔

6- دکان/ مکان یا کسی بھی چیز کے کرایہ میں جو رقم واجب ہو چکی ہو۔

7- استعمال شدہ گیس، بجلی اور ٹیلیفون کا بل جو واجب ہو چکا ہو۔

8- گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ کی وہ رقم جو ادا نہیں کی گئی۔

9- حکومت کی جانب سے عائد ٹیکس جن کا مطالبہ کر لیا گیا ہو۔

10- ملازمین کی تنخواہ جس کی ادائیگی لازم ہو گئی ہو۔

زکوٰۃ کی ادائیگی

زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس مال پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس مال کا چالیسواں حصہ یا اس کی مارکیٹ میں رائج مالیت کی رقم زکوٰۃ کی نیت سے علیحدہ کی جائے، پھر کسی مستحق زکوٰۃ کو اس کے کسی کام کے عوض کے بغیر زکوٰۃ کا مالک بنا دیا جائے۔

جب تک نیت اور مالک بنانا یہ دونوں امور نہیں پائے جائیں گے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ ان دو امور سے متعلق مزید تفصیل درج ذیل ہے۔

نیت سے متعلق:

1- جب زکوٰۃ کی رقم الگ کی جائے تو اس وقت یا جب کسی مستحق زکوٰۃ کو دی جائے تو اس وقت زکوٰۃ ادا کرنے کی دل سے نیت کی جائے۔ نیت کے بغیر زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

2- مالک بنائے بغیر صرف فائدہ پہنچا دینا یا فائدہ حاصل کرنے کی اجازت دے دینا کافی نہیں ہے۔

3- زکوٰۃ کی مد میں مکان تعمیر کر کے مستحق شخص کو اس میں رہنے کی اجازت دے دی لیکن اسے مکان کا

مالک نہیں بنایا تو زکوۃ ادانہیں ہوئی۔

4- زکوٰۃ کی مد میں کوئی لائبریری، دواخانہ یا رفاہی ادارہ بنایا کوئی گاڑی حاصل کی اور مستحق اشخاص کو ان سے مفت فائدہ اٹھانے کی اجازت دے دی تو بھی زکوۃ ادانہیں ہوئی۔ البتہ جو دوا کسی مستحق شخص کو دے دی جائیگی، اس کے بقدر زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

5- مستحق شخص کا کوئی کام بلا معاوضہ کرلیا اوراس میں زکوٰۃ کی نیت کرلی مثلاً اس کا علاج کیا، مقدمہ لڑا، تعلیم دی، اس کا اکاؤنٹ آڈٹ کیا، اس کے گھر کی اصلاح ومرمت وغیرہ کی، ایک جگہ سے دوسری جگہ اپنی گاڑی میں یا دوسری گاڑی سے اپنے خرچ پر پہنچایا، اس کا کپڑا سی دیا، اس کے ذمہ جو اپنا قرض تھا وہ معاف کر دیا، اس کا قرضہ یا بجلی یا گیس وغیرہ کا بل یا گھر کے ٹیکس کا بل یا مکان کا کرایہ یا ڈاکٹر کی فیس وغیرہ مستحق کو دیئے بغیر اس کی طرف سے براہ راست ادا کر دی۔ تو زکوۃ ادانہیں ہوئی۔

6- کسی میت کے لیے زکوٰۃ کی مد سے کفن کا انتظام کیا تو زکوۃ ادانہیں ہوئی۔ اس لیے کہ میت مالک نہیں بن سکتی۔

7- زکوٰۃ کی مد سے مسجد، مدرسہ، رفاہی ادارہ، سبیل، پارک، سرائے، مسافر خانہ، لائبریری، ہسپتال، بیت الخلاء، وغیرہ تعمیر کرا دی یا ان کی عمارت کے لیے کوئی سامان دے دیا یا ان کے بل ادا کر دے، تو زکوۃ ادا نہیں ہوئی۔ اس لیے کہ یہ عمارتیں انسان نہیں ہیں اور نہ ہی کوئی ان عمارتوں کا مالک ہوتا ہے۔ جبکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے یہ ضروری ہے کہ کسی مستحق کو اس کا مالک بنایا جائے۔

کس کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی:

مندرجہ ذیل افراد کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے:

1- ہاشمی مسلمان اگر چہ وہ مستحق ہے۔ ہاشمی خاندان سے مراد وہ مسلمان ہیں جو حضرت علیؓ یا حضرت عباسؓ یا حضرت جعفرؓ یا حضرت عقیلؓ یا حضرت حارثؓ بن عبدالمطلبؓ کی اولاد میں سے ہوں۔

2- غیر مسلم

3- اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد

4- بیوی

5- شوہر

مذکورہ بالا افراد اگر چہ مستحق ہوں اور شرعی اصطلاح میں فقیر ہوں تب بھی انہیں زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ:

کسی شخص کو مستحق قرار دینے کے لیے اس کی ظاہری حالت کو دیکھنا، اپنے ظاہری شک کو دور کرنا اور غالب گمان پر عمل کرنا کافی ہے۔ پوری طرح چھان بین کرنا اور صحیح حقیقت جاننا ضروری نہیں ہے۔

مسئلہ:

کسی شخص کے بارے میں غور وفکر کرنے کے بعد اسے مستحق شخص سمجھ کر زکوٰۃ دی، بعد میں معلوم ہوا۔ کہ وہ تو مالدار ہے یا اس کا والد ہے یا اس کا بیٹا ہے اس کی بیوی یا اس کا شوہر ہے یا ہاشمی ہے تو زکوٰۃ ادا ہو جائیگی، دوبارہ ادا کرنا ضروری نہیں ہے اور اگر غور وفکر کے بغیر زکوٰۃ دی، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مستحق نہیں تھا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ دوبارہ ادا کرنا ضروری ہے۔

گھر میں موت ہو جانے کا بیان

مسئلہ۱: جب آدمی مرنے لگے تو اس کو چت لٹا دو اور اس کے پیر قبلہ کی طرف کر دو اور سر اونچا کر دو تا کہ منہ قبلہ کی طرف ہو جاوے اور اس کے پاس بیٹھ کر زور زور سے کلمہ پڑھو تا کہ تم کو پڑھتے سن کر خود بھی کلمہ پڑھنے لگے اور اس کو کلمہ پڑھنے کا حکم نہ کرو۔ کیونکہ وہ وقت بڑا مشکل ہے نہ معلوم اس کے منہ سے کیا نکل جاوے۔

مسئلہ۲: جب وہ ایک دفعہ کلمہ پڑھ لے تو چپ ہو رہو۔ یہ کوشش نہ کرو کہ برابر کلمہ جاری رہے اور پڑھتے پڑھتے دم نکلے۔ کیونکہ مطلب تو فقط اتنا ہے کہ سب سے آخری بات جو اس کے منہ سے نکلے کلمہ ہونا چاہیے۔ اس کی ضرورت نہیں کہ دم ٹوٹنے تک کلمہ برابر جاری رہے۔ ہاں اگر کلمہ پڑھ لینے کے بعد پھر کوئی دنیا کی بات چیت کرے تو پھر کلمہ پڑھنے لگو۔ جب وہ پڑھ لیوے تو پھر چپ ہو رہو۔

مسئلہ۳: جب سانس اکھڑ جائے اور جلدی جلدی چلنے لگے اور ٹانگیں ڈھیلی پڑ جاویں کہ کھڑی نہ ہو سکیں اور ناک ٹیڑھی ہو جاوے اور کنپٹیاں بیٹھ جاویں تو سمجھو اس کی موت آ گئی اس وقت کلمہ زور زور سے پڑھنا شروع کر دو۔

مسئلہ۴: سورہ یٰسین پڑھنے سے موت کی سختی کم ہو جاتی ہے۔ اس کے سرہانے یا اور کہیں اس کے پاس بیٹھ کر پڑھ دو یا کسی سے پڑھوا دو۔

مسئلہ۵: اس وقت کوئی ایسی بات نہ کرو کہ اس کا دل دنیا کی طرف مائل ہو جاوے کیونکہ یہ وقت دنیا سے جدائی اور اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں حاضری کا وقت ہے۔ ایسے کام کرو ایسی باتیں کرو کہ دنیا سے دل پھر کر اللہ کی طرف مائل ہو جاوے کہ مردہ کی خیر خواہی اسی میں ہے۔ ایسے وقت بال بچوں کو سامنے لانا اور کوئی جس سے اس کو زیادہ محبت تھی اسے سامنے لانا۔ ایسی باتیں کرنا کہ دل اس کا ان کی طرف متوجہ ہو جائے اور ان کی محبت اس کے دل میں سما جائے بڑی بری بات ہے۔ دنیا کی محبت لیکے رخصت ہوئی تو نعوذ باللہ بری موت مری۔

مسئلہ۶: مرتے وقت اگر اس کے منہ سے خدانخواستہ کفر کی کوئی بات نکلے تو اس کا خیال نہ کرو نہ اس کا چرچا کرو بلکہ یہ سمجھو کہ موت کی سختی سے عقل ٹھکانے نہیں رہی۔ اس وجہ سے ایسا ہوا اور عقل جاتے رہنے کے وقت جو کچھ ہو سب معاف ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کی بخشش کی دعا کرتی رہو۔

مسئلہ۷: جب مر جائے تو سب عضو درست کرو اور کسی کپڑے سے اس کا منہ اس ترکیب سے باندھ دو کہ کپڑا تھوڑی کے نیچے سے نکال کر اس کے دونوں سرے سر پر لیجاو اور گرہ لگا دو تا کہ منہ پھیل نہ جائے اور آنکھیں بند کر دو اور پیر کے دونوں انگوٹھے ملا کر باندھ دو تا کہ ٹانگیں پھیلنے نہ پاویں۔ پھر کوئی چادر اڑھا دو اور نہلانے اور کفنانے میں جہاں تک ہو سکے جلدی کرو۔

مسئلہ۸: منہ وغیرہ بند کرتے وقت یہ دعا پڑھو بِسۡمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوۡلِ اللّٰهِ.

مسئلہ۹: مر جانے کے بعد اس کے پاس لوبان وغیرہ کچھ خوشبو سلگا دی جائے اور حیض و نفاس والی عورت اور جس کو نہانے کی ضرورت ہو اس کے پاس نہ رہے۔

مسئلہ۱۰: مر جانے کے بعد جب تک اس کو غسل نہ دیا جائے اس کے پاس قرآن مجید پڑھنا درست نہیں ہے۔

نہلانے کا بیان

مسئلہ۱: جب گور و کفن کا سب سامان ہو جائے اور نہلانا چاہو تو پہلے کسی تخت یا بڑے تختہ کو لوبان یا اگربتی وغیرہ کسی خوشبودار چیز کی دھونی دیدو۔ تین دفعہ یا پانچ دفعہ یا سات دفعہ چاروں طرف دھونی دیکر مردے کو اس پر لٹا دو اور کپڑے اتار لو اور کوئی کپڑا ناف سے لیکر زانو تک ڈال دو کہ اتنا بدن چھپا رہے۔

مسئلہ۲: اگر نہلانے کی کوئی جگہ الگ ہے کہ پانی کہیں الگ بہہ جاوے گا تو خیر، نہیں تو تخت کے نیچے گڑھا کھدوا لو کہ سارا پانی اسی میں جمع رہے۔ اگر گڑھا نہ کھدوایا اور پانی سارے گھر میں پھیلا تب بھی کوئی گناہ نہیں۔ غرض فقط یہ ہے کہ آنے جانے میں کسی کو تکلیف نہ ہو اور کوئی پھسل کر گر نہ پڑے۔

مسئلہ۳: نہلانے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے مردے کو استنجا کرا دو لیکن اس کی رانوں اور استنجے کی جگہ اپنا ہاتھ مت لگاؤ اور اس پر نگاہ بھی نہ ڈالو۔ بلکہ اپنے ہاتھ میں کوئی کپڑا لپیٹ لو اور جو کپڑا ناف سے لیکر زانو تک پڑا ہے اس کے اندر اندر دھلاؤ۔ پھر ہاتھ کہنی سمیت پھر سر کا مسح۔ پھر دونوں پیر اور اگر تین دفعہ روئی تر کر کے دانتوں اور مسوڑوں پر پھیر دی جائے اور ناک کے دونوں سوراخوں میں پھیر دی جائے تو بھی جائز ہے اور اگر مردہ نہانے کی حاجت میں یا حیض و نفاس میں مر جائے تو اس طرح سے منہ اور ناک میں پانی پہچانا ضروری ہے اور ناک اور منہ اور کانوں میں روئی بھر دو تا کہ وضو کراتے اور نہلاتے وقت پانی نہ جانے پائے۔ جب وضو کرا چکو تو سر کو گل خیر یا کسی اور چیز سے جس سے صاف ہو جائے جیسے بیسن یا کھلی یا صابون سے مل کر دھوئے اور صاف کر کے پھر مردے کو بائیں کروٹ پر لٹا کر بیری کے پتے ڈال کر پکایا ہوا پانی نیم گرم تین دفعہ سر سے پیر تک ڈالے یہاں تک کہ بائیں کروٹ تک پانی پہنچ جائے۔ پھر داہنی کروٹ پر لٹائے اور اسی طرح سر سے پیر تک تین مرتبہ اتنا پانی ڈالے کہ داہنی کروٹ تک پہنچ جائے۔ اس کے بعد مردے کو اپنے بدن کی ٹیک لگا کر

ذرا بٹھلائے اور اس کے پیٹ کو آہستہ آہستہ ملے اور دبائے اگر کچھ پاخانہ نکلے تو اس کو پونچھ کے دھو ڈالے اور وضو اور غسل میں اس کے نکلنے سے کچھ نقصان نہیں اب نہ دہراؤ۔ اس کے بعد پھر اس کو بائیں کروٹ پر لٹائے اور کافور پڑا ہوا پانی سر سے پیر تک تین دفعہ ڈالے پھر سارا بدن کسی کپڑے سے پونچھ کے کفنا دو۔

مسئلہ۴: اگر بیری کے پتے ڈال کر پکایا ہوا پانی نہ ہو تو یہی سادہ نیم گرم پانی کافی ہے اسی طرح تین دفعہ نہلائے اور نہلانے کا یہ طریقہ جو بیان ہوا سنت ہے اگر کوئی اس طرح تین دفعہ نہ نہلائے بلکہ ایک دفعہ سارے بدن کو دھو ڈالے تب بھی فرض ادا ہو گیا۔

مسئلہ۵: جب مرد کو کفن پر رکھو تو سر پر عطر لگا دو۔ اگر مردہ مرد ہو تو داڑھی پر بھی عطر لگا دو پھر ماتھے اور ناک اور دونوں ہتھیلی اور دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں پر کافور مل دو بعضے بعضے کفن میں عطر لگاتے ہیں اور عطر کی پھریری کان میں رکھ دیتے ہیں یہ سب جہالت ہے۔ جتنا شرع میں آیا ہے اس سے زائد مت کرو۔

مسئلہ۶: بالوں میں کنگھی نہ کرو، نہ ناخن کاٹو نہ کہیں کے بال کاٹو۔ اسی طرح رہنے دو۔

مسئلہ۷: اگر کوئی مرد مر گیا اور مردوں میں سے کوئی نہانے والا نہیں ہے تو بیوی کے علاوہ اور کسی عورت کو اس کو غسل دینا جائز نہیں اگرچہ محرم ہی ہو۔ اگر بیوی بھی نہ ہو تو اس کو تیمّم کرا دو۔ لیکن اس کے بدن میں ہاتھ نہ لگاؤ بلکہ اپنے ہاتھ میں پہلے دستانے پہن لو تب تیمّم کراؤ۔

مسئلہ۸: کسی کا خاوند مر گیا تو اس کی بی بی کو اس کا نہلانا اور کفنانا درست ہے اور اگر بیوی مر جاوے تو خاوند کو بدن چھونا اور ہاتھ لگانا درست نہیں ہے البتہ دیکھنا اور کپڑے کے اوپر سے ہاتھ لگانا بھی درست ہے۔

مسئلہ۹: جو عورت حیض یا نفاس سے ہو وہ مردے کو نہ نہلائے کہ یہ مکروہ اور منع ہے۔

مسئلہ۱۰: بہتر یہ ہے کہ جس کا رشتہ زیادہ قریب ہو وہ نہلائے اور اگر وہ نہ نہلا سکے تو کوئی دین دار نیک عورت نہلائے۔

مسئلہ۱۱: اگر نہلانے میں کوئی عیب دیکھے تو کسی سے نہ کہے۔ اگر خدانخواستہ مرنے سے اس کا چہرہ بگڑ گیا اور کالا ہو گیا تو یہ بھی نہ کہے اور بالکل اس کا چرچا نہ کرے کہ یہ سب ناجائز ہے۔ ہاں اگر وہ کھلم کھلا کوئی گناہ کرتی ہو جیسے ناچتی تھی یا گانے بجانے کا پیشہ کرتی تھی یا رنڈی تھی تو ایسی باتیں کہہ دینا درست ہیں تاکہ اور لوگ ایسی باتوں سے بچیں اور توبہ کریں۔

کفنانے کا بیان

مسئلہ۱: عورت کو پانچ کپڑوں میں کفنانا سنت ہے ایک کرتہ دوسرے ازار تیسرے سر بند۔ چوتھے چادر۔ پانچویں سینہ بند ازار سر سے لیکر پاؤں تک ہونا چاہیے اور چادر اس سے ایک ہاتھ بڑی ہو اور کرتا گلے سے لیکر پاؤں تک ہو لیکن نہ اس میں کلی ہو نہ آستین۔ اور سر بند تین ہاتھ لمبا ہو۔ اور سینہ بند چھاتیوں سے لیکر رانوں

تک چوڑا اور اتنا لمبا ہو کہ بندھ جائے۔

مسئلہ۲: اگر کوئی پانچ کپڑے میں نہ کفناوے بلکہ فقط تین کپڑوں میں کفن دیوے۔ ایک ازار، دوسرے چادر تیسرے سر بند تو یہ کفن بھی کافی ہوگا اور تین کپڑوں سے بھی کم دینا مکروہ اور برا ہے ہاں اگر کوئی مجبوری اور لاچاری ہو تو کم دینا بھی درست ہے۔

مسئلہ۳: سینہ بند اگر چھاتیوں سے لیکر ناف تک ہو تب بھی درست ہے لیکن رانوں تک ہونا زیادہ اچھا ہے۔

مسئلہ۴: پہلے کفن کو تین دفعہ یا پانچ دفعہ یا سات دفعہ لوبان وغیرہ کی دھونی دیدو تب اس میں مردے کو کفنا دو۔

مسئلہ۵: کفنانے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے چادر بچھاؤ پھر ازار اسکے اوپر کرتا۔ پھر مردے کو اس پر لے جا کے پہلے کرتا پہناؤ۔ اور سر کے بالوں کو دو حصے کر کے کرتے کے اوپر سینے پر ڈالدو۔ ایک حصہ داہنی طرف اور ایک بائیں طرف اس کے بعد سر بند سر پر اور بالوں پر ڈالدو اس کو نہ باندھو نہ لپیٹو۔ پھر ازار لپیٹ دو پہلے بائیں طرف لپیٹو پھر داہنی طرف اس کے بعد سینہ بندھ باندھ دو۔ پھر چادر لپیٹو پہلے بائیں طرف پھر داہنی طرف پھر کسی دھجی سے پیر اور سر کی طرف کفن کو باندھ دو ایک بند سے کمر کے پاس بھی باندھ دو کہ رستہ میں کہیں کھل نہ پڑے۔

مسئلہ۶: سینہ بند کو اگر سر بند کے بعد ازار لپیٹنے سے پہلے ہی باندھ دیا تو یہ بھی جائز ہے اور اگر سب کفنوں کے اوپر سے باندھے تو درست ہے۔

مسئلہ۷: جب کفنا چکو تو رخصت کرو کہ مرد لوگ نماز پڑھ کر دفنا دیویں۔

مسئلہ۸: اگر عورتیں جنازے کی نماز پڑھ دیں تو بھی جائز ہے لیکن چونکہ ایسا اتفاق کبھی نہیں ہوتا ہے اس لیے ہم نماز اور دفنانے کے مسئلے بیان نہیں کرتے۔

مسئلہ۹: کفن میں یا قبر کے اندر عہد نامہ یا اپنے پیر کا شجرہ یا اور کوئی دعا رکھنا درست نہیں اسی طرح کفن پر یا سینہ پر کافور سے یا روشنائی سے کلمہ وغیرہ کوئی دعا لکھنا بھی درست نہیں۔ البتہ کعبہ شریف کا غلاف یا اپنے پیر کا رومال وغیرہ کوئی کپڑا اتبرکاً رکھ دینا درست ہو۔

مسئلہ۱۰: جو بچہ زندہ پیدا ہوا پھر تھوڑی ہی دیر میں مر گیا یا فوراً پیدا ہونے کے بعد ہی مر گیا تو وہ بھی اسی قاعدہ سے نہلایا جائے اور کفنا کے نماز پڑھی جائے پھر دفن کر دیا جائے اور اس کا نام بھی کچھ نہ کچھ رکھ لیا جائے۔

مسئلہ۱۱: جو بچہ ماں کے پیٹ سے مرا پیدا ہوا اور پیدا ہوتے وقت زندگی کی کوئی علامت نہیں پائی گئی اس

کو بھی اسی طرح نہلاؤ لیکن قاعدے کے موافق کفن نہ دو بلکہ کسی ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دو اور نام اس کا بھی کچھ نہ کچھ رکھ دینا چاہیے۔

اگر چھوٹی لڑکی مر جاوے جو ابھی جوان نہیں ہوئی لیکن جوانی کے قریب پہنچ گئی ہے تو اس کے کفن کے بھی وہی پانچ کپڑے سنت ہیں جو جوان عورت کے لیے ہیں۔ اگر پانچ کپڑے نہ دو تین ہی کپڑے دو تب بھی کافی ہے۔ غرضیکہ جو حکم سیانی عورت کا ہے وہ ہی کنواری اور چھوٹی لڑکی کا بھی حکم ہے۔ مگر سیانی کے لیے وہ حکم تاکیدی ہے اور کم عمر کے لیے بہتر ہے۔

مسئلہ ۱۵: جو لڑکی ابھی جوانی کے قریب بھی نہ ہوئی اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ پانچ کپڑے دیئے جاویں اور دو کپڑے دینا بھی درست ہے ایک ازار اور ایک چادر۔

مسئلہ ۱۶: اگر کوئی لڑکا مر جاوے اور اس کے نہلانے اور کفنانے کی تم کو ضرورت پڑے تو اسی ترکیب سے نہلا دو جو اوپر بیان ہو چکی اور کفنانے کا بھی وہی طریقہ ہے جو اوپر تم کو معلوم ہوا بس اتنا ہی فرق ہے کہ عورت کا کفن پانچ کپڑے ہیں اور مرد کا کفن تین کپڑے، ایک چادر، ایک ازار ایک کرتہ۔

مسئلہ ۱۷: مرد کے کفن میں اگر دو ہی کپڑے ہوں یعنی چادر اور ازار اور کرتہ ہو تب بھی کچھ حرج نہیں دو کپڑے بھی کافی ہیں اور دو سے کم دینا مکروہ ہے لیکن اگر کوئی مجبوری اور لاچاری ہو تو مکروہ بھی نہیں۔

مسئلہ ۱۸: جو چادر جنازے کے اوپر یعنی چارپائی پر ڈالی جاتی ہے کفن میں شامل نہیں ہے۔ کفن فقط اتنا ہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔

مسئلہ ۱۹: جس شہر میں کوئی مرے وہیں اس کا گور و کفن کیا جاوے دوسری جگہ لیجانا بہتر نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی جگہ کوس آدھ کوس دور ہو تو وہاں لیجانے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔

اخلاقیات

اخلاق، آداب، معاشرت، لباس

کتاب الاخلاق

دین میں اخلاق کا درجہ:

رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیمات میں ایمان کے بعد جن چیزوں پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور انسان کی سعادت کو ان پر موقوف بتلایا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان اخلاق حسنہ اختیار کرے اور برے اخلاق سے اپنی حفاظت کرے۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے جن مقاصد کا قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ایک یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ کو انسانوں کا تزکیہ کرنا ہے" وَيُزَكِّيهِمْ "اور اس تزکیہ میں اخلاق کی اصلاح اور درستی کی خاص اہمیت ہے۔ اخلاق کی درستی اور اس کو اللہ جل شانہ کے احکام کے مطابق بنانا اتنا ہی ضروری اور اتنا ہی اہم اور واجب ہے جتنا کہ عبادات کو بجالانا ضروری ہے۔

اخلاق کا مطلب عرف عام میں کچھ اور سمجھا جاتا ہے اور جو اخلاق شریعت میں مطلوب ہیں وہ کچھ اور ہیں۔ عرف عام میں اخلاق اس کو کہتے ہیں کہ ذرا مسکرا کر کسی سے مل لیا، اس کے ساتھ خندہ پیشانی سے نرمی سے بات کرلی۔ اس کو کہتے ہیں کہ یہ بہت خوش اخلاق آدمی ہے۔ اس کے اخلاق بہت اچھے ہیں۔ لیکن جس اخلاق کی شریعت میں حیثیت ہے اور جس اخلاق کا مطالبہ دین نے ہم سے کیا ہے اس کا مفہوم اس سے بہت زیادہ وسیع ہے۔ صرف اتنی بات نہیں ہے کہ لوگوں سے خندہ پیشانی سے مل لے۔ اگرچہ یہ لوگوں سے خندہ پیشانی سے ملنا بھی اس کا ایک نتیجہ ہوتا ہے، لیکن اصل اخلاق یہ نہیں۔ بلکہ اصل اخلاق انسان کے باطن کی، اس کے دل کی اس اس کی روح کی ایک صفت ہے۔ انسان کے باطن کے اندر مختلف قسم کے جذبات، خیالات اور خواہشات پروان چڑھتی ہیں۔ ان کو اخلاق کی بنیادیں کہتے ہیں اور ان کو درست کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔

خوش اخلاقی کی فضیلت واہمیت:

(1) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ اَحْسَنَكُمْ اَخْلَاقًا. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

(2) عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا.(رواہ الترمذی والدارمی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایمان والوں میں سب سے زیادہ کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جو اخلاق میں زیادہ اچھے ہیں۔(ترمذی،دارمی)

مطلب یہ ہے کہ ایمان اور اخلاق میں ایسی نسبت ہے کہ جس کا ایمان کامل ہوگا اس کے اخلاق بھی لازماً بہت اچھے ہونگے۔

(3) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اِنَّ أَثْقَلَ شَیْءٍ یُوْضَعُ فِیْ مِیْزَانِ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ خُلُقٌ حَسَنٌ.(رواہ الترمذی و ابوداؤد)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: قیامت کے دن مومن کے میزان عمل میں سب سے زیادہ وزنی اور بھاری چیز جو رکھی جائے گی وہ اس کے اچھے اخلاق ہونگے۔(ترمذی،ابوداؤد)

اخلاص وللّٰہیت

عَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ.(رواہ البخاری)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ سب انسانی اعمال کا دارومدار صرف نیتوں پر ہے۔(بخاری)

اس حدیث کا اصل منشاء امت پر اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ تمام اعمال کی صلاح وفساد اور مقبولیت و مردودیت کا مدار نیت پر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ عمل قابل قبول ہوگا جو اچھی نیت سے کیا گیا ہو۔ اور جو نیک کام کسی بری غرض اور فاسد نیت سے کیا گیا ہو وہ قابل قبول نہیں ہوگا۔ بلکہ نیت کے مطابق فاسد اور مردود ہوگا اگر چہ ظاہر میں اچھا معلوم ہو رہا ہو۔ الغرض اللہ تعالیٰ کے یہاں صرف وہی عمل کام آئے گا جو اچھی نیت سے یعنی صرف رضائے الٰہی کے لیے کیا گیا ہو۔ دین کی خاص اصطلاح میں اسی کا نام اخلاص ہے۔ اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ ہر اچھا کام یا کسی کے ساتھ اچھا برتاؤ صرف اس لیے اور اس نیت سے کیا جائے کہ ہمارا خالق و پروردگار ہم سے راضی ہو، ہم پر رحمت فرمائے اور ہم اس کی ناراضگی اور غضب سے محفوظ رہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق تمام اچھے اعمال کی روح اور جان یہی اخلاص نیت ہے۔ اگر بظاہر اچھے

سے اچھے اعمال اس سے خالی ہوں اور ان کا مقصد رضائے الٰہی نہ ہو بلکہ نام و نمود ہو، تو اللہ کے نزدیک ان کی کوئی قیمت نہیں اور اس پر کوئی ثواب ملنے والا نہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ کوئی شخص ہے جو آپ کی بڑی خدمت کرتا ہے، آپ کو ہر طرح آرام پہنچانے اور خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن اگر کسی طرح سے آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کو آپ کے ساتھ کوئی خلوص نہیں ہے، بلکہ اس کا یہ برتاؤ اپنی کسی ذاتی غرض کے لیے ہے، یا وہ آپ سے اپنا کوئی کام نکلوانا چاہتا ہے، تو پھر آپ کے دل میں اس کی اور اس کے اس برتاؤ کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی۔ بس یہی معاملہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ ہم دوسروں کے دلوں کا حال نہیں جانتے اور اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں اور ان کی نیتوں کا حال جانتے ہیں۔ کیونکہ ہم جس ''عالم'' میں رہتے ہیں اس کو عالم ظاہر اور شہادت کہا جاتا ہے۔ یعنی یہاں ہم ہر شخص کا صرف ظاہری چال چلن دیکھ کر ہی اس کے متعلق اچھی یا بری رائے قائم کر سکتے ہیں، اسی کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کر سکتے ہیں کیونکہ ہم دلوں کے بھیدوں اور سینوں کے رازوں کے دریافت کرنے سے عاجز ہیں۔ جیسے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نَحْنُ نَحْكُمُ بِالظَّاهِرِ وَاللّٰهُ يَتَوَلَّى السَّرَائِرِ'' یعنی ہمارا کام ظاہر پر حکم لگانا ہے اور چھپے ہوئے راز اللہ کے سپرد ہیں۔

لیکن عالم آخرت میں فیصلہ فرمانے والے خود اللہ تعالیٰ ہونگے جو علام الغیوب ہیں اور وہ یہ فیصلہ نیتوں اور دل کے ارادوں سے فرمائیں گے۔ پس اس کے جن بندوں کا یہ حال ہے کہ وہ اس کی خوشنودی اور رحمت کی طلب میں اچھے اعمال کرتے ہیں تو وہ ان کے ان اعمال کو قبول کر کے ان سے راضی ہوتا ہے اور ان پر رحمتیں نازل فرماتا ہے اور آخرت میں اس کی رضا اور رحمت کا پورا ظہور ہوگا۔ اور جو لوگ اچھے اعمال نام و نمود اور شہرت کے لیے کرتے ہیں تو ان کو یہ مقاصد دنیا میں تو حاصل ہو جائیں گے مگر آخرت میں وہ اللہ تعالیٰ کی رضا و رحمت سے محروم رہیں گے۔ اور ان کی اس محرومی کا پورا ظہور آخرت ہی میں ہوگا۔ جیسا کہ ایک حدیث شریف میں وارد ہوا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے پہلا شخص جس کے خلاف قیامت کے دن (دوزخ میں ڈالے جانے کا) فیصلہ عدالت خداوندی کی طرف سے دیا جائے گا ایک آدمی ہوگا جو (میدان جہاد میں) شہید کیا گیا ہوگا۔ یہ شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے لایا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ اس کو بتائیں گے کہ میں نے تجھے کیا کیا نعمتیں دی تھیں۔ وہ اللہ کی دی ہوئی سب نعمتوں کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے کہ بتا! تو نے ان نعمتوں سے کیا کیا کام لیا (اور کن مقاصد کے لیے ان کو استعمال کیا)؟ وہ کہے گا کہ میں نے تیری راہ میں جہاد کیا یہاں تک کہ میں شہید کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو جھوٹ کہتا ہے، تو نے تو جہاد میں حصہ اس نیت سے لیا تھا کہ تیری بہادری کے چرچے ہوں، سو تیری

بہادری کے چرچے ہوگئے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا اور وہ اوندھے منہ گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اسی کے ساتھ ایک دوسرا شخص ہوگا جس نے دین کا علم حاصل کیا ہوگا اور دوسروں کو اس کی تعلیم بھی دی ہوگی اور قرآن بھی خوب پڑھا ہوگا۔ اس کو بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی بخشی ہوئی نعمتیں جتائیں گے، وہ سب کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے کہ بتا تو نے میری ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا: اے اللہ! میں نے آپ کا علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا اور آپ ہی کی رضا کے لیے آپ کی کتاب قرآن پاک میں مشغول رہا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو نے یہ بات جھوٹ کہی ،تو نے تو دین کا علم اس لیے حاصل کیا تھا اور تو قرآن اس لیے پڑھتا تھا کہ تجھ کو عالم وقاری و عابد کہا جائے ، سو تیرے عالم و عابد و قاری ہونے کا چرچا خوب ہو گیا۔ پھر اس کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا اور وہ بھی اوندھے منہ گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اور ایک تیسرا شخص ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھرپور دولت دی ہوگی اور ہر طرح کا مال اس کو عطا فرمایا ہوگا۔ وہ بھی اللہ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی نعمتیں بتلائیں گے۔ وہ سب کا اقرار کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے کہ تو نے میری ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ وہ عرض کرے گا: اے اللہ! جس جس راستہ میں اور جن جن کاموں میں خرچ کرنا آپ کو پسند ہے میں نے آپ کا دیا ہوا مال ان سب ہی کاموں میں صرف آپ کی رضا جوئی کے لیے خرچ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو نے یہ جھوٹ کہا، درحقیقت یہ سب کچھ تو نے اس لیے کیا تھا کہ دنیا میں تو سخی مشہور ہو، سو تیری سخاوت کے خوب چرچے ہو چکے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے بھی حکم ہوگا اور وہ بھی اوندے منہ گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم) (اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْہُ)

اس حدیث میں جن تین اعمال کا ذکر ہے یہ تینوں اعلیٰ درجہ کے اعمال صالحہ میں سے ہیں۔ بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں۔ اگر یہ اعمال دکھاوے اور شہرت یا کسی اور مقصد کے لیے ہوں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قدرو قیمت نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بھی کئی جگہ اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ نیک اعمال میں اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کو مقدم رکھیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْحَیَاۃَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَھَا نُوَفِّ اِلَیْھِمْ اَعْمَالَھُمْ فِیْھَا وَھُمْ فِیْھَا لَا یُبْخَسُوْنَ o اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَاصَنَعُوْ فِیْھَا وَبَاطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَo

دوسری جگہ ارشاد ہے:

مَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَۃِ نَزِدْلَہٗ فِیْ حَرْثِہٖ وَمَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤْتِہٖ مِنْھَا وَمَالَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنْ نَّصِیْبٍo (سورۃ الشوری)

ترجمہ: جو شخص آخرت کی کھیتی (ثواب) کا ارادہ کرتا ہے ہم اس میں مزید اضافہ کر دیتے ہیں اور جو شخص دنیا (میں ہی بدلہ) کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دنیا ہی میں دے دیتے ہیں اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

اخلاص کا تعلق دل سے ہے جس کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنا ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ اخلاص کو عمل میں اساس (بنیاد) کی حیثیت حاصل ہے۔ جس طرح تعمیر اساس کے بغیر اور جسم سر کے بغیر بے کار ہے اسی طرح اعمال اخلاص کے بغیر بے کار ہیں۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے سب ملعون (یعنی اللہ کی رحمت سے دور) ہے مگر وہ عمل جس سے اللہ کی خوشی کا ارادہ کیا گیا ہو۔ اخلاص کے ساتھ کیا ہوا تھوڑا عمل بھی نجات کے لیے کافی ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ان کو یمن کی جانب بھیجا جا رہا تھا تو انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے نصیحت کیجئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: دین میں (یعنی دین کے اعمال میں) اخلاص پیدا کرو، تھوڑا عمل بھی کافی ہو جائے گا۔

ریا کی تعریف:

ریا اخلاص کی ضد ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کو دکھلانے کے لیے نیک عمل کرنا۔ تاکہ لوگوں کے دلوں میں اس کی قدر و منزلت ہو۔ ریاء کو حدیث شریف میں شرک خفی (پوشیدہ شرک) کہا گیا ہے۔ جیسے کہ حدیث پاک میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) ہم لوگ آپس میں مسیح دجال کے فتنے اور اس کے ابتلاء (آزمائش) کا ذکر کر رہے تھے کہ رسول کریم ﷺ ہمارے پاس تشریف فرما ہوئے اور فرمانے لگے کہ کیا میں تمہیں اس چیز کے بارے میں نہ بتاؤں جو میرے نزدیک تمہارے حق میں مسیح دجال کے فتنے سے بھی زیادہ خوفناک ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ جی ہاں اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا وہ چیز شرک خفی ہے۔ (آگے خود شرک خفی کی مثال بیان فرماتے ہیں) مثلاً ایک آدمی نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے اور نماز پڑھتا ہے اور اس نماز کے تمام ارکان یا بعض ارکان میں زیادہ صرف اس لیے کرتا ہے (یعنی ان کو بہت اچھی طرح اور خشوع سے ادا کرتا ہے) کہ لوگ یہ کہیں یا سمجھیں کہ فلاں آدمی بڑا نمازی ہے بڑے خشوع وخضوع والا ہے۔ تو یہ ریا ہے۔ اور اسی کو شرک خفی اور شرک اصغر کہا گیا ہے اور یہ بہت سنگین گناہ ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

عَنْ مَحْمُود بن لبيدٍ اَن النَّبِیَّ قال: إنّ النبیَّ قال: إنَّ أَخْوَفَ ما أخَافُ على أمتِي الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ، قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللهِ! وَمَا الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ؟ قَالَ: الرِّيَاءُ. (رواہ احمد)

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (مسلمانو!) سب سے زیادہ خوفناک چیز جس سے میں تمہیں ڈراتا ہوں، شرک اصغر (چھوٹے درجہ کا شرک) ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اور وہ شرک اصغر کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ریا''۔ (احمد)

عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ اَنَّهُ بَكٰى فَقِيْلَ لَهُ: مَايُبْكِيْكَ؟ قَالَ شَيْءٌ سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ، فَذَكَرْتُهُ فَأَبْكَانِيْ. سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهَ ﷺ يَقُوْلُ: اَتَخَوَّفُ عَلٰى اُمَّتِيْ الشِّرْكَ وَالشَّهْوَةَ الْخَفِيَّةَ. قَالَ، قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَيُشْرِكُ اُمَّتُكَ مِنْ بَعْدِكَ؟ قَالَ: نَعَمْ! أَمَا اِنَّهُمْ لَايَعْبُدُوْنَ شَمْسًا وَلَا قَمَرًا وَلَا حَجَرًا وَلَا وَثَنًا وَلٰكِنْ يُرَاءُوْنَ بِأَعْمَالِهِمْ. (رواہ احمد والبیھقی فی شعب الایمان)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ (ایک موقع پر) وہ رونے لگے تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ کو کس چیز نے رلایا؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے اس بات نے رلایا ہے جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی، اس وقت مجھے وہ بات یاد آ گئی تو میں رونے پر مجبور ہو گیا۔ وہ بات یہ ہے کہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اپنی امت پر شرک اور چھپی خواہشات کا خوف ہے۔ حضرت شداد کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ کی امت آپ ﷺ کے بعد شرک میں مبتلا ہو جائے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! یاد رکھو کہ میری امت کے لوگ سورج کو نہیں پوجیں گے، نہ چاند کو، نہ پتھر کو اور نہ کھلم کھلا بت پرستی کریں گے لیکن لوگوں کو دکھلانے کے لیے نیک کام کریں گے (اور یہ شرک خفی ہے)۔ (احمد، بیہقی)

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ خَرَجَ يَوْمًا اِلٰى مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَوَجَدَ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قَاعِدًا عِنْدَ قَبْرِ النَّبِيِّ ﷺ يَبْكِيْ، قَالَ: مَايُبْكِيْكَ؟ قَالَ: يُبْكِيْنِيْ شَيْءٌ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اِنَّ يَسِيْرَ الرِّيَاءِ شِرْكٌ. (رواہ ابن ماجه والبیهقی فی شعب الایمان)

امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں تشریف لے گئے تو انہوں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کے پاس بیٹھ کر روتا ہوا پایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ کیوں رو رہے ہو؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے ایک بات کی یاد نے رلا دیا ہے جس کو میں نے رسول کریم ﷺ سے سنا تھا۔ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ تھوڑا ریا (بھی) شرک ہے۔ (ابن ماجہ، بیہقی)

رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات کا اصل مقصد اپنے امتیوں کو اس خطرہ سے خبردار کرنا ہے تاکہ وہ ہوشیار رہیں اور اس خفی قسم کے شرک سے بھی اپنے دلوں کی حفاظت کرتے رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ شیطان ان کو اس پوشیدہ شرک میں مبتلا کر کے تباہ و برباد کر دے۔

عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : مَنْ صَلّٰى يُرَائِیْ فَقَدْ أَشْرَكَ ، وَمَنْ صَامَ يُرَائِیْ فَقَدْ أَشْرَكَ، وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِیْ فَقَدْ أَشْرَكَ.(رواہ احمد)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لیے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لیے صدقہ و خیرات کیا اس نے شرک کیا۔ (احمد)

حقیقی شرک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات یا اس کے افعال اور اس کے خاص حقوق میں کسی دوسرے کو شریک کیا جائے یا اللہ کے سوا کسی اور کی بھی عبادت کی جائے اس شرک کو شرکِ حقیقی ''یعنی شرک اکبر'' کہتے ہیں۔ اس کا کرنے والا کافر ہوتا ہے۔ اور شرک خفی یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت یا کوئی نیک عمل اللہ کی رضا جوئی اور رحمت طلبی کے بجائے لوگوں کے دکھاوے کے لیے کرے۔ یعنی نیک کام اس نیت سے کرے کہ لوگوں میں عبادت گزار، بزرگ اور نیک مشہور ہو، اسی کو ''ریا'' کہتے ہیں۔ ایسے ریاکار سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے کہاں ہے وہ جس کے لیے عمل کیا تھا اسی سے اس کا اجر و بدلہ لے لے۔ جیسے کہ حدیث شریف میں وارد ہے:

عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِیْ فَضَالَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِذَا جَمَعَ اللّٰهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لِيَوْمٍ لَارَيْبَ فِيْهِ نَادٰى مُنَادٍ: مَنْ كَانَ أَشْرَكَ فِیْ عَمَلٍ عَمِلَهٗ لِلّٰهِ أَحَدًا فَلْيَطْلُبْ ثَوَابَهٗ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ.(رواہ احمد)

حضرت ابوسعید بن ابی فضالہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے سب آدمیوں کو جمع کریں گے تو ایک منادی یہ اعلان کرے گا کہ جس شخص نے اپنے کسی ایسے عمل میں جو اس نے اللہ تعالیٰ کے لیے کیا کسی اور کو بھی شریک کیا تھا وہ اس کا ثواب اسی (دوسرے) سے جا کر طلب کر لے کیونکہ اللہ تعالیٰ سب شرکاء سے زیادہ بے نیاز ہے (شرک سے)۔ (احمد)

اس حدیث شریف کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کے لیے کیے جانے والے عمل کو ریا اور اس کی آمیزش سے پاک رکھنا ہے۔ کیونکہ دنیا کا دستور یہ ہے کہ لوگ اپنے معاملات اور کاروبار میں ایک دوسرے کے شریک بنتے

ہیں اور وہ اس شرکت پر راضی اور خوش بھی ہوتے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے ہر ایک شریک اپنے دوسرے شریک کے معاملات و کاروبار میں پورا پورا شریک ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا معاملہ بالکل برعکس ہے۔ وہ ہر قسم کی شرکت سے منزہ ومطہر (پاک وصاف) ہیں کیونکہ ہر مخلوق اور ہر چیز اسی کی محتاج ہے مگر وہ کسی کا محتاج نہیں، حتیٰ کہ وہ نیک عمل جس میں ذرہ برابر بھی ریا آجائے تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول نہیں فرماتے بلکہ صرف اسی عمل کو قبول فرماتے ہیں جو خالص اسی کے لیے کیا گیا ہو۔

بہر حال حقیقت یہ ہے کہ ریا ایک ایسا جذبہ ہے جس سے پوری طرح بچنا ممکن نہیں ہے اور ہر حالت میں حقیقی اخلاص کا پایا جانا بھی مشکل ہے۔ اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ کسی کے منہ سے اپنی تعریف سن کر خوش ہونا ریا کے پائے جانے کی علامت ہے۔ اسی طرح تنہائی میں کوئی عمل کرتے وقت بھی دل میں ریا کا خیال آجائے تو وہ بھی ریا ہی ہے اور اخلاص کی دولت کا ملنا اللہ تعالیٰ کی مدد وتوفیق کے بغیر ممکن نہیں۔

علمائے کرام نے ریا سے بچنے کے لیے ایک بہترین صورت بیان کی ہے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص کوئی نیک کام کر رہا ہو اور کسی عبادت وطاعت میں مشغول ہو اور لوگ اس کو وہ نیک کام اور عبادت کرتے ہوئے دیکھ لیں تو اس کو چاہیے کہ اس وقت اپنے اندر اس بات پر خوشی ومسرت کے جذبات پیدا کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم اور لطف وعنایت سے نیک عمل کی توفیق عطا فرمائی، اور لوگوں کی نظر میں باعزت بنانے کا یہ سبب پیدا فرمایا کہ گناہوں اور عیوب کی تو پردہ پوشی فرمائی اور نیک اعمال کو ظاہر فرمایا۔ ان جذبات کے ساتھ یہ نیت رکھے کہ اگر میرے نیک عمل کے ظاہر ہونے سے دین کا چرچا ہوگا اور لوگ نیک اعمال کی طرف متوجہ ہوں گے تو یہ چیز ریا کے حکم میں داخل نہیں بلکہ اس کو محمود یعنی اچھا بھی کہا جائے گا۔

سُمعہ:

سُمعہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ کام جو لوگوں کے سنانے اور شہرت حاصل کرنے کے لیے کیا جائے۔ عام طور پر اس لفظ کا استعمال ریا کے ساتھ ہے مگر ریا کا تعلق دکھانے کے ساتھ ہوتا ہے اور سمعہ کا تعلق سنانے کے ساتھ ہے۔ حدیث شریف میں سمعہ کی بھی سخت ممانعت اور وعید وارد ہوئی ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰـهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَنْ سَمَّعَ النَّاسَ بِعَمَلِهٖ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ أَسَامِعَ خَلْقِهٖ وَحَقَّرَهٗ وَصَغَّرَهٗ.(رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اپنے عمل کو لوگوں کے درمیان شہرت دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے اس عمل کو اپنی مخلوق کے کانوں تک پہنچا دے گا۔ اور (قیامت کے دن) اس کو رسوا کرے گا اور ذلت وحقارت سے دوچار کرے گا۔ (بیہقی)

عَنْ جُنْدُبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهِ وَمَنْ يُرَائِی يُرَائِی اللّٰهُ بِهِ.(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کوئی عمل ریا اور شہرت دینے کے لیے کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو شہرت دے گا اور جو کوئی دکھاوے کے لیے کوئی نیک عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو خوب دکھائے گا۔(بخاری و مسلم)

مطلب یہ ہے کہ جو شخص کوئی نیک کام محض شہرت و ناموری اور عزت و جاہ کے حاصل کرنے کے لیے کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس دنیا میں اس کے ان عیوب اور برے کاموں کو اپنی مخلوق کے سامنے ظاہر فرما دیں گے جن کو وہ چھپاتا ہے اور لوگوں کی نظر میں اس کو ذلیل و رسوا کریں گے اور جہنم کے عذاب سے پہلے اس کو ایک سزا یہ ملے گی کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے سامنے اس کی حقیقت کو کھول دیں گے کہ یہ شخص مخلص نہیں تھا بلکہ ریا کار تھا اور اس کے اس عمل کا ثواب اس کو نہیں دیا جائے گا بلکہ (وہ ثواب) صرف اس کو سنا اور دکھا دیا جائے گا تاکہ وہ حسرت و افسوس کرے۔

اعمال صالحہ کی وجہ سے لوگوں میں اچھی شہرت اللہ کی ایک نعمت ہے۔ ریا اور شہرت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اتنا ڈرا دیا تھا کہ ان میں سے بعض کو یہ شبہ ہونے لگا کہ جس نیک عمل پر دنیا کے لوگ عمل کرنے والے کی تعریفیں کریں اور اس کی نیکی کا چرچا ہو اور لوگ اس کو اللہ کا نیک بندہ سمجھ کر اس سے محبت کرنے لگیں تو وہ عمل بھی اللہ کے یہاں مقبول نہ ہوگا کیونکہ اس عمل کا دنیا میں شہرت اور محبت کی صورت میں بدلہ مل ہی گیا۔ اسی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا تھا جس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ“. جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے نیک عمل کی شہرت ہو جانا اور لوگوں کا اس کی تعریف یا اس سے محبت کرنا کوئی بری بات نہیں ہے بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ بدلہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آخرت میں ملنے والے اصل انعام سے پہلے اس دنیا میں (نیک) صلہ اور اس بندہ کی مقبولیت اور محبوبیت کی ایک خوشخبری اور علامت ہے۔

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَرَأَيْتَ الرَّجُلَ يَعْمَلُ الْعَمَلَ مِنَ الْخَيْرِ وَيَحْمَدُهُ النَّاسَ عَلَيْهِ. و فی روایة: وَيُحِبُّهُ النَّاسُ عَلَيْهِ، قَالَ: تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ.(رواہ مسلم)

عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! بَيْنَا أَنَا فِیْ بَيْتِی فِیْ مُصَلَّایَ إِذْ دَخَلَ عَلَیَّ رَجُلٌ فَأَعْجَبَنِی الْحَالُ الَّتِیْ رَآنِیْ عَلَيْهَا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: رَحِمَكَ اللّٰهُ يَا أَبَاهُرَيْرَةَ! لَكَ أَجْرَانِ، أَجْرُ السِّرِّ وَأَجْرُ الْعَلَانِيَةِ.(رواہ الترمذی)

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو ایک دفعہ یہ واقعہ پیش آیا کہ وہ اپنے گھر میں نماز پڑھ رہے تھے، اسی حال میں ایک شخص آیا اور اس نے ان کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، وہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں اس بات سے خوشی پیدا ہوئی کہ اس شخص نے مجھے نماز جیسے اچھے کام میں مشغول پایا۔ پھر انہوں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا (تاکہ خدانخواستہ اگر یہ بھی ریاکاری کی کوئی شاخ ہو تو اس سے توبہ واستغفار کی جائے) آپ ﷺ نے ان کو اطمینان دلایا کہ یہ ریا نہیں ہے بلکہ تم کو اس صورت میں خلوت کی نیکی کا بھی ثواب ملے گا اور جلوت کی نیکی کا بھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو اعمال صالحہ اخلاص کے ساتھ اللہ ہی کے لیے کئے جائیں لیکن عمل کرنے والے کے ارادہ اور کوشش کے بغیر اللہ کے دوسرے بندوں کو ان کا علم ہو جائے اور پھر اس کو اس سے خوشی ہو تو یہ اخلاص کے خلاف نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کوئی نیک عمل اس لیے لوگوں کے سامنے کرتا ہے کہ وہ اس کی اقتداء کریں اور اس کو سیکھیں تو یہ بھی ریا نہ ہوگا بلکہ اس صورت میں اللہ کے اس بندہ کو تعلیم وتبلیغ کا بھی ثواب ملے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقت اخلاص نصیب فرمائے، اپنا مخلص بندہ بنائے اور ریا وسمعہ جیسے مہلکات سے ہمارے قلوب کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)

شکر

اللہ تعالیٰ نے نبی پاک ﷺ کی ذات کو سارے عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ چنانچہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ﴾

''ترجمہ۔اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

آپ ﷺ نے اپنی امت کو ایسا طریقہ زندگی بتایا جس سے ان کو دنیا میں بھی راحت وسکون حاصل ہو اور آخرت میں درجات عالیہ میسر آئیں اور ایسے اعمال بتائے جس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ بے چینی اور بے صبری اور رنج وغم جیسی مصیبتوں سے نجات ملے۔ چنانچہ بتلایا کہ وہ صفات جن سے بندہ ہر حال میں خدا سے وابستہ رہتا ہے اور راحت واطمینان اسے نصیب ہو جاتا ہے ان میں صبر وشکر ہے۔

شکر کی فضیلت:

شکر اسلام کی خاص تعلیمات میں سے ہے اور اللہ پاک اور ہمارے پیارے نبی ﷺ نے طرح طرح سے اس کی ترغیب دی ہے۔ اس تعلیم پر عمل کرنے کا ایک نتیجہ تو یہ ہے کہ وہ کبھی مصیبتوں اور ناکامیوں سے شکست نہیں کھاتا اور دوسرا یہ کہ اپنے اوپر اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو چاہے وہ چھوٹی ہی کیوں نہ ہو یاد رکھتا ہے اور تیسرا اہم فائدہ یہ ہے کہ شکر سے نعمت دگنی ہو جاتی ہے۔

شکر سے نعمتوں میں اضافہ اور عذاب سے حفاظت ہوتی ہے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَا یَفۡعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمۡ اِنۡ شَکَرۡتُمۡ وَاٰمَنۡتُمۡ﴾

''ترجمہ۔اللہ تعالیٰ تم کو سزا دے کر کیا کرینگے اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ''

شکر کی عبادت اللہ کو اتنی پسند ہے کہ اپنی نازل کردہ کتابوں میں سب سے عظیم اور محبوب کتاب قرآن کریم کو سورہ فاتحہ سے شروع فرمایا اور سورہ فاتحہ کا پہلا لفظ ہی الحمد اللہ کے الفاظ سے شروع کیا پورے قرآن کا

خلاصہ سورہ فاتحہ میں ہے اور سورہ فاتحہ کا پہلا لفظ الحمدللہ ہے۔ اور یہ سورت اللہ کو اتنی پسند ہے کہ اس کو نہ صرف ہر نماز بلکہ ہر رکعت میں پڑھنے کا حکم دیا ہے اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں خدا کی حمد ہے اور اللہ کو اپنی تعریف بہت پسند ہے۔

جنت میں ساری عبادتیں ختم ہو جائیں گی لیکن ایک عبادت وہاں بھی جاری رہے گی یعنی شکر۔

اس عمل سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قوی ہوتا ہے۔ قرب خداوندی بڑھتا ہے۔ زندگی میں ایک خوشگوار تبدیلی آتی ہے۔ اپنی حالت میں قناعت کی لذت محسوس ہوتی ہے۔ اور زندگی پر عافیت ہو جاتی ہے۔ اور جب انسان ہر وقت شکر کرے گا تو جذبہ صبر بھی پیدا ہوگا اور تکلیف پر شکوہ شکایت نہیں کرے گا۔ اور گناہ کرتے ہوئے شرمائے گا کہ صبح سے شام تک جس کا شکر کرتا رہا ہوں اب اسی کی نافرمانی کیسے کروں۔ یہ بھی اس عمل کی برکت ہے کہ شکر گزار آدمی سے گناہ بہت کم سرزد ہوتے ہیں۔ حسد، حرص و ہوس اور اسراف و بخل سے نجاتی رہتی ہے۔ اور سب سے عظیم فائدہ یہ ہے کہ انسان تکبر سے محفوظ رہتا ہے۔ کیونکہ جتنی نعمتیں اس کو حاصل ہیں ان کو اپنا کمال نہیں سمجھتا بلکہ اللہ کا انعام سمجھتا ہے۔ (معارف الحدیث، صفحہ:۲۹۹، ج: دوم)

چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ﴾

”ترجمہ۔ اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تم کو اور زیادہ دوں گا“

یعنی یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اگر تم نے میری نعمتوں کا شکر ادا کیا کہ ان کو میری نافرمانیوں اور ناجائز کاموں میں خرچ نہ کیا اور اپنے اعمال و افعال کو میری مرضی کے مطابق بنانے کی کوشش کی تو میں ان نعمتوں کو اور زیادہ دوں گا۔ یہ زیادتی نعمتوں کی مقدار میں بھی ہو سکتی ہے اور ان کے ہمیشہ ہمیشہ رہنے پر بھی۔

(جس شخص کو شکر ادا کرنے کی توفیق ہوگئی وہ کبھی نعمتوں میں برکت اور زیادتی سے محروم نہ ہوگا) (حوالہ: معارف القرآن، صفحہ:۲۳۳، جلد ۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ جس آدمی میں یہ تین باتیں ہوں گی اللہ پاک اسے اپنی حفاظت میں رکھے گا۔ اپنی رحمت سے اس پر ستاری فرمائے گا اور اسے اپنی محبت سے نوازے گا۔ (1) نوازا جائے تو شکر کرے۔ (2) ۔ قدرت پالے (انتقام پر) تو معاف کر دے۔ (3)۔ غصہ آجائے تو اسے ختم کر دے (یعنی پی جائے) اس کے تقاضے پر عمل نہ کرے۔ (ترغیب، صفحہ:۴۴۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس کو چار چیزیں مل گئیں اس کو دنیا اور آخرت کی بھلائی نصیب ہوگئی۔

1۔شکر گزار دل 2۔ایسی بیوی جو نفس اور مال کی خیانت سے محفوظ رہے

3۔ذکر کرنے والی زبان 4۔مصیبت پر صبر کرنے والا بدن

(ابن ابی الدنیا،صفحہ:۲۲)

اس کے ساتھ ساتھ نبی پاک ﷺ نے اس بات کی بھی وضاحت کر دی کہ مصیبت پر صبر اور نعمتوں پر شکر دونوں ہی میں مومن کے لیے خیر اور بھلائی ہے اور یہ بھلائی سوائے مومن کے اور کسی کے لیے بھی نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُوْمِنِ اِنَّ اَمْرَهٗ كُلَّهٗ لَهٗ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُوْمِنِ اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ، وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ (رواه مسلم)

ترجمہ:۔حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد ہے:۔مومن بندے کا معاملہ بھی عجیب ہے اس کے ہر معاملے میں اس کے لیے خیر خواہی ہے۔اگر اس کو کوئی خوشی پہنچتی ہے تو اس پر شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے اور اگر اسے کوئی دکھ اور رنج پہنچتا ہے تو وہ (اس کو بھی حکیم و کریم رب کا فیصلہ اور اس کی مرضی یقین کرتے ہوئے) اس پر صبر کرتا ہے اور یہ صبر بھی اس کے لیے سراسر خیر اور موجب برکت ہوتا ہے۔(معارف الحدیث)

اس دنیا میں تکلیف و آرام تو سب ہی کے لیے ہے لیکن اس تکلیف و آرام سے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنا یہ صرف اہل ایمان ہی کا حصہ ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا ایمانی رابطہ قائم کر لیا ہے کہ وہ چین و آرام اور مسرت اور خوشی کی ہر گھڑی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور کوئی ناخوشگواری ان کو پیش آتی ہے تو وہ بندگی کی پوری شان کے ساتھ صبر کرتے ہیں۔(معارف الحدیث)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایمان کے دو حصے ہوتے ہیں آدھا ایمان صبر میں ہے اور آدھا شکر میں۔

فرمایا کہ مومن ہمیشہ کامل ایمان والا ہوتا ہے ایمان کے دونوں حصوں کا مجموعہ ہوتا ہے صرف آدھے ایمان پر بس نہیں کرتا بلکہ دوسرا آدھا بھی اس کے پاس ہوتا ہے۔(حوالہ:تفسیر مظہری صفحہ:۳۱۷،جلد:۹)

شکر کیسے پیدا ہوتا ہے؟

ہمارے پیارے نبی ﷺ نے کوئی پہلو بھی ایسا نہیں چھوڑا جس کی وضاحت نہ کر دی ہو۔ چنانچہ یہ بھی بتایا کہ اللہ کی نعمتوں کا شکر کس طرح حاصل ہوتا ہے اور فرمایا:

اِذَانَظَرَ اَحَدُكُمْ اِلٰى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِى الْمَالِ وَالْخَلْقِ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى مَنْ هُوَ اَسْفَلُ مِنْهُ ٥ (مشكوة)

جب آدمی کسی ایسے شخص کی طرف دیکھے جو مال یا صورت میں اپنے سے اعلیٰ ہو تو ایسے شخص

کی طرف بھی غور کر لے جو ان چیزوں میں اپنے سے کم ہو۔

عون بن عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں اکثر مالداروں کے پاس بیٹھا کرتا تھا تو میری طبیعت غمگین رہتی تھی کسی کا گھوڑا اپنے سے اعلیٰ دیکھتا یا کسی کا کپڑا اپنے سے بہتر دیکھتا تو اپنے کپڑے کے ادنیٰ ہونے پر اپنی ذلت محسوس کرتا جس سے رنج ہوتا تھا پھر میں نے فقراء کے پاس اپنی نشست شروع کر دی تو مجھے اس رنج سے راحت مل گئی کہ ان لوگوں سے اپنی چیزوں کو افضل دیکھتا ہوں (احیاء العلوم)

دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو جو دن رات اس پر برس رہی ہیں ان کو سوچے کہ خدا کا فضل ہے کہ اس نے کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں اور باقی تمام اعضاء صحیح سلامت رکھے ہیں۔ خدانخواستہ ان میں کوئی نقص نہیں ہے اور ہر ہر عضو اللہ پاک کی ایسی نعمت ہے کہ ان میں سے کسی ایک کے بدلہ میں بھی وہ ساری دنیا کے لیے لینے پر یقیناً راضی نہ ہوگا۔

ایک بزرگ کی خدمت میں کسی شخص نے حاضر ہو کر اپنے فقر کی شکایت کی اور بڑی سخت پریشانی کا اظہار کیا کہ اس کے غم میں مرنے کی تمنا ظاہر کی۔ ان بزرگ نے دریافت کیا: کیا تم اس پر راضی ہو کہ تمہاری آنکھیں ہمیشہ کے لیے لے لی جائیں اور تمہیں دس ہزار درہم مل جائیں؟ وہ اس پر راضی نہ ہوا پھر فرمایا کہ اچھا اس پر راضی ہو کہ تمہیں دس ہزار درہم دے کر تمہاری زبان لے لی جائے؟ وہ اس پر بھی راضی نہ ہوا پھر فرمایا کہ اس پر راضی ہو کہ تمہارے چاروں ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں اور تم کو بیس ہزار درہم دے دیئے جائیں؟ وہ اس پر بھی راضی نہ ہوا پھر فرمایا کہ اچھا اس پر راضی ہو کہ تمہیں مجنون بنا دیا جائے اور دس ہزار درہم دے دیئے جائیں؟ وہ اس پر بھی راضی نہ ہوا۔ وہ فرمانے لگے تمہیں شرم نہیں آتی کہ تمہارے اقرار کے موافق پچاس ہزار سے زیادہ مالیت کا سامان تو حق تعالیٰ شانہ نے تمہیں عطا فرما رکھا ہے۔ (اور یہ مثال کے طور پر چند چیزیں گنوائی ہیں) پھر بھی تم شکوہ کر رہے ہو۔ (حوالہ: فضائل صدقات، صفحہ: ۴۴۷، حصہ دوم)

پھر وہ نعمتیں سوچے جو اللہ پاک نے عام کر رکھی ہیں اور ہر شخص کو میسر ہیں مثلاً کھانا، ہوا، پانی، طرح طرح کے پھل اور دوسری بے شمار نعمتیں جن کو شمار کرنا بھی مشکل ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک روٹی پک کر اس وقت تک سامنے نہیں آتی جب تک اس میں تین سو ساٹھ کام کرنے والوں کا عمل نہیں ہوتا۔ سب سے اول حضرت میکائیل علیہ السلام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانہ سے ناپ کر چیزیں نکالتے ہیں۔ پھر وہ فرشتے جو ابر پر مامور ہیں بادلوں کو چلاتے ہیں پھر چاند، سورج، آسمان پھر وہ فرشتے جو ہواؤں پر مامور ہیں پھر چوپائے سب سے آخر میں روٹی پکانے والے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کئی جگہ اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا۔ چنانچہ قرآن کریم میں حق سبحانہ وتقدس کا ارشاد ہے:

هُوَالَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْ عَدَدَالسِّنِیْنَ وَالْحِسَابِ o

”ترجمہ۔وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو (بھی) نورانی بنایا اوراس (کی چال) کے لیے منزلیں مقرر کیں تا کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرلیا کرو۔“

دوسری جگہ ارشادفرمایا:

فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰی طَعَامِهٖٓ o اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا o ثُمَّ شَقَقْنَاالْاَرْضَ شَقًّا o فَاَنْبَتْنَا فِیْهَا حَبًّا o وَّعِنَبًا وَقَضْبًا o وَّزَیْتُوْنًا وَّنَخْلًا o وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا o وَفَاكِهَةً وَّاَبًّا o مَتَاعًالَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ o

”ترجمہ۔پس انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے کہ ہم نے عجیب طور پر پانی برسایا۔ پھر عجیب طور پر زمین کو پھاڑا۔ پھر ہم نے اس میں غلہ اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور چارہ پیدا کیا۔ (بعض چیزیں) تمہارے اور (بعض چیزیں) تمہارے مویشیوں کے فائدے کے لیے (اب تو یہ ناشکری اور کفر کرتے ہیں۔)“

اور دوسری جگہ ارشادفرمایا:

اَفَرَءَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ o ءَ اَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ o لَوْنَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ

”ترجمہ۔اچھا! پھر یہ بتلاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برسانے والے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اس کو کڑوا کر ڈالیں سو تم شکر کیوں نہیں کرتے؟“

شکر کیسے کریں؟

قرآن پاک میں اللہ پاک کا ارشاد ہے:

﴿اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا﴾

”ترجمہ۔اے داؤد علیہ السلام کے خاندان والو! تم شکریہ میں نیک کام کیا کرو۔“

حضرت عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور اکرم ﷺ منبر پر تشریف لائے اور یہ آیت تلاوت فرمائی اور پھر ارشاد فرمایا: تین کام ایسے ہیں کہ جو شخص ان کو پورا کرلے تو جو فضیلت آل داؤد علیہ السلام کو عطا کی گئی تھی وہ اس کو بھی مل جائے گی۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا وہ تین کام کیا ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

1۔ رضا اور غضب دونوں میں انصاف پر قائم رہنا۔

2۔ غناء اور فقر دونوں حالتوں میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنا۔

3۔ خفیہ اور علانیہ حالتوں میں اللہ سے ڈرنا۔ (معارف القرآن، صفحہ۲۷۳، جلد: ۷)

پھر ظاہری شکر کے دو درجے ہیں پہلا یہ کہ زبان سے شکر یعنی ہر ہر نعمت پر بار بار الحمد اللہ کہنا اور اللہ کی تعریف و تسبیح اس قدر بیان کرنا کہ اس کی شیرینی سے زبان میٹھی ہو جائے۔ دوسرا یہ کہ اپنے اعضاء و جوارح کو اللہ کی مرضیات میں لگانا اور ایسی جگہوں میں صرف کرنا جس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس پر نعمتیں بہت زیادہ ہوں اور موجودہ نعمتیں بھی ہمیشہ رہیں تو اس کو چاہیے کہ بہت زیادہ شکر ادا کرے۔ اسی طرح جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی پریشانیاں ختم ہوں اور مصیبتوں کے دروازے بند ہو جائیں اسے بھی چاہیے کہ خوب شکر ادا کرے۔

نوح علیہ السلام کو قرآن پاک میں عَبْداً شَکُوراً (شکر گزار بندہ) کا خطاب دیا گیا ہے۔ تفسیر مظہری میں ہے کہ نوح علیہ الصلوۃ والسلام کو شکر گزار بندہ اس لیے کہا گیا کہ وہ جو بھی کام کرتے چھوٹا ہو یا بڑا، تو بسم اللہ اور الحمد اللہ کہا کرتے تھے۔ کچھ کھاتے یا پیتے یا کپڑا پہنتے تو اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کر کے اللہ کا شکر ادا کرتے۔ اسی لیے اللہ نے ان کو "شکور" کے لقب سے نوازا۔ (تفسیر مظہری، جلد: ۵، صفحہ: ۴۴) (۲۹)

عملی شکر:

قرطبی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "شکر کی حقیقت یہ ہے کہ اس کا اعتراف کرے کہ یہ نعمت فلاں منعم نے دی ہے اور پھر اس کو اس کی اطاعت اور مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ اور کسی کی دی ہوئی نعمت کو اس کی مرضی کے خلاف استعمال کرنا ناشکری ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شکر جس طرح زبان سے ادا ہوتا ہے اس طرح عمل سے بھی شکر ادا ہوتا ہے، اور عملی شکر اس نعمت کا اس کے دینے والے کی اطاعت و مرضی کے مطابق استعمال ہے"۔ (معارف القرآن، صفحہ: ۲۷۳، جلد: ۷)

ابو عبدالرحمٰن اسلمی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نماز شکر ہے، روزہ شکر ہے اور ہر نیک کام شکر ہے۔

محمد بن قرظی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شکر، تقوی اور عمل صالح کا نام ہے۔ (ابن کثیر)

آل داؤد علیہ السلام دونوں طرح کا شکر ادا کرتے تھے، قولاً بھی اور عملاً بھی۔ ثابت بنانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے اہل و عیال اور عورتوں پر اس طرح اوقات کی پابندی کے ساتھ نفل نماز تقسیم کی تھی کہ ہر وقت کوئی نہ کوئی نماز میں مشغول نظر آتا تھا۔ (ابن کثیر، صفحہ: 290، جلد 40)

تو جس طرح زبان سے ہر ہر نعمت کا شکر ادا کرنا ضروری ہے اس طرح بدن (اعضاء و جوارح) سے بھی شکر ادا کرنا ضروری ہے۔ اعضاء و جوارح کا شکر یہ ہے کہ پانچ وقت کی نماز اہتمام سے پڑھنا۔ مرد جماعت سے مسجد میں پڑھیں اور عورتیں وقت داخل ہوتے ہی گھر میں پڑھیں۔ اسی طرح عورتوں کے لیے ایک بڑا شکر یہ ہے کہ اپنے جسم کی اس طرح حفاظت کریں کہ جسم کا کوئی ایک بال بھی نامحرم مرد نہ دیکھ سکے۔ اللہ تعالیٰ

ہمیں شکر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ (مجموعہ وظائف، صفحہ: 294)

شکر کی توفیق کیسے مانگیں؟

شکر کی دولت اتنی عظیم دولت ہے کہ خود اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اپنے بندوں کو دعا سکھلائی ہے کہ مجھ سے اس طرح دعا کرو کہ اے اللہ! آپ مجھے توفیق دیجئے کہ شکر نعمت ہر وقت، ہر آن میرے ساتھ رہے کسی وقت بھی مجھ سے جدا نہ ہو، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِکَ فِیْ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ o﴾

”ترجمہ۔ اے میرے رب مجھ کو اس پر مداومت (ہیشگی) دیجئے کہ میں آپ کی ان نعمتوں کا شکر کیا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں۔ اور (اس پر بھی مداومت دیجیے کہ) میں ایسے نیک کام کروں جس سے آپ خوش ہوں اور شامل کر لیجیے مجھ کو اپنی رحمت خاصہ سے اپنے نیک بندوں میں۔“ (سورہ نمل: 19)

اس دعا پر غور کیا جائے کہ کتنی اہم دعا ہے۔ اور اس دعا کو حضرت سلیمان علیہ السلام مانگ رہے ہیں یعنی اللہ کے برگزیدہ بندے اور نبی خود اس بات کی دعا مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ! مجھے شکر ادا کرنے کی توفیق فرمایئے تو اندازہ لگایئے کہ ہم سب کو شکر کی توفیق مانگنے کے لیے کتنی دعائیں مانگنی ہوں گی!

چنانچہ ہمیں یہ دعا مانگنی چاہیے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ شَکُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ صَبُوْرًا.

ترجمہ:۔ اے اللہ! مجھے اعلیٰ درجے کا شکر کرنے والا اور صبر کرنے والا بنا دے۔ (جامع صغیر سیوطی، صفحہ: 56 بریدہ)

آپ ﷺ شکر کے لیے یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ شُکْرَ نِعْمَتِکَ وَحُسْنَ عِبَادَتِکَ.

ترجمہ:۔ اے اللہ! میں آپ کی نعمت پر شکر گزاری مانگتا ہوں اور آپ کی عبادت کو حسن و خوبی کے ساتھ ادا کرنے کا طالب ہوں۔

نعمتوں پر شکر کے لیے دعا

نعمتوں پر شکر کے لیے یہ دعا پڑھیے:

اَللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کُلُّهٗ وَ لَکَ الشُّکْرُ کُلُّهٗ وَ لَکَ الْمُلْکُ کُلُّهٗ وَ لَکَ الْخَلْقُ کُلُّهٗ

بِيَدِكَ الْخَيْرُ كُلُّهُ وَإِلَيْكَ يُرْجَعُ الامْرُ كُلُّهُ اَسْأَلُكَ الْخَيْرَ كُلَّهُ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الشَّرِّ كلهٖO

ترجمہ:۔ اے اللہ! سب تعریفیں تیری ہی ہیں اور سارا شکر بھی تیرے لیے ہے اور سب ملک تیرا ہے اور تمام مخلوق تیری ہے۔ سب بھلائی تیرے ہی قبضہ میں ہے اور ہر معاملہ آخر کار تیرے ہی سامنے آتا ہے۔ لہٰذا میں ہر بھلائی تجھ سے مانگتا ہوں اور ہر شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد ہے: جو شخص صبح کو یہ پڑھ لے تو اس نے اس دن کے انعامات خداوندی کا شکر ادا کر دیا۔ اور اگر شام کو کہہ لے تو اس رات کے انعامات خداوندی کا شکر ادا کر دیا۔ (ابوداؤد، نسائی وغیرہ)

وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ بِىْ مِنْ نِعْمَةٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ فَلَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ.

اے اللہ! اس صبح کے وقت جو بھی کوئی نعمت مجھ پر، یا کسی بھی دوسری مخلوق پر ہے، وہ صرف تیری ہی طرف سے ہے۔ تو تنہا ہے تیرا کوئی شریک نہیں تیرے ہی لیے حمد، اور تیرے ہی لیے شکر ہے۔

فائدہ: اگر شام کو پڑھے تو مَا اَصْبَحَ بِىْ کی جگہ مَا اَمْسٰى بِىْ پڑھے۔

سادگی

ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ کے سامنے دنیا کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: غور سے سنو! دھیان دو! یقیناً سادگی ایمان کا حصہ ہے۔ یقیناً سادگی ایمان کا حصہ ہے۔ (ابوداؤد)

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک سادگی پسند بندے کو محبوب رکھتے ہیں جسے یہ پرواہ بھی نہیں کہ اس نے کیا پہنا ہے۔ (کنز العمال)

اللہ تعالیٰ کو سادگی اور سادہ بندے بہت پسند ہیں۔ حضرت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اکابرین امت بھی ایسے ہی گزرے ہیں۔ سادگی کا مطلب یہ ہے کہ آدمی خوش عیش اور خوش پوشاک نہ ہو کہ نہ تو عمدہ سے عمدہ کپڑے کا اہتمام ہو، نہ عمدہ سے عمدہ قیمتی کھانوں کی چاہت ہو، نہ خوشنما بہترین مکان کی خواہش ہو، نہ اعلیٰ سے اعلیٰ سواری میں سفر کرنے کی تمنا، بلکہ ہر معاملے میں ادنیٰ یا متوسط درجے کی چیز کو بھی دل کی خوشی اور رضا کے ساتھ قبول کرلے اگرچہ اعلیٰ درجے کو اختیار کرنے پر قدرت بھی حاصل ہو، اور ایسی زندگی اختیار کرنے سے اس کی غرض اللہ رب العزت کو راضی کرنا ہو اور آخرت کی لازوال اور ابدی (ہمیشہ رہنے والی) نعمتوں کا حصول ہو۔ اسی طرح کے شخص کے بارے میں حدیث شریف میں وارد ہے:

جس شخص نے قدرت کے باوجود محض اللہ تعالیٰ کی خاطر تواضع اختیار کرتے ہوئے عمدہ لباس ترک کر دیا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کے سامنے اس کو بلا کر اختیار دیں گے کہ ایمان کے جوڑوں میں سے جس جوڑے کو چاہے پہن لے۔ (ترمذی)

اسی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان آسائشوں اور عیش وعشرت کے ترک کی وجہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہونی چاہیے۔ چنانچہ جو شخص صرف اس لیے سادگی اختیار کرے کہ لوگوں میں زاہد و عابد مشہور ہو، وہ اس بشارت میں داخل نہیں۔ اسی طرح وہ شخص بھی داخل نہیں جو ان دنیاوی نعمتوں سے اس لیے فائدہ نہیں اٹھا رہا کہ اس کے پاس اتنی قدرت نہیں اور اس کی یہ تمنا اور حسرت ہے کہ کاش! میں اس راحت وآرام کو حاصل کر پاؤں۔ بلکہ حدیث شریف میں وہ شخص مراد ہے جو قدرت ہوتے ہوئے محض اپنے رب کی رضا کی خاطر اپنے طرز زندگی میں سادگی کو اختیار کرتا ہے اور اس ساز وسامان کو جو بظاہر دنیا کی عزت وشہرت کا سبب ہے ترک کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو تمام مخلوق کے سامنے بہترین جوڑا پہنائیں گے جس سے

اس کی عزت و جاہ سب لوگوں پر عیاں ہو جائے گی۔(دنیا کی حقیقت از مولانا یوسف لدھیانوی صاحب رحمتہ اللہ علیہ)

یہاں ایک بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ بعض اوقات سادگی سے یہ مراد لیا جاتا ہے کہ آدمی اپنے لباس اور ماحول کی صفائی سے لاپرواہی اختیار کرلے اور جسمانی صفائی اور طہارت پر توجہ نہ دے۔ حالانکہ یہ بات صریح غلط فہمی ہے اور ان اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے جو کہ پاکیزگی اور صفائی کو بہت زیادہ اہمیت دیتی ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور کپڑے میلے ہو رہے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا اس کے پاس کنگھی کرنے کو کچھ نہ تھا؟ کیا اسے کپڑے دھونے کے لیے کوئی چیز نہ ملی۔(ابوداؤد)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے نہ صرف جسم کی بلکہ کپڑوں کی صفائی پر بھی کتنا زور دیا ہے۔ اسی طرح روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ جمعے کے اجتماع میں شرکت کے لیے غسل کر کے اور حتی الامکان صاف ستھرے کپڑے پہن کر اور خوشبو لگا کر حاضر ہوں۔ حالانکہ پاکی اور طہارت تو اس طرح بھی حاصل ہو سکتی تھی کہ لوگ وضو کر کے آجائیں اور ان کے کپڑے ظاہری نجاست سے پاک ہوں، لیکن آپ ﷺ نے اس پر اکتفا کرنے کے بجائے صفائی اور نظافت کی اہمیت کی وجہ سے مذکورہ احکام جاری فرمائے۔ اس چھوٹی سی مثال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صفائی ستھرائی بھی اسلام میں کس قدر مطلوب ہے۔ چنانچہ یہ ضروری ہے کہ طہارت اور صفائی کی رعایت اور اہتمام کرتے ہوئے حتی الامکان زندگی کو سادہ بنانے کی کوشش کی جائے۔

نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا طرز زندگی:

حضور اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس طرح کی سادہ اور دنیاوی عیش و عشرت سے ہٹ کر زندگی گزاری ہے، آج کے دور میں اس کی مثال ملنا تقریباً ناممکن ہے۔ نمونہ کے طور پر کچھ حالات بیان کیے جاتے ہیں۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے کبھی چپاتی تناول فرمائی تھی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ ﷺ نے تو کبھی چپاتی دیکھی بھی نہیں تھی یہاں تک کہ اللہ سے جا ملے۔ ان سے عرض کیا گیا کہ کیا حضور ﷺ کے زمانے میں آپ لوگوں کے گھروں میں چھلنیاں تھیں؟ فرمایا: ہمارے ہاں چھلنیوں کا دستور نہیں تھا۔ عرض کیا گیا کہ پھر آپ حضرات جو (کے آٹے) کا کیا کرتے تھے؟ (یعنی کیسے پکا کر کھاتے تھے) فرمایا: اس میں پھونک مار لیا کرتے تھے اس میں سے جو (بھوسہ وغیرہ) اڑتا اڑ جاتا پھر اسے پانی میں تر کر کے گوندھ لیا کرتے تھے۔(ترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک چٹائی پر سوئے، جب اٹھے تو پہلوئے مبارک پر چٹائی کے نشانات تھے۔ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کاش ہم آپ کے لیے کوئی نرم بستر تیار کر لیتے (جس سے بدن مبارک کو راحت پہنچتی) تو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے دنیا سے کیا واسطہ؟ میری مثال تو دنیا میں ایسی ہے جیسے کوئی مسافر چلتے چلتے ذرا سی دیر کے لیے کسی درخت کے سائے میں ٹھہر گیا، پھر تھوڑی دیر بعد چل پڑا اور اس سائے کو چھوڑ دیا۔ (ترمذی)

اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ آپ ﷺ کا زہد وفقر کسی مجبوری کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اختیاری تھا۔ اگر آپ ﷺ یہاں کی راحت و آسائش کی خواہش کرتے تو حق تعالیٰ شانہ آپ کو ضرور مرحمت فرماتے۔ لیکن آپ ﷺ کی نظر میں دنیا کی اتنی وقعت ہی نہ تھی کہ اس کو اختیار فرماتے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دنیاوی زندگی کے آرام و تنعُّم پر زہد قناعت اور سادگی کو ترجیح دی۔

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا کہ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہارے نیچے قالین بچھے ہونگے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضور ﷺ کی اس بات سے بڑا تعجب ہوا کہ قالین تو بہت دور کی بات ہے ہمیں تو بیٹھنے کے لیے کھجور کی چٹائی بھی میسر نہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ سے سوال کیا: یا رسول اللہ! قالین ہمارے پاس کہاں سے آئیں گے؟ حضور ﷺ نے جواب میں فرمایا: اگرچہ آج تو تمہارے پاس قالین نہیں ہیں لیکن وہ وقت آنے والا ہے جب تمہارے پاس قالین ہونگے۔ اسی لیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تم پر فقر کا اندیشہ نہیں۔ لیکن مجھے اس وقت کا ڈر ہے جب تمہارے نیچے قالین بچھے ہونگے اور تم دنیاوی عیش و آرام میں ہوگے۔ اس وقت تم کہیں اللہ تعالیٰ کو فراموش نہ کردو۔

اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی راحت و آرام اور اس کی عادت اللہ تعالیٰ کی یاد اور آخرت سے غافل کر دینے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ ملک ''شام'' کے گورنر مقرر تھے۔ ایک مرتبہ عمر رضی اللہ عنہ معائنے کے لیے شام تشریف لے گئے۔ اس دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابوعبیدہ! میرا دل چاہتا ہے کہ میں تمہارا گھر دیکھوں۔ چنانچہ دونوں چلے۔ جب شہر کی آبادی ختم ہوگئی اور پورا دمشق شہر جو دنیا کے مال و اسباب سے چمک رہا تھا گزر گیا تو ایک کھجور کے پتوں سے بنے ہوئے جھونپڑے میں ابوعبیدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو لے گئے۔ اندر جا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حیران رہ گئے کہ صرف ایک مصلے کے سوا کچھ دکھائی نہ دیا۔ چنانچہ دریافت فرمایا کہ گزر بسر کیسے ہوتا ہے؟ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ الحمدللہ! اس مصلے پر نماز بھی پڑھ لیتا ہوں اور رات کو سو جاتا ہوں پھر اوپر چھپر سے ایک پیالہ نکالا جس میں سوکھی روٹی کے ٹکڑے بھیگے ہوئے تھے اور فرمایا: اے امیرالمومنین! میں دن رات حکومت کے کاموں میں مشغول رہتا ہوں، کھانے پینے کے انتظام کی فرصت نہیں

ہوتی۔ ایک خاتون میرے لیے دو تین دن کی روٹی ایک ساتھ پکا دیتی ہیں، جسے میں رکھ لیتا ہوں، جب سوکھ جائے تو پانی سے نکال کر کھالیتا ہوں۔ (اصلاحی خطبات)

یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے زندگی گزارنے کا جو معیار قائم کیا ہے بلاشبہ وہی اصل کمال ہے، مگر اس معیار پر پورا اترنا ہر شخص کا کام نہیں اور نہ ہر شخص کو اس کی اجازت ہے۔ البتہ یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ اصل قابل رشک زندگی تو وہی ہے جو حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گزار گئے اور یہ ہماری کمی اور عیب ہے کہ ہم اس مقام کے حاصل کرنے سے عاجز ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ان اسباب راحت کو کمال اور لائق فخر نہ سمجھا جائے اور آہستہ آہستہ ان میں کمی لانے اور اپنی زندگی کو تصنع اور بناوٹ سے پاک کرنے کی کوشش کی جائے اور یہ کوشش ہر معاملے میں مطلوب ہے۔ کھانے پینے کا طریقہ، رہن سہن، رسم و رواج، غرض زندگی کے ہر شعبے میں سادگی کو رواج دینے کی ضرورت ہے۔ کھانے پینے کے معاملے میں یہ اہتمام ہو اور اس بات کی کوشش ہو کہ اسراف سے پرہیز کیا جائے اور جو طریقہ سنت سے منقول ہے اور جو شرعی آداب ہیں انہیں ملحوظ رکھا جائے۔ اسی طرح رہن سہن میں بھی یہی کوشش ہو کہ لباس، گھر کی زیبائش اور تقریبات وغیرہ میں حتی الامکان اسراف سے پرہیز کیا جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات زندگی کا مطالعہ کیا جائے اور ان سے زیادہ سے زیادہ قریب ہونے کی کوشش کی جائے کہ ان کی زندگی سادگی کا بہترین نمونہ تھی۔ جیسا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (جو کہ ان دس خوش نصیب صحابہ میں سے ہیں جن کو نبی کریم ﷺ نے جنت کی بشارت دی تھی، ان) کے بارے میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے انہیں دیکھا تو ان کے کپڑوں پر ایک پیلا سا نشان نظر آیا۔ آپ ﷺ کے پوچھنے پر عرض کیا کہ میں نے ایک خاتون سے نکاح کیا ہے (مطلب یہ تھا کہ موقع پر کپڑوں پر خوشبو لگائی تھی اس کا یہ نشان باقی رہ گیا) آنحضرت ﷺ نے انہیں برکت کی دعا دی اور فرمایا کہ ولیمہ کرنا۔ چاہے ایک بکری کا ہی ہو۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں نکاح شادی وغیرہ کی تقریبات کس قدر سادگی سے منعقد ہوتی تھیں کہ حضور ﷺ تک کو دعوت دینے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

اسی طرح روزمرہ کے استعمال کی چیزوں اور ضروریات وغیرہ میں بھی سادگی کو مدنظر رکھا جائے اور ماحول کو سادہ بنانے کی کوشش کی جائے۔ اسی میں دنیا میں بھی آسانی اور کامیابی ہے اور آخرت میں بھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ دراصل اتباع سنت ہے جس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> اور جس نے اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔ (سورہ احزاب)

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے ارشاد فرمایا:

آپ کہہ دیجیے: اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو تم میری فرمانبرداری کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریں گے اور تمہارے سب گناہ بخش دینگے۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والے مہربان ہیں۔ (آل عمران)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے کبھی میز پر کھانا تناول نہیں فرمایا، نہ چھوٹی طشتریوں میں نوش فرمایا، نہ آپ ﷺ کے لیے کبھی چپاتی پکائی گئی۔ راوی سے پوچھا گیا کہ پھر کھانا کس چیز پر رکھ کر نوش فرماتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہی چمڑے کے دسترخوان پر۔

تکبر

تکبر کی تعریف:

اس کے معنی ہیں کمال کی صفات میں اپنے آپ کو اوروں سے بڑھ کر جاننا اور ساتھ ہی دوسروں کو حقیر و ذلیل بھی سمجھنا۔ چنانچہ حدیث پاک میں کبر کی تعریف یوں ارشاد فرمائی گئی ہے:

"اَلْکِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ"

ترجمہ:۔"یعنی کبر حق کا انکار اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے"

تکبر کی مذمت:

اللہ پاک نے قرآن میں کئی جگہ کبر کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ(الاعراف:146)

ترجمہ:۔میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا(مخالف ہی رکھوں گا) جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں جس کا ان کو کوئی حق حاصل نہیں۔

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی قَلْبِ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍo (مومن)

ترجمہ:۔اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر مغرور و جابر کے دل پر مہر کر دیتے ہیں۔

اور ارشاد ہے:

وَاللّٰہُ لَایُحِبُّ الْمُتَکَبِّرِیْنَo

ترجمہ:۔یقینی بات ہے کہ اللہ پاک تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

اور ارشاد ہے:

وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ط اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَھَنَّمَ دَاخِرِیْنَo

ترجمہ:۔ اور تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول

کرلوں گا۔ جو لوگ میری عبادت سے (جس میں دعا بھی داخل ہے) سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں داخل ہونگے۔

غرور اور تکبر اسی قدر مبغوض ہے۔ قرآن مجید میں جا بجا تکبر اور متکبرین کی مبغوضیت کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

لَاجَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَايُسِرُّوْنَ وَمَايُعْلِنُوْنَ ط اِنَّهٗ لَايُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ o

ترجمہ:۔ضروری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔ یقینی بات ہے کہ وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اور ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا o

ترجمہ:۔یقیناً اللہ پاک ایسے آدمی کو پسند نہیں کرتا جو متکبر و مغرور اور اپنی بڑائی ظاہر کرنے والا ہو۔

فرمایا گیا ہے کہ جنت ان ہی بندوں کا گھر بنے گی جو دنیا میں بلند و بالا ہونے کے خواہش مند نہ ہوں اور ان کا مزاج تکبر پسند نہ ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَايُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا o

ترجمہ:۔ رہنے کا وہ آخری گھر (یعنی جنت) ہم اس کو ان بندوں کے لیے کر دیں گے جو دنیا میں اونچا بننا اور فساد کرنا نہیں چاہتے۔

تکبر کفر سے بھی اشد ہے اس لیے کہ کفر بھی دراصل کبر ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح تکبر قبول حق میں بھی سب سے بڑا مانع ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ o

ترجمہ:۔متکبرین نے مومنین سے کہا کہ تم جس بات پر ایمان لاتے ہو ہم تو قطعاً اس کے منکر ہیں۔

ابلیس کو اسی تکبر نے کافر اور شیطان بنایا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ o

ترجمہ:۔اس نے نہ مانا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا۔

احادیث:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے تو جو کوئی شخص ان دونوں چیزوں میں سے کسی میں مجھ سے جھگڑا کرے گا تو اس کو جہنم میں ڈال دوں گا اور ذرا پرواہ نہیں کروں گا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔

کبریائی اور بڑائی دراصل صرف اس ذات پاک کا حق ہے جس کے ہاتھ میں سب کی موت وحیات اور عزت اور ذلت ہے۔ جس کے لیے کبھی فنا نہیں اور اس کے علاوہ سب کے لیے فنا ہے۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے:

وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○

ترجمہ:۔ اور اسی کی بڑائی ہے تمام آسمانوں میں اور زمین میں۔ اور وہی ہے زبردست حکمت والا۔

عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ الْجَنَّةِ؟ كُلُّ ضَعِيْفٍ مُتَضَعَّفٍ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ، اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ النَّارِ؟ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تم کو بتاؤں کہ جنتی کون ہے؟ ہر وہ شخص جو (معاملہ اور برتاؤں میں اکھڑ اور سخت نہ ہو، بلکہ) عاجزوں کمزوروں کا سا اس کا رویہ ہو (اور اس لیے) لوگ اس کو کمزور سمجھتے ہوں (اور اللہ کے ساتھ اس کا تعلق ایسا ہو کہ) اگر وہ اللہ پر قسم کھالے تو اللہ اس کی قسم پوری کر دکھائے۔ اور کیا میں تم کو بتاؤں کہ دوزخی کون ہے؟ ہر اکھڑ مزاج، بدخو اور مغرور شخص۔

وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيْرٌ وَفِيْ نَفْسِهٖ كَبِيْرٌ حَتّٰى لَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِمْ مِنْ كَلْبٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ. (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

ترجمہ:۔ اور جو کوئی تکبر اور بڑائی کا رویہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو نیچے گرا دے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ عام لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل و حقیر ہو جائے گا اگرچہ خود اپنے خیال میں بڑا ہوگا۔ لیکن دوسروں کی نظر میں وہ کتوں اور خنزیروں سے بھی زیادہ ذلیل اور بے وقعت ہو

جائے گا۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

قَالَ: يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُوْنَ اَمْثَالَ الذُّرِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيْ صُوَرِ الرِّجَالِ يَغْشَاهُمُ الذُّلُّ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ يُسَاقُوْنَ اِلٰى سِجْنٍ فِيْ جَهَنَّمَ يُسَمّٰى بُوْلُسُ تَعْلُوْهُمْ نَارُ الْاَنْيَارِ يُسْقَوْنَ مِنْ عُصَارَةِ اَهْلِ النَّارِ طِيْنَةِ الْخَبَالِ. (رواہ الترمذی)

فرمایا: قیامت کے دن تکبر کرنے والوں کو چھوٹی چونٹیوں کی طرح مردوں کی صورت میں ایک جگہ جمع کیا جائے گا (یعنی ان کی شکل وصورت تو مردوں کی سی ہوگی لیکن جسم و جثہ چونٹیوں کی مانند ہوگا) اور ہر طرف سے ذلت وخواری ان کو پوری طرح گھیر لے گی۔ پھر ان کو جہنم کے ایک قید خانے کی طرف جس کا نام بولس ہے ہانکا جائے گا۔ وہاں آگوں کی آگ ان پر چھا جائے گی جیسے کسی ڈوبنے والے کے اوپر تک پانی چھا جاتا ہے اور دوزخیوں کا نچوڑ یعنی دوزخیوں کے بدن سے بہنے والا خون، پیپ اور کچ لہو ان کو پلایا جائے گا جس کا نام طینت الخبال ہے۔

تکبر کے نقصانات:

دنیا کے سارے فساد، بڑائی اور بالاتری کی خواہش ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے تکبر ہی سارے فساد کی جڑ اور بنیاد ہے۔ تکبر کی ایک بڑی نحوست یہ بھی ہے کہ وہ حق و ہدایت کے قبول کرنے سے مانع ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں کتنے ہی پیغمبروں کے تذکرہ میں بتایا گیا ہے کہ ان کی قوموں کے متکبرین نے صرف غرور وتکبر ہی کی وجہ سے ان پر ایمان لانے اور ان کا اتباع کرنے سے انکار کیا۔

سورہ نحل میں فرعون اور اس کی قوم کے بارے میں تو صراحت سے یہاں تک فرمایا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی جو نشانیاں لے کر آئے، انہیں دیکھ کر ان کے دلوں کو اگرچہ اس کا پورا یقین ہو گیا تھا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور ان کے لانے والے موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں، لیکن اپنی متکبرانہ ذہنیت کی وجہ سے انہوں نے زبان سے پھر بھی انکار کیا اور کفر ہی پر قائم رہے اور انجام کار عذاب الہی کا شکار ہوئے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝

ترجمہ:۔ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں کا انکار کیا، حالانکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا تھا (اس دلی یقین کے بعد بھی انہوں نے انکار) صرف ظلم اور غرور اور تکبر کی بنا پر کیا۔ پھر دیکھو کیسا انجام ہوا ان مفسدین کا۔

اور سورہ الصّافّات میں جہنمیوں کے ایک طبقہ کا حال بیان کرتے ہوئے ان کی بدبختی کا خاص سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ تکبر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

اِنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ o وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ o

ترجمہ:۔ وہ لوگ ایسے تھے کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں تو تکبر کیا کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک شاعر دیوانے کی وجہ سے چھوڑ دیں گے۔

اور شیطان کی مردودیت کا بنیادی سبب بھی قرآن مجید نے اس تکبر وغرور ہی کو بتایا ہے۔ قرآن پاک کا بیان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کو آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا تو اس نے اس حکم کی تعمیل نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ: مَامَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے روکا جبکہ میں نے تجھے حکم دیا تھا؟ اس نے کہا: اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ" میں اس سے بہتر ہوں (اور وہ مجھ سے گھٹیا ہے، پھر میں اس کو کیوں سجدہ کروں)۔ بہرحال شیطان کو اس کے غرور اور تکبر ہی نے اس سرکشی اور بغاوت پر آمادہ کیا۔ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ o اس نے حکم ماننے سے انکار کیا اور تکبر کا رویہ اختیار کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

ایک سبق آموز واقعہ:

ایک دفعہ سید کبیر احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ بازار تشریف لے جا رہے تھے۔ سڑک پر ایک خارشی کتا دیکھا۔ خارش اور بیماری کی وجہ سے اس سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ جب کتے کو اس حالت میں دیکھا تو ان کو اس پر ترس اور رحم آیا اور اس کتے کو اٹھا کر گھر لائے، پھر ڈاکٹر کو بلا کر اس سے علاج کروایا اور اس کی دوا کی، اور روزانہ اس کی مرحم پٹی کرتے رہے، کئی مہینوں تک اس کا علاج کرتے رہے، یہاں تک کہ جب اللہ پاک نے اس کو تندرست کر دیا تو آپ نے اپنے کسی ساتھی سے کہا کہ اگر کوئی شخص روزانہ اس کو کھلانے پلانے کا ذمہ لے تو اس کو لے جائے ورنہ میں اس کو رکھتا ہوں اور اس کو کھلاؤں گا، اس طرح آپ نے اس کتے کی پرورش کی۔

اس واقعہ کے بعد ایک روز سید کبیر احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے، بارش کا موسم تھا، کھیتوں کے درمیان جو پگڈنڈی ہوتی تھی، اس پر سے گزر رہے تھے، دونوں طرف پانی کھڑا تھا بہت کیچڑ تھا۔ چلتے چلتے سامنے سے اس پگڈنڈی پر ایک کتا آ گیا، اب یہ بھی رک گئے اور کتا بھی ان کو دیکھ کر رک گیا، وہ پگڈنڈی اتنی چھوٹی تھی کہ ایک وقت میں ایک ہی آدمی گزر سکتا تھا، دو آدمی نہیں گزر سکتے تھے، اب یا تو کتا نیچے کیچڑ میں اتر جائے اور یہ گزر جائیں یا پھر یہ کیچڑ میں اتر جائیں اور کتا اوپر سے گزر جائے۔ دل میں کشمکش پیدا ہوئی کہ کیا کیا جائے؟ کون نیچے اترے، میں اتروں یا کتا اترے؟ اس وقت سید کبیر احمد رفاعی رحمۃ اللہ

علیہ کا اس کتے کے ساتھ مکالمہ ہوا۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ مکالمہ کس طرح ہوا؟ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کرامت کے طور پر اس کتے کو کچھ دیر کے لیے زبان دے دی ہو اور واقعی مکالمہ ہوا ہو اور ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اپنے دل میں یہ مکالمہ کیا ہو، بہر حال اس مکالمے میں حضرت سید احمد کبیر رحمتہ اللہ علیہ نے کتے سے کہا کہ تم نیچے اتر جاؤ تا کہ میں اوپر سے گزر جاؤں۔ کتے نے جواب میں کہا: میں نیچے کیوں اتروں، تم بڑے درویش اور اللہ کے ولی بنے پھرتے ہو، اللہ کے ولیوں کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ وہ ایثار کا پیکر ہوتے ہیں۔ دوسروں کے لیے قربانی دیتے ہیں، تم کیسے اللہ کے ولی ہو کہ مجھے اترنے کا حکم دے رہے ہو، خود کیوں نہیں اتر جاتے؟

حضرت شیخ نے جواب میں فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ میرے اور تیرے اندر فرق ہے، وہ یہ ہے کہ میں مکلّف ہوں، تو غیر مکلّف ہے، مجھے نماز پڑھنی ہے، تجھے نماز نہیں پڑھنی ہے، اگر نیچے اترنے کی وجہ سے تیرا جسم گندہ اور ناپاک ہو گیا تو تجھے غسل اور طہارت کی ضرورت نہیں ہوگی، اگر میں اتر گیا تو میرے کپڑے ناپاک ہو جائیں گے اور میری نماز میں خلل وقع ہوگا اس لیے میں تجھے کہہ رہا ہوں کہ تو نیچے اتر جا۔

کتے نے جواب میں کہا: واہ! آپ نے بھی عجیب بات کہی کہ کپڑے گندے ہو جائیں گے۔ ارے اگر آپ کے کپڑے گندے ہو جائیں تو ان کا علاج یہ ہے کہ ان کو اتار کر دھولیا جائے، وہ پاک ہو جائیں گے، لیکن اگر میں نیچے اتر گیا تو تمہارا دل گندا ہو جائے گا اور تمہارے دل میں یہ خیال آجائے گا کہ میں اس کتے سے افضل ہوں، میں انسان ہوں اور یہ کتا ہے اور اس خیال کی وجہ سے تمہارا دل گندا ہو جائے گا اس کی پاکی کا کوئی راستہ نہیں۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ دل کی گندگی کے بجائے کپڑوں کی گندگی گوارہ کرلو اور نیچے اتر جاؤ۔

بس کتے کا یہ جواب سن کر حضرت شیخ نے ہتھیار ڈال دیئے اور کہا کہ تم نے صحیح کہا کہ کپڑوں کو دوبارہ دھو سکتا ہوں لیکن دل نہیں دھو سکتا۔ یہ کہہ کر آپ کیچڑ میں اتر گئے اور کتے کو راستہ دے دیا۔ جب یہ مکالمہ ہو گیا تو اللہ پاک کی طرف سے حضرت شیخ کو الہام ہوا، جس میں اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ اے کبیر احمد! آج ہم نے تم کو ایک ایسے علم کی دولت سے نوازا کہ سارے علوم ایک طرف اور یہ علم ایک طرف۔ اور یہ درحقیقت تمہارے اس عمل کا انعام ہے کہ تم نے چند روز پہلے ایک کتے پر ترس کھا کر اس کا علاج اور دیکھ بھال کی تھی۔ اس عمل کی بدولت ہم نے تمہیں ایک کتے کے ذریعے ایسا علم عطا کیا جس پر سارے علوم قربان ہیں، وہ علم یہ ہے کہ اپنے آپ کو کتے سے بھی افضل نہ سمجھنا چاہیے اور کتے کو اپنے مقابلے میں حقیر نہ سمجھنا چاہیے۔

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ○

اے انسان تجھے کس چیز نے تیرے رب کریم سے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے؟

کس بات پر اتراتے ہو؟ صحت، قوت، طاقت، مال اور علم پر؟ کوئی چیز ایسی ہے جس کی تمہارے پاس رہنے کی گارنٹی ہو؟ جو کسی دینے والے نے دی تھی جب چاہے واپس لے لے۔ اس لیے یہ جو دو حرف اس

نے تمہیں سکھا دیئے وہ آج چاہے تو چھین لے پھر کیا کرو گے۔اس بات کا بار بار استحضار کیا جائے، یہی سوچتا رہے، اسی کا دھیان کرتا رہے، جب کبھی بڑائی کا خیال پیدا ہو تو اس بات کا دھیان کرے۔کسی دینے والے نے صرف اپنے فضل و کرم اور انعام سے دیا ہے تیرا کوئی استحقاق نہیں تھا جس نے دیا جس طرح دیا اسی طرح واپس بھی لے سکتا ہے۔لہٰذا تیرے لیے اترانے اکڑنے اور دوسروں پر بڑائی جتلانے کا اور اپنے آپ کو افضل سمجھنے کا کوئی موقع نہیں۔ ہاں موقع ہے تو شکر کا، اے اللہ! آپ نے اپنے فضل و کرم سے یہ نعمت عطا فرمائی میں اس کا مستحق نہیں تھا۔میرے قبضے میں یہ نہیں تھا۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ

ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ شکر ایسی چیز ہے جو بیشمار روحانی بیماریوں کا علاج ہے۔جو آدمی شکر کرتا ہے انشاء اللہ تکبر میں مبتلا نہیں ہوگا۔اس لیے کہ شکر کے معنی یہ ہیں کہ جو بھی نعمت ملی ہوئی ہے میں اس کا لائق نہیں تھا۔اللہ پاک نے اپنے کرم سے دی، اس کا شکر ہے۔

جھوٹ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سچ بولنے کو اپنے اوپر لازم کرلو۔ کیونکہ (ہمیشہ اور پابندی کے ساتھ) سچ بولنا نیکوکاری کی طرف لے جاتا ہے) یعنی سچ بولنے کی خاصیت یہ ہے کہ نیکی کرنے کی توفیق ہوتی ہے) اور نیکوکاری (انسان کو) اعلیٰ درجات تک پہنچاتی ہے۔ اور (یادرکھو کہ) جو شخص ہمیشہ سچ بولتا ہے اور سچ بولنے کی سعی کرتا ہے تو وہ اللہ کے یہاں صدیق لکھا جاتا ہے۔ نیز تم اپنے آپ کو جھوٹ بولنے سے باز رکھو کیونکہ جھوٹ بولنا فسق و فجور کی طرف لے جاتا ہے۔ (یعنی جھوٹ بولنے کی خاصیت یہ ہے کہ برائیوں اور بداعمالیوں کے ارتکاب کی طرف رغبت ہوتی ہے) اور فسق و فجور (فاسق و فاجر کو) دوزخ کی آگ میں دھکیلتا ہے اور (یادرکھو کہ) جو شخص بہت جھوٹ بولتا ہے اور زیادہ سے زیادہ جھوٹ بولنے کی سعی کرتا ہے تو وہ اللہ کے یہاں کذاب یعنی بڑا جھوٹا لکھا جاتا ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ سچ بولنا نیکی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور جھوٹ بولنا فسق و فجور ہے اور فسق و فجور جہنم کی آگ میں دھکیلتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تین خصلتیں ایسی ہیں جو منافق ہونے کی نشانیاں ہیں (یعنی کسی مسلمان کا کام نہیں ہے کہ وہ یہ کام کرے۔ اگر کسی انسان میں یہ باتیں پائی جائیں تو سمجھ لو کہ وہ منافق ہے۔ وہ تین باتیں یہ ہیں) (1) جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے (2) جب وہ وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے (3) جب اس کے پاس کوئی امانت رکھوائی جائے تو وہ خیانت کرے۔ ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ چاہے وہ نماز بھی پڑھتا ہو اور روزے بھی رکھتا ہو، چاہے وہ دعویٰ کرتا ہوں کہ وہ مسلمان ہے۔ (لیکن حقیقت میں وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ اس لیے کہ مسلمان ہونے کی جو بنیادی صفات ہیں وہ ان کو چھوڑے ہوئے ہے)

فرمایا: تین چیزیں منافق کی علامت ہیں۔ 1۔ جھوٹ۔ 2۔ وعدہ خلافی کرنا۔ 3۔ امانت میں خیانت کرنا۔

ان تینوں کی تھوڑی سی تفصیل ہو جائے، اس لیے کہ عام طور پر لوگوں کے ذہنوں میں ان تینوں کا تصور بہت محدود ہے حالانکہ ان تینوں کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اس لیے ان کی تھوڑی سی تفصیل کرنے کی ضرورت

ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ سب سے پہلی چیز جھوٹ بولنا ہے۔ یہ جھوٹ بولنا حرام ہے ایسا حرام ہے کہ کوئی ملت، کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس میں جھوٹ بولنا حرام نہ ہو۔ یہاں تک کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ بھی جھوٹ بولنے کو برا سمجھتے تھے۔

ایک واقعہ ہے کہ حضور ﷺ نے روم کے بادشاہ کی طرف اسلام کی دعوت کیلیے خط بھیجا تو خط پڑھنے کے بعد اس نے اپنے درباریوں سے کہا کہ ہمارے ملک میں ایسے لوگ موجود ہوں جو حضور ﷺ سے واقف ہوں تو ان کو میرے پاس بھیج دو تا کہ میں ان سے حالات معلوم کروں کہ وہ کیسے ہیں؟ اتفاق سے اسی وقت حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ جو اس وقت تک مسلمان نہ تھے، ایک تجارتی قافلہ لے کر وہاں گئے تھے۔ چنانچہ لوگ ان کو بادشاہ کے پاس لے آئے یہ بادشاہ کے پاس پہنچے تو بادشاہ نے ان سے سوالات کرنا شروع کر دیئے۔ پہلا سوال یہ کیا کہ یہ بتاؤ کہ یہ محمد ﷺ کس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، وہ کیسا خاندان ہے، اس کی شہرت کیسی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ خاندان تو بڑے اعلیٰ درجے کا ہے اور اعلیٰ درجے کے خاندان میں وہ پیدا ہوئے اور سارا عرب اس خاندان کی شرافت کا قائل ہے۔ اس بادشاہ نے تصدیق کرتے ہوئے کہا: بالکل ٹھیک ہے۔ جو اللہ کے نبی ہوتے ہیں وہ اعلیٰ خاندان سے ہوتے ہیں۔" پھر دوسرا سوال بادشاہ نے کیا کہ ان کی پیروی کرنے والے معمولی درجے کے لوگ ہیں یا بڑے بڑے رؤسا ہیں؟ انہوں نے جواب دیا ان کے متبعین کی اکثریت کم درجے کے معمولی قسم کے لوگ ہیں۔ بادشاہ نے تصدیق کی کہ نبی کے متبعین ابتداء میں ضعیف اور کمزور قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ پھر سوال کیا کہ تمہاری ان کے ساتھ جنگ ہوئی ہے تو تم جیت جاتے ہو یا وہ لوگ جیتے ہیں؟ اس وقت تک صرف دو جنگیں ہوئی تھیں ایک جنگ بدر، اور ایک احد اور غزوہ احد میں مسلمانوں کو تھوڑی سی شکست ہوئی تھی، اس لیے انہوں نے اس موقع پر جواب دیا کہ کبھی ہم غالب ہو جاتے ہیں، کبھی وہ غالب آجاتے ہیں۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ مسلمان ہونے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس وقت تو میں کافر تھا اس لیے اس فکر میں تھا کہ میں کوئی ایسا جملہ کہہ دوں جس سے حضور ﷺ سے اختلاف کا تاثر قائم ہو، لیکن اس بادشاہ نے جتنے بھی سوال کیے ان کے جواب میں اس قسم کی کوئی بات کہنے کا موقع نہیں ملا اس لیے کہ جو سوال وہ کر رہا تھا اس کا جواب تو مجھے دینا تھا اور جھوٹ بول نہیں سکتا تھا۔ اس لیے میں جتنے جوابات دے رہا تھا وہ سب حضور ﷺ کے حق میں جا رہے تھے۔ بہرحال! جاہلیت کے لوگ جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے وہ بھی جھوٹ بولنے کو گوارہ نہیں کرتے تھے چہ جائیکہ مسلمان اسلام لانے کے بعد جھوٹ بولے۔ افسوس کہ اس جھوٹ میں عام ابتلاء ہے! یہاں تک کہ جو لوگ حرام وحلال اور جائز اور ناجائز کا اور شریعت پر چلنے کا اہتمام کرتے ہیں ان میں بھی یہ بات نظر آتی ہے کہ انہوں نے بھی جھوٹ کی بہت سی قسموں کو جھوٹ سے خارج سمجھ رکھا ہے اور

یہ سمجھتے ہیں کہ گویا یہ جھوٹ ہی نہیں ہے۔ حالانکہ جھوٹا کام کر رہے ہیں، غلط بیانی کر رہے ہیں اور اس میں دوہرا جرم ہے۔ ایک جھوٹ بولنے کا جرم اور دوسرے اس گناہ کو گناہ نہ سمجھنے کا جرم۔ چنانچہ ایک صاحب جو بڑے نیک تھے۔ نماز روزے کے پابند، اذکار واشغال کے پابند، بزرگوں سے تعلق رکھنے والے، پاکستان سے باہر ان کا قیام تھا۔ ایک مرتبہ جب پاکستان آئے تو مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہ سے ملنے گئے۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ واپس کب تشریف لے جارہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں ابھی آٹھ دس روز اور ٹھہروں گا۔ میری چھٹیاں تو ختم ہوگئیں ہیں۔ البتہ کل ہی میں نے مزید چھٹی لینے کے لیے ایک میڈیکل سرٹیفکیٹ بھجوا دیا ہے۔ انہوں نے میڈیکل سرٹیفکیٹ بھجوانے کا ذکر اس انداز سے کیا کہ جس طرح یہ ایک معمول کی بات ہے، اس میں کوئی پریشانی کی بات ہی نہیں ہے۔ مفتی صاحب نے ان سے پوچھا کہ میڈیکل سٹوفکیٹ کیسا؟ انہوں نے جواب دیا کہ مزید چھٹی لینے کے لیے بھیج دیا ہے۔ ویسے اگر چھٹی لیتا تو چھٹی نہ ملتی، اس کے ذریعے سے چھٹی مل جائے گی۔ مفتی صاحب نے پھر سوال کیا کہ آپ نے اس میڈیکل سرٹیفکیٹ بھجوانے کا ذکر اس انداز سے کیا کہ جس طرح یہ ایک معمول کی بات ہے۔ اس میں کوئی پریشانی کی بات ہی نہیں ہے۔ مفتی صاحب نے پھر سوال کیا کہ آپ نے اس میڈیکل سرٹیفکیٹ میں کیا لکھا تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس میں یہ لکھا تھا کہ یہ اتنے بیمار ہیں کہ سفر کے لائق نہیں۔ مفتی صاحب نے کہا کہ کیا دین صرف نماز روزے کا نام ہے؟ ذکر و شغل کا نام ہے؟ آپ کا بزرگوں سے تعلق ہے پھر یہ میڈیکل سٹوفکیٹ کیسا جارہا ہے؟ چونکہ نیک آدمی تھے اس لیے صاف صاف کہہ دیا کہ میں نے آج پہلی مرتبہ آپ کے منہ سے یہ بات سنی ہے کہ یہ بھی کوئی غلط کام ہے۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ جھوٹ بولنا اور کس کو کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مزید چھٹیاں کس طرح لیں؟ مفتی صاحب نے فرمایا کہ جتنی چھٹیوں کا استحقاق ہے اتنی چھٹی لو۔ اگر مزید چھٹی لینی ضروری ہو تو بغیر تنخواہ کے لے لو، لیکن یہ جھوٹا میڈیکل سٹوفکیٹ بنوانا جھوٹ میں داخل ہی نہیں ہے! اور دین صرف ذکر و شغل کا نام رکھ دیا! باقی زندگی میں جھوٹ بول رہا ہو تو اس کا کوئی خیال نہیں۔

ایک اچھے خاصے نیک اور سمجھدار پڑھے لکھے بزرگ کا مفتی صاحب کے پاس سفارشی خط آیا۔ اس وقت مفتی صاحب جدہ میں تھے۔ اس خط میں یہ لکھا تھا کہ یہ صاحب جو آپ کے پاس آرہے ہیں، یہ انڈیا کے باشندے ہیں اور اب یہ پاکستان جانا چاہتے ہیں لہٰذا آپ پاکستانی سفارت خانے سے ان کے لیے سفارش کر دیں کہ ان کو ایک پاکستانی پاسپورٹ جاری کر دیا جائے اس بنیاد پر کہ یہ پاکستانی باشندے ہیں اور ان کا پاسپورٹ یہاں سعودی عرب میں گم ہو گیا ہے اور خود انہوں نے پاکستانی سفارت خانے میں درخواست دے رکھی ہے کہ ان کا پاسپورٹ گم ہو گیا ہے۔ لہٰذا آپ ان کی سفارش کر دیں۔ اب وہاں عمرے ہو رہے ہیں، حج بھی ہو رہا ہے، طواف اور سعی بھی ہو رہی ہے اور ساتھ میں یہ جھوٹ اور فریب بھی ہو رہا ہے گویا کہ یہ دین کا

حصہ ہی نہیں ہے، اس کا دین سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ شاید لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جب قصد اور ارادہ کر کے باقاعدہ جھوٹ کو جھوٹ سمجھ کر بولا جائے تب جھوٹ ہوتا ہے، لیکن ڈاکٹر سے جھوٹا سٹیفکیٹ بنوا لینا، جھوٹی سفارش لکھوا لینا یا جھوٹے مقدمات دائر کر دینا یہ کوئی جھوٹ نہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ۝

یعنی زبان سے جو لفظ نکل رہا ہے وہ تمہارے اعمال میں ریکارڈ ہو رہا ہے۔

ایک مرتبہ ایک خاتون ایک بچے کو آپ ﷺ کے سامنے گود میں لینا چاہتی تھی لیکن وہ بچہ قریب نہیں آ رہا تھا۔ ان خاتون نے بچے کو بہلانے کے لیے کہا کہ بیٹا! آؤ ہم تمہیں چیز دیں گے۔ آپ ﷺ نے اس کی وہ بات سن لی۔ آپ نے خاتون سے پوچھا کہ تمہارا کوئی چیز دینے کا ارادہ ہے؟ ان خاتون نے کہا: جب وہ میرے پاس آئے گا تو میں اس کو کھجور دوں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تمہارا کھجور دینے کا ارادہ نہ تھا بلکہ محض بہلانے کے لیے کہتیں کہ میں تمہیں کھجور دونگی تو تمہارے نامہ اعمال میں یہ ایک جھوٹ لکھ دیا جاتا۔ اس حدیث نے یہ سبق دے دیا کہ بچے کے ساتھ بھی جھوٹ نہ بولنا چاہیے اور اس کے ساتھ بھی وعدہ خلافی نہ کرنی چاہیے۔ ورنہ شروع ہی سے جھوٹ کی برائی اس کے دل سے نکل جائے گی۔ ہم لوگ محض مذاق اور تفریح کے لیے زبان سے جھوٹی بات نکال دیتے ہیں۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ نے مذاق میں بھی جھوٹی بات زبان سے نکالنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے: افسوس ہے اس شخص پر! یا سخت الفاظ میں اس کا ترجمہ یہ کر سکتے ہیں کہ اس شخص کے لیے دردناک عذاب ہے جو محض لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے۔

خوش طبعی کی باتیں اور مذاق حضور ﷺ نے بھی کیا لیکن کبھی کوئی ایسا مذاق نہیں کیا جس میں بات غلط ہو یا واقعہ کے خلاف ہو۔ آپ ﷺ کے مذاق کی مثالیں احادیث شریفہ میں ملتی ہیں۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک بڑھیا آپ ﷺ کی خدمت میں آئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے لیے دعا فرما دیں کہ اللہ مجھے جنت میں پہنچا دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی۔ بلکہ جنت میں سب جوان ہو کر جائیں گے۔

آپ ﷺ نے ایسا لطیف مذاق فرمایا کہ اس میں کوئی بات حقیقت کے خلاف اور جھوٹی نہیں تھی۔ ایک دیہاتی آپ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے ایک اونٹ دے دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم تو تم کو ایک اونٹنی کا بچہ دیں گے۔ اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں اس بچے کو لے کر کیا کرونگا؟ مجھے تو سواری کے لیے ضرورت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں جو بھی اونٹ دیا جائے گا وہ اونٹنی کا بچہ ہی تو ہوگا۔ آپ ﷺ نے اس سے مذاق فرمایا اور ایسا مذاق فرمایا جس میں آپ ﷺ نے خلاف حقیقت اور غلط بات نہیں کی۔ مذاق

کے اندر بھی اس بات کا لحاظ رہے کہ زبان کو سنبھال کر استعمال کریں اور زبان سے کوئی غلط لفظ نہ نکل جائے اور آج کل ہمارے اندر جو سچے جھوٹے قصے پھیل گئے ہیں اور خوش گپیوں کے اندر ہم ان کو بطور مذاق بیان کرتے ہیں یہ سب جھوٹ کے اندر داخل ہے۔

آج کل جھوٹے کیریکٹر سرٹیفکیٹ کا عام رواج ہو گیا ہے۔ اچھے خاصے پڑھے لکھے اور دیندار لوگ بھی اس میں مبتلا ہیں کہ جھوٹے سرٹیفکیٹ حاصل کرتے ہیں یا دوسروں کیلیے جھوٹے سرٹیفکیٹ جاری کرتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی کو کیریکٹر سرٹیفکیٹ کی ضرورت پیش آ گئی، اب وہ کسی کے پاس گیا، اور اس سے کیرکٹر سرٹیفکیٹ حاصل کرلیا، اور جاری کرنے والے نے اس کے اندر یہ لکھ دیا کہ میں ان کو پانچ سال سے جانتا ہوں یہ بڑے اچھے آدمی ہیں، ان کا اخلاق و کردار بہت اچھا ہے۔ کسی کے حاشیہ خیال میں یہ بات نہیں آتی کہ ہم یہ ناجائز کام کر رہے ہیں، بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نیک کام کر رہے ہیں، اس لیے کہ یہ ضرورت مند تھا، ہم نے اس کی ضرورت پوری کر دی۔ اس کا کام کر دیا، جو کہ باعث ثواب کام ہے۔ اور کسی ایسے شخص سے کیرکٹر سرٹیفکیٹ حاصل کرنا جو آپ کو نہیں جانتا، یہ بھی ناجائز ہے۔ گویا کہ سرٹیفکیٹ لینے والا بھی گناہ گار ہوگا اور دینے والا بھی گناہ گار ہوگا۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۝ (سورة الزخرف: 86)

یہ سرٹیفکیٹ اور یہ تصدیق نامہ شرعاً ایک گواہی ہے، اور جو شخص اس سٹیفکیٹ پر دستخط کر رہا ہے، وہ حقیقت میں گواہی دے رہا ہے اور اس آیت کی رو سے گواہی دینا اس وقت جائز ہے جب آدمی کو اس بات کا علم ہو، اور یقین سے جانتا ہوں کہ یہ واقعے میں ایسا ہے، اس کے بغیر انسان گواہی نہیں دے سکتا۔ آج کل ہوتا یہ ہے کہ آپ کو اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں، لیکن آپ نے کیریکٹرز سٹیفکیٹ جاری کر دیا۔ تو یہ جھوٹی گواہی کا گناہ ہوا۔ اور جھوٹی گواہی اتنی بری چیز ہے کہ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اس کو شرک کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: کیا میں تم کو بتاؤں کہ بڑے بڑے گناہ کون کون سے ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ضرور بتایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بڑے گناہ یہ ہیں (1) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، (2) والدین کی نافرمانی کرنا، اس وقت آپ ﷺ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے پھر آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور پھر فرمایا (3) جھوٹی گواہی دینا۔ اس جملے کو تین مرتبہ دہرایا۔ اب اس سے اس کی قباحت کا اندازہ لگائیں کہ ایک طرف تو آپ ﷺ نے اس کو شرک کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا، دوسرے یہ کہ اس کو تین مرتبہ ان الفاظ کو

اس طرح دہرایا کہ پہلے آپ ﷺ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، پھر اس کے بیان کے وقت سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور خود قرآن کریم نے بھی اس کو شرک کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا۔ چنانچہ فرمایا:

فَاجْتَنِبُوْ الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْ قَوْلَ الزُّوْرِo

تم بت پرستی کی گندگی سے بھی بچو، اور جھوٹی بات سے بھی بچو۔

اس سے معلوم ہوا کہ جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی کتنی خطرناک چیز ہے۔ جھوٹی گواہی دینا جھوٹ بولنے سے بھی زیادہ بری اور خطرناک ہے اس لیے کہ اس میں کئی گناہ مل جاتے ہیں۔ مثلاً ایک جھوٹ بولنے کا گناہ اور دوسرا دوسرے شخص کو گمراہ کرنے کا گناہ، اس لیے کہ جب آپ نے غلط سرٹیفکیٹ جاری کر کے جھوٹی گواہی دی اور وہ جھوٹا سرٹیفکیٹ جب دوسرے شخص کے پاس پہنچا تو وہ یہ سمجھے گا کہ یہ آدمی بڑا اچھا ہے اور اچھا سمجھ کر اس سے کوئی معاملہ کرے گا اور اگر اس معاملہ کرنے کے نتیجے میں اس کو کوئی نقصان پہنچے گا تو اس نقصان کی ذمہ داری بھی آپ پر ہوگی۔ یا آپ نے عدالت میں جھوٹی گواہی دی۔ اس گواہی کی بنیاد پر فیصلہ ہو گیا تو اس فیصلے کے نتیجے میں جو کچھ کسی کا نقصان ہوا وہ سب آپ کی گردن پر ہوگا۔ اس لیے یہ جھوٹی گواہی کا گناہ معمولی گناہ نہیں ہے، بڑا سخت گناہ ہے۔

جتنے سرٹیفکیٹ معلومات کے بغیر جاری کئے جا رہے ہیں، اور جاری کرنے والا یہ جانتے ہوئے جاری کر رہا ہے کہ میں یہ غلط سرٹیفکیٹ جاری کر رہا ہوں مثلاً کسی کے بیمار ہونے کا سرٹیفکیٹ جاری کر دیا، یا کسی کے پاس ہونے کا سرٹیفکیٹ دے دیا، یا کسی کو کیریکٹر سرٹیفکیٹ دے دیا، یہ سب جھوٹی گواہی کے اندر داخل ہے۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس بہت سے لوگ مدرسوں کی تصدیق کرانے کے لیے آتے ہیں۔ جس میں اس بات کی تصدیق کرنی ہوتی ہے کہ یہ مدرسہ قائم ہے۔ اس میں اتنی تعلیم ہوتی ہے۔ اور اس تصدیق کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ تاکہ لوگوں کو اطمینان ہو جائے کہ واقعتاً یہ مدرسہ قائم ہے اور امداد کا مستحق ہے۔ اور اب ان مدرسوں کی تصدیق لکھنے کو دل بھی چاہتا ہے، لیکن میں نے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ کو دیکھا کہ جب کبھی کوئی شخص ان کے پاس مدرسہ کی تصدیق لکھوانے کیلیے آتا تھا تو آپ یہ عذر فرماتے ہوئے کہتے کہ بھائی! یہ ایک گواہی ہے اور جب تک مجھے مدرسہ کے حالات کا علم نہ ہو اس وقت تک میں تصدیق نامہ جاری نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ یہ جھوٹی گواہی ہو جائے گی۔ البتہ اگر کسی مدرسے کے بارے میں علم ہوتا تو جتنا علم ہوتا اتنا لکھ دیتے۔

بعض اوقات جھوٹ بولنے کی اجازت

بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے خلاف واقعہ کی بھی اجازت دے دی ہے۔ لیکن وہ مواقع ایسے ہیں کہ جہاں انسان اپنی جان بچانے کیلیے جھوٹ بولنے پر مجبور ہو جائے اور جان بچانے کے لیے

اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ ہو یا کوئی نا قابل برداشت ظلم اور تکلیف کا اندیشہ ہو کہ اگر وہ ایسی بات نہیں بولے گا تو وہ ایسے ظلم کا شکار ہو جائے گا جو قابل برداشت نہیں ہے۔ اس صورت میں شریعت نے جھوٹ بولنے کی اجازت دے دی ہے۔ البتہ اس میں بھی حکم یہ ہے کہ پہلے اس بات کی کوشش کرو کہ صریح جھوٹ نہ بولنا پڑے بلکہ کوئی ایسا گول مول لفظ بول دو جس سے وقتی مصیبت ٹل جائے۔ جس کو شریعت کی اصطلاح میں ''تعریض اور توریہ'' کہا جاتا ہے گول مول کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا لفظ بول دیا جائے جس کے ظاہری طور پر کچھ اور معنی سمجھ آ رہے ہیں اور حقیقت میں دل کے اندر آپ نے کچھ اور مراد لیا ہے ایسا گول مول لفظ بول دو تاکہ صریح اور صاف جھوٹ نہ بولنا پڑے۔

ہجرت کے موقع پر جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت فرما رہے تھے، تو اس وقت مکہ والوں نے آپ ﷺ کو پکڑنے کے لیے چاروں طرف اپنے ہرکارے دوڑا رکھے تھے اور یہ اعلان کر رکھا تھا کہ جو شخص حضور اقدس ﷺ کو پکڑ کر لائے گا اس کو سو اونٹ انعام کے طور پر دیئے جائیں گے۔ اب اس وقت سارے مکہ کے لوگ آپ ﷺ کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ راستے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے جاننے والا ایک شخص مل گیا وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جانتا تھا مگر حضور اقدس ﷺ کو نہیں جانتا تھا۔ اس شخص نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ تمہارے ساتھ کون صاحب ہیں؟ اب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ چاہتے تھے کہ آپ ﷺ کے بارے میں کسی کو پتہ نہ چلے اس لیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمنوں تک آپ ﷺ کے بارے میں اطلاع پہنچ جائے۔ اب اگر اس شخص کو جواب میں صحیح بات بتاتے تو آپ ﷺ کی جان کو خطرہ تھا اور اگر نہیں بتاتے تو جھوٹ بولنا لازم آتا۔ اب ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کی رہنمائی فرماتے ہیں۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

هٰذَا الرَّجُلُ يَهْدِيْنِیْ اَلسَّبِيْلَ

یہ میرے رہنما ہیں جو مجھے راستہ دکھاتے ہیں

اب آپ نے ایسا لفظ ادا کیا جس کو سن کر اس شخص کے دل میں خیال آیا کہ جس طرح عام طور پر سفر کے دوران راستہ بتانے کے لیے کوئی رہنما ساتھ رکھ لیتے ہیں، اس قسم کے رہنما ساتھ جا رہے ہیں۔ لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دل میں یہ مراد لیا کہ یہ دین کا راستہ دکھانے والے ہیں۔ اس موقع پر انہوں نے صریح جھوٹ بولنے سے پرہیز فرمایا بلکہ ایسا لفظ بول دیا جس سے وقتی کام بھی نکل گیا اور جھوٹ بھی نہیں بولنا پڑا۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ یہ فکر عطا فرما دیتے ہیں کہ زبان سے کوئی کلمہ خلاف واقعہ اور جھوٹ نہ نکلے پھر اللہ تعالیٰ ان کی اس طرح مدد بھی فرماتے ہیں۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہ جنہوں نے 1857ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے خلاف جہاد میں بڑا حصہ لیا تھا۔ آپ کے علاوہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی وغیرہ ان سب حضرات نے اس جہاد میں بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ جولوگ اس جہاد میں شریک تھے آخر کار انگریزوں نے ان کو پکڑنا شروع کیا۔ چوراہوں پر پھانسی کے تختے لٹکا دیئے اور ہر محلے میں مجسٹریٹوں کی مصنوعی عدالتیں قائم کر دیں تھیں، جہاں کہیں کسی پر شبہ ہوا اس کو مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ اوراس نے حکم جاری کر دیا کہ اس کو پھانسی پر چڑھا دو، پھانسی پر اس کو لٹکا دیا گیا۔ اسی دوران ایک مقدمہ، میرٹھ میں حضرت گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کے خلاف بھی قائم ہو گیا اور مجسٹریٹ کے یہاں پیشی ہوگئی۔ جب مجسٹریٹ کے پاس پہنچے تو اس نے پوچھا کہ تمہارے پاس ہتھیار ہیں؟ اس لیے کہ اطلاع یہ ملی تھی کہ ان کے پاس بندوقیں ہیں۔ اور حقیقت میں حضرت کے پاس بندوقیں تھیں۔ چنانچہ جس وقت مجسٹریٹ نے یہ سوال کیا اس وقت حضرت کے ہاتھ میں تسبیح تھی۔ آپ رحمہ اللہ نے وہ تسبیح اس کو دکھاتے ہوئے فرمایا ہمارا ہتھیار یہ ہے یہ نہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ میرے پاس ہتھیار نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ جھوٹ ہو جاتا۔ آپ کا حلیہ بھی ایسا تھا بالکل درویش صفت معلوم ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مدد بھی فرماتے ہیں، ابھی سوال جواب ہو رہا تھا کہ اتنے میں کوئی دیہاتی آ گیا تو اس نے کہا کہ ارے اس کو کہاں سے پکڑ لائے یہ تو ہمارے محلے کا موجن (موذن) ہے اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلاصی دلائی۔

حضرت مولانا قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے خلاف گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو چکے تھے۔ چاروں طرف پولیس تلاش کرتی پھر رہی ہے اور آپ چھتہ کی مسجد میں تشریف فرما ہیں، وہاں پولیس پہنچ گئی، مسجد کے اندر آپ اکیلے تھے۔ پولیس نے سوچا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب عالم ہیں تو آپ شاندار قسم کے لباس اور جبہ پہنے ہونگے۔ وہاں تو کچھ بھی نہیں تھا۔ آپ تو ہر وقت ایک معمولی لنگی ایک معمولی کرتہ پہنے ہوتے تھے۔ جب پولیس اندر داخل ہوئی تو وہ سمجھے کہ یہ مسجد کا کوئی خادم ہے۔ چنانچہ پولیس نے پوچھا کہ مولانا محمد قاسم صاحب کہاں ہیں؟ آپ فوراً اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور ایک قدم پیچھے ہٹ کر کہا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو یہاں تھے اور اس کے ذریعے اس کو یہ تاثر دیا کہ اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں لیکن زبان سے یہ جھوٹا کلمہ نہیں نکالا کہ یہاں نہیں ہیں چنانچہ وہ پولیس واپس چلی گئی۔

اللہ تعالیٰ کے بندوں کو ایسے وقت میں بھی جب کہ جان پر بنی ہوئی ہو اس وقت بھی یہ خیال رہتا ہے کہ زبان سے کوئی غلط لفظ نہ نکلے۔ زبان سے صریح جھوٹ نہ نکلے اور اگر کبھی مشکل وقت آجائے تو اس وقت بھی توریہ کرکے اور گول مول بات کر کے کام چل جائے، یہ بہتر ہے۔ البتہ اگر جان پر بن جائے اور جان جانے کا خطرہ ہو یا شدید ناقابل برداشت ظلم کا اندیشہ ہو اور توریہ سے اور گول مول بات کرنے سے بھی بات نہ بنے تو

اس وقت شریعت نے جھوٹ بولنے کی اجازت دے دی ہے۔ لیکن اس اجازت کو اتنی کثرت کے ساتھ استعمال کرنا، جس طرح آج اس کا استعمال ہورہا ہے، یہ سب حرام ہے اوراس میں جھوٹی گواہی کا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔

جھوٹ جس طرح زبان سے ہوتا ہے، بعض اوقات عمل سے بھی ہوتا ہے۔ اس لیے کہ بعض اوقات انسان ایسا عمل کرتا ہے جو درحقیقت جھوٹا عمل ہوتا ہے۔ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَالَمْ یُعْطَ کَلَا بِسِ ثَوْبَیْ زُوْرٍ

یعنی جو شخص اپنے عمل سے اپنے آپ کو ایسی چیز کا حامل قرار دے جو اس کے اندر نہیں ہے تو وہ جھوٹ کا لباس پہننے والا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے عمل سے اپنے آپ کو ایسا ظاہر کرے جیسا کہ حقیقت میں نہیں ہے، یہ بھی گناہ ہے۔ مثلاً ایک شخص جو حقیقت میں بہت دولت مند نہیں ہے لیکن وہ اپنے آپ کو اپنی اداؤں سے، اپنی نشست و برخواست سے، اپنی طریق زندگی سے دولت مند ظاہر کرتا ہے یہ بھی عمل جھوٹ ہے۔ یا اس کے برعکس ایک اچھا خاصا کھاتا پیتا انسان ہے، لیکن اپنے عمل سے تکلف کر کے اپنے آپ کو ایسا ظاہر کرتا ہے۔ تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے۔ یہ بہت مفلس ہے، نادار ہے، غریب ہے حالانکہ حقیقت میں وہ غریب نہیں ہے۔ اس کو بھی نبی کریم ﷺ نے عملی جھوٹ قرار دیا۔ لہٰذا عملی طور پر کوئی ایسا کام کرنا جس سے دوسرے شخص پر غلط تاثر قائم ہو یہ بھی جھوٹ کے اندر داخل ہے۔ جھوٹ اتنی بری صفت ہے کہ اس کی قباحت سے فرشتے بھی دور بھاگتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عنھما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا کَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْہُ الْمَلَکُ مِیْلًا مِنْ نَتْنِ مَاجَاءَ بِہٖ.(رواہ الترمذی، الاحادیث المنتخبة، رقم : 1495)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کے جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔(ترمذی، منتخب احادیث: 1495)

مطلب یہ ہے کہ جس طرح اس مادی عالم کی مادی چیزوں میں خوشبو اور بدبو ہوتی ہے، اسی طرح اچھے اور برے اعمال اور کلمات میں بھی خوشبو اور بدبو ہوتی ہے، جس کو اللہ کے فرشتے اسی طرح محسوس کرتے ہیں جس طرح ہم یہاں کی مادی خوشبو اور بدبو کو محسوس کرتے ہیں۔

ہر سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے بیان کرنا بھی ایک درجے کا جھوٹ ہے۔ اور جس طرح جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کی عادت رکھنے والا آدمی قابل اعتبار نہیں ہوتا، اسی طرح یہ آدمی بھی لائق اعتماد نہیں رہتا۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: كَفٰى بِالْمَرءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَاسَمِعَ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کے لیے یہی جھوٹ کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے اسے (بلاتحقیق) بیان کرتا پھرے۔

غیبت

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے سنا دیا کنواری لڑکیوں کو ان کے گھروں میں، یا (یہ کہا کہ ان کے پردوں میں) پس آپ ﷺ نے فرمایا: اے ان لوگوں کی جماعت جو اپنی زبان سے ایمان لائے ہیں اور ایمان ان کے دل میں داخل نہیں ہوا! مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کے عیوب تلاش نہ کرو، اس لیے کہ جو اپنے مسلمان بھائی کے عیوب تلاش کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے عیب کو تلاش کرینگے اور جس شخص کے عیب اللہ تعالیٰ تلاش کرینگے اس کو اس کے گھر بیٹھے رسوا کر دینگے۔ یہی خطبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے طبرانی نے روایت کیا جس میں الفاظ اس طرح ہیں اور ان کے عیوب کو تلاش نہ کرو۔ کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیب تلاش کرے گا اللہ اس کا پردہ چاک کر دینگے۔

یہ آنحضرت ﷺ کا خطبہ ہے۔ اور اس میں مسلمانوں کی معاشرت کے بارے میں بطور خاص دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور دوسرے یہ کہ ان کے عیوب کو تلاش نہ کرو۔

آنحضرت ﷺ کے زمانے میں ایسے لوگ منافق تھے، جو ظاہر کلمہ پڑھتے تھے اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے۔ لیکن حقیقت میں اللہ تعالیٰ پر اور ان کے رسول ﷺ پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ گویا مسلمانوں کی غیبت کرنا، ان کے عیوب کو تلاش کرنا اور ان کو رسوا کرنے کی کوشش کرنا یہ منافقین کا طریقہ تھا۔ مسلمانوں کا نہیں۔ چنانچہ آج ہمارے معاشرے میں غیبت کا گناہ بہت ہی عام ہو چکا ہے۔ یہ ایک ایسی مصیبت ہے، جو ہماری مجلسوں پر اور ہمارے معاشرے پر چھا گئی ہے۔ کوئی مجلس اس سے خالی نہیں، کوئی گفتگو اس سے خالی نہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے اس پر بڑی سخت وعیدیں بیان فرمائیں تھیں۔ اور قرآن کریم نے غیبت کے لیے اتنے سنگین الفاظ استعمال کیے ہیں کہ شاید کسی اور گناہ کے لیے اتنے سنگین الفاظ استعمال نہیں کیے۔ چنانچہ فرمایا:

"وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ"

یعنی ایک دوسرے کی غیبت مت کرو (کیونکہ یہ ایسا برا عمل ہے جیسے اپنے مردار بھائی کا گوشت کھانا) کیا ہم میں سے کوئی اس کو پسند کرے گا کہ اپنے مردار بھائی کا گوشت کھائے۔ ہم اس کو بہت ہی برا سمجھتے ہیں لہٰذا جب ہم اس عمل کو برا سمجھتے ہیں تو غیبت کو بھی برا سمجھنا چاہیے۔ اس میں غیبت کی برائی بیان فرمائی گئی

ہے۔ایک تو انسان کا گوشت کھانا، اور آدم خور بن جانا ہی کتنی برائی کی بات ہے اور انسان بھی کونسا؟ اپنا بھائی اور بھائی بھی زندہ نہیں بلکہ مردہ۔ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا جتنا سنگین ہے، اتنا ہی دوسرے کی غیبت کرنا سنگین اور خطرناک ہے۔

غیبت کے معنی یہ ہے کہ دوسرے کی پیٹھ پیچھے برائی کرنا۔ چاہے برائی صحیح ہو، وہ اس کے اندر پائی جا رہی ہو، غلط نہ ہو، پھر بھی اگر بیان کی گئی تو وہ غیبت میں شمار ہوگی۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ غیبت کیا ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

ذِكْرُكَ اَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ

یعنی اپنے بھائی کا اس کی پیٹھ پیچھے ایسے انداز میں ذکر کرنا جس کو وہ ناپسند کرتا ہو۔ یعنی اگر اس کو پتہ چلے کہ میرا ذکر اس طرح اس مجلس میں کیا گیا تھا، تو اس کو تکلیف ہو اور وہ اس کو برا سمجھے تو یہ غیبت ہے۔ ان صحابی نے پھر سوال کیا:

اِنْ كَانَ فِىْ اَخِىْ مَا اَقُوْلُ

اگر میرے بھائی کے اندر وہ خرابی موجود ہے جو میں بیان کر رہا ہوں تو؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: اگر وہ خرابی واقعتاً اس کے اندر موجود ہے تب ہی تو یہ غیبت ہے اور اگر وہ خرابی اس کے اندر موجود نہیں ہے اور تم اس کی طرف جھوٹی نسبت کر رہے ہو تو پھر یہ غیبت نہیں، پھر تو یہ بہتان بن جائے گا۔ اور دوہرا گناہ ہوگا۔

غیبت ایسا ہی بڑا گناہ ہے جیسے شراب پینا، بدنظری، بدکاری کرنا، کبیرہ گناہوں میں داخل ہیں، دونوں میں کوئی فرق نہیں، وہ بھی حرام قطعی ہیں یہ بھی حرام، بلکہ غیبت کا گناہ اس لحاظ سے ان گناہوں سے زیادہ سنگین ہے کہ غیبت کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور حقوق العباد کا معاملہ یہ ہے کہ جب تک بندہ اس کو معاف نہ کر دے اس وقت تک وہ گناہ معاف نہیں ہوگا۔ دوسرے گناہ صرف توبہ سے معاف ہو سکتے ہیں۔

لیکن یہ گناہ توبہ سے بھی معاف نہیں ہوگا۔ اس سے اس گناہ کی سنگینی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم غیبت نہ کریں اور نہ ہی غیبت سنیں اور جس مجلس میں غیبت ہو رہی ہو تو اس میں گفتگو کا رخ بدلنے کی کوشش کریں یا کوئی دوسرا موضوع چھیڑنے کی کوشش کریں۔ اگر گفتگو کا رخ نہیں بدل سکتے تو پھر اس مجلس سے اٹھ کر چلے جائیں۔ اس لیے کہ غیبت کرنا بھی حرام ہے اور غیبت سننا بھی حرام ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کے خاص خادم تھے۔ دس سال تک حضور اقدس ﷺ کی خدمت کی۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات معراج میں مجھے اوپر لے جایا گیا تو وہاں میرا گزر ایسے لوگوں پر ہوا، جو اپنے ناخنوں سے اپنے چہرے نوچ رہے تھے۔ میں نے حضرت

جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے اور لوگوں کی آبروؤں پر حملے کیا کرتے تھے (یعنی لوگوں کی غیبت کیا کرتے تھے)۔

چونکہ اس گناہ کو حضور اقدس ﷺ نے مختلف طریقوں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے پیش فرمایا۔ اس لیے ان سب کو پیش نظر رکھنا چاہیے تاکہ ہمارے دلوں میں اس کی برائی اور قباحت بیٹھ جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کی برائی ہمارے دلوں میں بٹھا دے اور اس برائی اور قباحت سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اور ایک روایت جو سند کے اعتبار سے بہت مضبوط نہیں ہے، مگر معنی کے اعتبار سے صحیح ہے وہ یہ کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ غیبت کا گناہ زنا کے گناہ سے بھی بدتر ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ خدا نہ کرے اگر کوئی زنا میں مبتلا ہو جائے تو جب کبھی ندامت اور شرمندگی ہوگی اور توبہ کرلے گا تو انشاء اللہ معاف ہو جائے گا۔ لیکن غیبت کا گناہ اس وقت تک معاف نہیں ہوگا جب تک وہ شخص معاف نہ کر دے جس کی غیبت اور بے آبروئی کی گئی ہے۔

ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ غیبت کرنے والے ہونگے، انہوں نے بظاہر دنیا میں بڑے اچھے اعمال کئے ہونگے، نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، عبادتیں کیں، لیکن جس وقت وہ لوگ پل صراط پر سے گزریں گے (پل صراط ایک پل ہے جو جہنم کے اوپر سے گزرتا ہے۔ ہر انسان کو اس کے اوپر سے گزرنا ہے۔ جو شخص جنتی ہے وہ اس پل کو پار کر کے جنت میں پہنچ جائے گا، اور جس کو جہنم میں جانا ہے اس کو اسی پل کے اوپر سے نیچے کھینچ لیا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا)۔ لیکن غیبت کرنے والوں کو پل کے اوپر جانے سے روک دیا جائے گا، اور ان سے کہا جائے گا کہ تم آگے نہیں بڑھ سکتے جب تک اس غیبت کا کفارہ نہ ادا کر دو جس کی غیبت کی ہے، اور ان سے معافی نہ مانگ لو اور وہ تمہیں معاف نہ کر دے اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے۔

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے یہاں تک فرمایا کہ سود اتنا زبردست گناہ ہے کہ اس کے اندر بے شمار خرابیاں ہیں اور یہ بہت سے گناہوں کا مجموعہ ہے اور اس کا ادنیٰ گناہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرے (العیاذ باللہ)۔ سود پر اتنی سخت وعید آئی ہے کہ ایسی وعید اور کسی گناہ پر نہیں آئی۔ پھر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ سب سے بدترین سود یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی آبرو پر حملہ کرے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں دو خواتین تھیں، انہوں نے روزہ رکھا اور روزہ کی حالت میں دونوں خواتین آپس میں بات چیت کرنے میں مشغول ہوگئیں۔ جس کے نتیجے میں غیبت تک پہنچ گئیں۔ تھوڑی دیر بعد حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک صاحب آئے اور آکر بتایا کہ یا رسول اللہ ﷺ!

ان دو خواتین نے روزہ رکھا تھا مگر اب ان کی حالت خراب ہو رہی ہے اور پیاس کی وجہ سے ان کی جان لبوں پر آ رہی ہے اور وہ خواتین مرنے کے قریب ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو بذریعہ وحی یہ معلوم ہو گیا کہ ان خواتین نے غیبت کی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ ان خواتین کو میرے پاس لے آؤ۔ جب ان خواتین کو آپ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ واقعتاً وہ لب دم آئی ہوئی ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ایک بڑا پیالہ لاؤ۔ چنانچہ پیالہ لایا گیا تو آپ ﷺ نے ان میں سے ایک خاتون کو کہا کہ تم اس پیالے میں قے کرو۔ جب اس نے قے کرنی شروع کی تو قے کے ذریعہ اندر سے پیپ اور خون اور گوشت کے ٹکڑے خارج ہوئے۔ پھر دوسری خاتون سے فرمایا کہ تم قے کرو جب اس نے قے کی تو اس میں بھی خون اور پیپ اور گوشت کے ٹکڑے خارج ہوئے۔ یہاں تک کہ وہ پیالہ بھر گیا۔ پھر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ یہ تمہاری ان بہنوں اور بھائیوں کا خون اور پیپ اور گوشت ہے جو تم دونوں نے روزے کی حالت میں کھایا تھا۔ تم دونوں نے روزے کی حالت میں جائز کھانے سے تو اجتناب کر لیا لیکن جو حرام کھانا تھا یعنی دوسرے مسلمان بھائی کا خون اور گوشت کھانا اس کو تم نے نہیں چھوڑا جس کے نتیجے میں تم دونوں کے پیٹوں میں یہ چیزیں بھر گئی تھیں۔ اس کی وجہ سے تم دونوں کی یہ حالت ہوئی۔ اس کے بعد فرمایا کہ آئندہ کبھی غیبت کا ارتکاب مت کرنا۔ گویا اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے غیبت کی صورت مثالی دکھا دی کہ غیبت کا یہ انجام ہوتا ہے۔

غیبت کے متعلق ایک تابعی جن کا نام ربعی رحمہ اللہ ہے، وہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ایک مجلس میں پہنچا، میں نے دیکھا کہ لوگ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے ہیں، میں بھی مجلس میں بیٹھ گیا، اب باتیں کرنے کے دوران کسی آدمی کی غیبت شروع ہوگئی، مجھے یہ بات بری لگی کہ ہم یہاں مجلس میں بیٹھ کر کسی آدمی کی غیبت کریں، چنانچہ میں اس مجلس سے اٹھ کر چلا گیا۔ اس لیے اگر کسی مجلس میں غیبت ہو رہی ہو تو آدمی کو چاہیے کہ اس کو روکے اور اگر روکنے کی طاقت نہ ہو تو کم از کم اس گفتگو میں شریک نہ ہو۔ بلکہ اٹھ کر چلا جائے۔ چنانچہ میں چلا گیا، تھوڑی دیر بعد خیال آیا کہ اب اس مجلس میں غیبت کا موضوع ختم ہو گیا ہوگا۔ اس لیے میں دوبارہ اس مجلس میں جا کر ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اب تھوڑی دیر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں لیکن تھوڑی دیر کے بعد پھر غیبت شروع ہوگئی لیکن اب میری ہمت کمزور پڑ گئی اور میں اس مجلس سے نہ اٹھ سکا اور جو غیبت وہ لوگ کر رہے تھے پہلے تو اس کو سنتا رہا اور پھر میں نے خود بھی غیبت کے ایک دو جملے کہہ دیئے۔ جب اس مجلس سے اٹھ کر گھر واپس آیا اور رات کو سویا تو خواب میں ایک انتہائی سیاہ فام آدمی کو دیکھا۔ جو ایک بڑے سے طشت میں میرے پاس گوشت لے کر آیا۔ جب میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ خنزیر کا گوشت ہے۔ اور وہ سیاہ فام آدمی مجھ سے کہہ رہا ہے یہ خنزیر کا گوشت کھاؤ۔ میں نے کہا میں مسلمان ہوں خنزیر کا گوشت کیسے کھاؤں؟ اس نے کہا: نہیں یہ تمہیں کھانا پڑے گا۔ اور زبردستی اس نے گوشت کے ٹکڑے اٹھا

کر میرے منہ میں ٹھونسنے شروع کر دیئے۔ اب میں منع کرتا جا رہا ہوں اور وہ ٹھونستا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ مجھے متلی اور قے آنے لگی۔ مگر وہ ٹھونستا جا رہا تھا۔ پھر اسی شدید اذیت کی حالت میں میری آنکھ کھل گئی۔ جب بیدار ہونے کے بعد میں نے کھانا کھایا تو خواب میں جو خنزیر کے گوشت کا بدبودار اور خراب ذائقہ تھا۔ وہ ذائقہ مجھے اپنے کھانے میں محسوس ہوا۔ اور تیس دن تک میرا یہ حال رہا۔ جس وقت بھی میں کھانا کھاتا تو ہر کھانے میں اس خنزیر کے گوشت کا بدترین ذائقہ میرے کھانے میں شامل ہو جاتا۔ اور اس واقعہ سے اللہ تعالیٰ نے اس پر متنبہ فرمایا کہ ذرا سی دیر جو میں نے مجلس میں غیبت کر لی تھی۔ اس کا برا ذائقہ میں تیس دن تک محسوس کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)

ایک مرتبہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس ﷺ کے سامنے موجود تھیں۔ باتوں باتوں میں ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ذکر آ گیا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا قد ذرا چھوٹا تھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کا ذکر کرتے ہوئے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کر دیا کہ وہ چھوٹے قد والی ٹھگنی ہیں۔ زبان سے یہ نہیں کہا کہ وہ ٹھگنی ہیں۔ بلکہ صرف ہاتھ سے اشارہ کر دیا تو نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے عائشہ! آج تم نے ایک ایسا عمل کیا، اگر اس عمل کی بو اور اس کا زہر سمندر میں ڈال دیا جائے تو پورے سمندر کو بدبودار اور زہریلا بنا دے۔ اب ہمیں اندازہ لگانا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ نے غیبت کے معمولی اشارے کی کتنی برائی بیان فرمائی ہے اور پھر فرمایا کہ کوئی شخص مجھے ساری دنیا کی دولت لا کر دے دے تو بھی میں کسی کی نقل اتارنے کے لیے تیار نہیں، جس میں دوسرے کا مذاق ہو۔ جس میں اس کی برائی کا پہلو نکلتا ہو۔

اب تو نقل اتارنا فنون لطیفہ کے اندر داخل ہے۔ اور وہ شخص تعریف و توصیف کے کلمات کا مستحق ہوتا ہے۔ جس کو دوسرے کی نقل اتارنے کا فن آتا ہو۔ حالانکہ حضور اقدس ﷺ فرما رہے ہیں کہ کوئی شخص ساری دنیا کی دولت بھی لا کر دے دے تب بھی میں نقل اتارنے کے لیے تیار نہیں۔ اس سے ہم اچھی طرح اندازہ کر سکتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کتنے اہتمام سے ان باتوں سے روکا ہے۔ مگر ہم لوگوں کو معلوم نہیں کیا ہو گیا کہ ہم شراب پینے کو برا سمجھتے ہیں، زنا کاری کو برا سمجھتے ہیں، لیکن غیبت کو برا نہیں سمجھتے کوئی مجلس اس سے خالی نہیں۔ ہمیں چاہیے کہ اس سے بچنے کا خوب اہتمام کریں۔

اس ماحول کی خرابی کی وجہ سے ہماری حس خراب ہو گئی ہے، اس لیے گناہ کا گناہ ہونا محسوس نہیں ہوتا۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ ایک جگہ دعوت میں کھانے کے ایک دو لقمے کھا لیے تھے۔ وہ کھانا کچھ مشتبہ سا تھا۔ اس کے حرام ہونے کا کچھ شبہ تھا۔ بعد میں فرماتے تھے کہ میں نے وہ ایک یا دو لقمے جو کھا لیے تو اس کی ظلمت مہینوں تک قلب میں محسوس ہوتی رہی اور بار بار برے

خیالات دل میں آتے رہے۔ گناہ کرنے کے داعیے دل میں پیدا ہوتے رہے۔اور گناہ کی طرف رغبت ہوتی رہی۔

گناہ کا اثر ایک یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے قلب میں ظلمت پیدا ہو جاتی ہے۔اس ظلمت کے نتیجے میں دوسرے گناہ کرنے کے تقاضے پیدا ہوتے ہیں اوران کی طرف آدمی بڑھنے لگتا ہے۔اور گناہوں کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ بہرحال یہ غیبت کا گناہ بڑا خطرناک گناہ ہے۔جس کو اللہ تعالیٰ عقل سلیم عطا فرما دے وہی جان سکتا ہے کہ میں یہ کیا کررہا ہوں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ایک حدیث ہے جس کا صحیح مطلب لوگ نہیں سمجھتے اور وہ یہ کہ ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

"لَا غِيْبَةَ لِفَاسِقٍ وَلَا مُجَاهِرٍ"

''فاسق کی غیبت غیبت نہیں''۔اس کا مطلب بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی گناہ کبیرہ میں مبتلا ہے تو اس کی جو چاہو غیبت کرتے رہو، وہ جائز ہے۔ یا اگر کوئی بدعات میں مبتلا ہے تو اس کی غیبت جائز ہے۔حالانکہ اس قول کا یہ مطلب نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص علانیہ فسق و فجور میں مبتلا ہے مثلاً ایک شخص علی الاعلان کھلم کھلا شراب پیتا ہے تو اگر کوئی شخص اس کے پیٹھ پیچھے اس کے شراب پینے کا تذکرہ کرے گا تو اس کو ناگواری نہیں ہوگی۔اس لیے کہ وہ تو خود علانیہ لوگوں کے سامنے پیتا ہے۔لہٰذا یہ غیبت میں داخل نہ ہوگا۔

لیکن جو کام وہ دوسروں پر ظاہر کرنا نہیں چاہتا، اگر اس کا تذکرہ ہم لوگوں کے سامنے کریں گے تو وہ غیبت میں داخل ہوگا مثلاً کوئی شخص کھلم کھلا شراب پیتا ہے کھلم کھلا سود تو کھاتا ہے لیکن کوئی گناہ ایسا ہے جو وہ چھپ کر کرتا ہے اور لوگوں کے سامنے اس کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا اور وہ گناہ ایسا ہے کہ اس کا نقصان دوسرے کو نہیں پہنچ سکتا،تو اب اس کی غیبت کرنا اور گناہ کا تذکرہ کرنا جائز نہیں۔لہٰذا جس فسق و فجور کا ارتکاب وہ کھلم کھلا کر رہا ہو اس کا تذکرہ غیبت میں داخل نہیں۔ ورنہ غیبت میں داخل ہے۔ یہ مطلب ہے اس قول کا کہ ''فاسق کی غیبت غیبت نہیں''۔

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ ایک مجلس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ موجود تھے۔اسی مجلس میں کسی شخص نے حجاج بن یوسف کی برائیاں شروع کر دیں،تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ٹوکا اور فرمایا: دیکھو! یہ جو تم برائیاں بیان کر رہے ہو یہ غیبت ہے۔اور یہ مت سمجھنا کہ اگر حجاج بن یوسف کی گردن پر سینکڑوں انسانوں کا خون ہے تو اب اس کی غیبت

حلال ہوگئی، حالانکہ اس کی غیبت حلال نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ جہاں حجاج بن یوسف سے ان سینکڑوں انسانوں کے خون کا حساب لیں گے جو اس کی گردن پر ہیں، تو وہاں اس غیبت کا بھی حساب لیں گے جو تم اس کے پیچھے کر رہے ہو، اللہ محفوظ رکھے (آمین) لہٰذا اگر کوئی شخص فاسق و فاجر اور بدعتی ہے تو اس کی غیبت کرنے سے بھی احتراز کرنا چاہیے۔

غیبت کی اجازت کے مواقع

شریعت نے ہر چیز کی رعایت رکھی ہے۔ انسان کی فطرت کی بھی رعایت کی ہے۔ انسان کی جائز ضروریات کا بھی لحاظ رکھا ہے۔ لہٰذا غیبت سے چند چیزوں کو مستثنیٰ کر دیا ہے۔ اگرچہ بظاہر وہ غیبت ہیں لیکن شرعاً جائز ہیں۔ مثلاً:

1۔ ایک شخص کوئی ایسا کام کر رہا ہے جس سے دوسرے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ اب اگر اس دوسرے کو اس کے بارے میں نہ بتایا گیا تو وہ اس کے ہاتھوں سے نقصان کا شکار ہو جائے گا۔ اس وقت اگر اس دوسرے شخص کو بتا دیا جائے کہ فلاں شخص سے ہوشیار رہنا، تو ایسا کرنا جائز ہے۔ یہ بات خود حضور اقدس ﷺ نے سکھا دی۔ ہر بات بیان کر کے دنیا سے تشریف لے گئے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں بیٹھی ہوئی تھی اور ایک صاحب سامنے سے ہماری طرف آ رہے تھے۔ وہ صاحب راستے ہی میں تھے کہ حضور اقدس ﷺ نے اس شخص کی طرف اشارہ کر کے مجھ سے فرمایا:

بِئْسَ أَخُو الْعَشِيْرَةِ

یہ شخص اپنے قبیلے کا برا آدمی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ذرا سنبھل کر بیٹھ گئی کہ یہ برا آدمی ہے، ذرا ہوشیار رہنا چاہیے۔ جب وہ شخص مجلس میں آ کر بیٹھ گیا تو آپ ﷺ نے اپنی عادت کے مطابق نرم انداز میں گفتگو فرمائی۔ اس کے بعد جب وہ شخص چلا گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے فرمایا کہ یہ شخص برا آدمی ہے۔ لیکن جب وہ آدمی آپ کے پاس آ کر بیٹھ گیا تو آپ اس کے ساتھ بہت نرمی اور میٹھے انداز میں گفتگو فرماتے رہے، یہ کیا بات ہے؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: دیکھو وہ بدترین شخص ہے جس کے شر کے خوف سے لوگ اس کو چھوڑ دیں۔ یعنی اس آدمی میں طبیعت کے لحاظ سے فساد ہے۔ اگر اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ نہ کیا جائے تو فتنہ فساد کھڑا کر سکتا ہے۔ اس لیے میں نے اپنی عادت کے مطابق اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا۔

علمائے کرام نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتایا کہ یہ برا آدمی ہے۔ بظاہر یہ غیبت ہے مگر یہ جائز اس لیے ہے کہ اس شخص کی برائی کسی دوسرے شخص کو ظلم سے بچانے کے لیے کی گئی ہے۔ اس لیے یہ غیبت میں داخل نہیں۔ ایسا کرنا جائز ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کو مارنے یا حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہو، تو اس شخص کو بتا دینا جائز ہے کہ وہ فلاں شخص تم کو مارنے والا ہے، تاکہ وہ اپنا تحفظ کر سکے۔ بظاہر تو یہ غیبت ہے مگر جائز ہے۔

2۔ ایک اور موقعے پر بھی غیبت کو شریعت نے جائز قرار دیا ہے، وہ یہ کہ ایک شخص نے کسی دوسرے شخص پر ظلم کیا اور اس شخص (یعنی جس پر ظلم کیا گیا اس) نے اس ظلم کا تذکرہ کسی دوسرے سے کر دیا کہ میرے ساتھ یہ ظلم ہوا۔ یہ غیبت نہیں، چاہے وہ شخص جس کے سامنے تذکرہ کیا وہ اس ظلم کا تدارک کر سکتا ہو یا نہ کر سکتا ہو۔

مثلاً ایک شخص نے چوری کر لی اور اس کی چوری کا ذکر کسی ایسے شخص کے سامنے کر دیا جائے جو اس ظلم کا تدارک کر سکتا ہو یہ غیبت میں داخل نہیں ہے۔

شریعت نے ہماری فطرت کی رعایت رکھی ہے۔ انسان کی فطرت یہ ہے کہ جب اس کے ساتھ ظلم ہو جائے تو کم از کم وہ اپنا غم کسی کو بتا کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیتا ہے۔ چاہے دوسرا شخص اس کا تدارک کر سکتا ہو یا نہ کر سکتا ہو۔ اس لیے شریعت نے اس کی اجازت دی ہے۔

لَايُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ.(سورۃ النساء: 148)

ویسے تو اللہ پاک اس بات کو پسند نہیں فرماتے کہ برائی کا تذکرہ کیا جائے۔ البتہ جس شخص پر ظلم ہوا وہ اپنا ظلم دوسروں کے سامنے بیان کر سکتا ہے۔ یہ غیبت میں داخل نہیں بلکہ جائز ہے۔ بہر حال یہ مستثنیات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے غیبت سے نکال دیا ہے۔ اس میں غیبت کا گناہ نہیں۔ لیکن ان کے علاوہ مجلس میں بیٹھ کر قصہ گوئی کے طور پر، وقت گزاری کے طور پر، مجلس آرائی کے طور پر جو دوسروں کی برائیوں کا ذکر شروع کر دیا جاتا ہے وہ سب غیبت ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنی جانوں پر رحم کر کے اس کو روکنے اور ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اپنی زبان کو قابو میں رکھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو غیبت سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

غیبت سے بچنے کا طریقہ:

1۔ اگر زبان سے کسی کی غیبت سرزد ہو جائے تو (جس شخص کی غیبت کی ہے) اس کو بتا دیا جائے کہ میں نے آپ کی غیبت کی ہے۔ اس وقت دل پر آرے تو چلیں گے کیونکہ اپنی زبان سے کہنا بڑا مشکل کام ہے، لیکن علاج یہی ہے۔ اگر یہ علاج کر لیا تو آئندہ اس گناہ سے بچنا آسان ہوگا۔

2۔ جب دوسرے کا تذکرہ زبان پر آنے لگے تو اس وقت فوراً اپنے عیوب کا استحضار کیا جائے (اپنے

عیوب کو سوچا جائے)۔ کوئی انسان ایسا نہیں ہے جو عیب سے خالی ہو۔ یہ خیال لایا جائے کہ خود میرے اندر تو فلاں برائی ہے۔ میں دوسروں کی کیا برائی بیان کروں اور اللہ کے عذاب کا دھیان کیا جائے۔ یہ سوچا جائے کہ اگر برائی کا ایک کلمہ بھی کہہ دوں گا تو انجام بہت برا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی مانگتے رہنا چاہیے کہ وہ ہمیں اس بلا سے نجات عطا فرما دے۔ جب کبھی بھی مجلس میں تذکرہ آئے تو فوراً اللہ کی طرف رجوع کر لینا چاہیے کہ یا اللہ! اس مجلس میں یہ تذکرہ آرہا ہے مجھے بچا لیجئے۔

البتہ بعض روایات میں ہے (جو اگرچہ ہیں تو ضعیف لیکن معنی کے اعتبار سے صحیح ہیں) کہ اگر کسی کی غیبت ہوگئی ہے تو اس غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ اس کے لیے خوب دعائیں کی جائیں، استغفار کیا جائے، معلوم نہیں کن کن لوگوں کی غیبت کر لی۔ لیکن اب تک جن کی غیبت کی ہے ان کو کہاں کہاں تک یاد کیا جائے اور ان سے کیسے معافی مانگی جائے۔ اس لیے اب ان کے لیے خوب دعا اور استغفار کیا جائے۔ اب آئندہ انشاء اللہ کسی کی غیبت نہ کرنے کا پکا عزم ہو۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے تو یہاں تک فرمایا کہ غیبت سے بچنے کا آسان راستہ یہ ہے کہ کسی دوسرے کا ذکر ہی نہ کیا جائے۔ نہ اچھائی سے نہ برائی سے، کیونکہ یہ شیطان بڑا ہی خبیث ہے، کہ جب تم کسی کا اچھائی سے ذکر کرتے ہو تو یہ ذکر کرتے کرتے شیطان کوئی نہ کوئی ایسا جملہ بیچ میں ڈال دیتا ہے جس سے وہ اچھائی برائی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور گفتگو کا رخ غیبت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جن حالات میں اور جس معاشرے سے ہم لوگ گزر رہے ہیں اس میں رہتے ہوئے یہ کام ہے تو مشکل لیکن ناممکن نہیں۔ کیونکہ اگر اس سے بچنا انسان کے اختیار میں نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو حرام نہ فرماتے۔ لہٰذا اس سے بچنا انسان کے اختیار میں ہے۔ جب کبھی مجلس میں کسی اچھی گفتگو کا موضوع تبدیل ہو جائے تو اس کو واپس لانے کی کوشش کرنی چاہیے، اور اگر کبھی غیبت کے اندر مبتلا ہو جائیں تو فوراً استغفار کر لینا چاہیے اور آئندہ اس سے بچنے کا عزم کر لینا چاہیے۔

غیبت ایسی بری چیز ہے جس (کے ذریعے) سے جھگڑے، فساد اور، باہمی نا اتفاقیاں پیدا ہوتی ہیں۔ معاشرے میں اس وقت جو بگاڑ نظر آرہا ہے اس میں بہت بڑا دخل غیبت کا ہے۔ چنانچہ اس غیبت کو ختم کرنے کے لیے ہمیں پکا عزم کرنا ہے۔ کیونکہ جب تک انسان کسی کام کا عزم اور ارادہ نہیں کر لیتا اس وقت تک کوئی کام نہیں ہوتا۔ دوسری طرف یہ کہ شیطان ہر اچھے کام کو ٹلواتا رہتا ہے کہ یہ کام کل سے شروع کریں گے۔ جب کل آئی تو کوئی عذر پیش آگیا، وہ کل کبھی زندگی میں نہیں آئے گی۔ اس لیے کل کے کام کو آج ہی کرنا ہے۔

جس طرح اگر کسی کو کوئی روزگار نہ مل رہا ہو تو روزگار کے حاصل کرنے کے لیے بے چین ہوگا۔ اگر کسی پر قرضہ ہو تو اس کو ادا کرنے کے لیے بے چین ہوگا، بیمار ہو تو شفا حاصل کرنے کے لیے بے چین ہوگا، تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہمارے اندر اس بات کی بے چینی کیوں نہیں ہو رہی کہ یہ بری عادت ہم سے نہیں چھوٹ رہی؟ بے چینی پیدا کر کے دو رکعت صلوٰۃ الحاجت پڑھ کر اللہ سے دعا کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو تمام برائیوں سے بچائے اور نیک اعمال پر استقامت عطا فرمائے۔ دعا کرنے کے بعد عزم کر کے اپنے آپ کو پابند بنانے کی کوشش کرنی ہے۔

غیبت کے ساتھ ساتھ اور دوسری برائیوں کی مذمت:

سورۃ الحجرات میں اللہ تعالیٰ نے ان دو آیتوں میں ارشاد فرمایا:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ o یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ o

اے ایمان والو! نہ مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہیے ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہیے۔ ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا برا ہے، اور جو باز نہ آئیں گے تو وہ ظلم کرنے والے ہیں۔ اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ اور سراغ مت لگایا کرو۔ اور کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرو۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس کو تو ناگوار سمجھتے ہو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان ہے۔

کسی کا مذاق اڑانا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی جڑ اس طرح کاٹی ہے کہ جس کا تم مذاق اڑا رہے ہو، ہوسکتا ہے کہ وہ تم سے بہتر ہو۔ مثلاً: ایک آدمی باہر سے دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے، اندر والے کو کچھ معلوم نہیں کہ باہر کون ہے۔ لیکن دروازہ کھولنے کے بجائے اندر بیٹھا ہوا دروازہ کھٹکھٹانے والے کو برے برے الفاظ کہے اور جب دروازہ کھولا تو معلوم ہوا کہ وہ کوئی بڑا آدمی تھا (یعنی دین یا دنیا کے لحاظ سے) یا اس کا کوئی استاد یا افسر تھا، عزت دار آدمی تھا۔ اب دروازہ کھولنے کے بعد اپنے الفاظ پر اس کو کتنی شرمندگی ہوگی۔ لہٰذا معلوم کیے بغیر آنے والے کو تحقیر آمیز جملے کہہ دینا بالکل مناسب نہیں۔

اسی طرح اللہ پاک فرماتے ہیں کہ جس کا تم مذاق اڑاتے ہو، ہوسکتا ہے کہ وہ تم سے بہتر ہو۔ ابھی تو غیب کا پردہ لٹکا ہوا ہے کچھ معلوم نہیں کہ کون کس مرتبے کا ہے۔ قیامت کے دن جب یہ پردہ ہٹایا جائے گا اور ہر ایک کا مرتبہ ظاہر کر دیا جائے گا، اس وقت کتنی شرمندگی ہوگی۔ اگر کسی اچھے آدمی کا مذاق اڑایا ہوگا تو کس قدر ندامت کا سامنا ہوگا۔ لہٰذا کسی کا مذاق نہیں اڑانا چاہیے۔

چنانچہ مذاق اڑانے اور مزاح کرنے میں ایک واضح فرق ہے۔ مذاق اڑانے سے دوسرے کی تخفیف مراد ہوتی ہے، یعنی دوسرے کی عزت کو ہلکا کرنا، اور مزاح سے مراد اس کو مانوس کرنا ہوتا ہے۔ یعنی کوئی ایسی بات کہی جائے کہ جس سے خوش طبعی پیدا ہو جائے اور وہ شخص مانوس ہو جائے۔ دل توڑنے کا نام خوش طبعی نہیں۔ یہ ہماری بہت بڑی غلطی ہے کہ دوسروں کا دل توڑ کر کہتے ہیں کہ میں تو ویسے ہی مذاق کر رہا تھا۔ اس میں ایک تو مذاق اڑانے کا گناہ ہوا، دوسرا جھوٹ بولنے کا۔

دوسری ہدایت اس آیت شریفہ میں یہ فرمائی کہ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کیا کرو۔ سورۃ الھمزہ میں ایسے شخص کے لیے "وَيْلٌ" کا لفظ استعمال کیا ہے۔

"وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ"

(بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لیے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہو، اور رُو در رُو طعنہ دینے والا ہو)۔

کسی کی عیب جوئی کرنا اور کسی کو اس کے عیب کا طعنہ دینا بڑا گناہ ہے۔ بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ اگر کسی کا کوئی عیب معلوم ہو جائے تو اس کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ کسی کا عیب کسی کے سامنے بیان کرنا کم ظرفی کی علامت ہے۔ اکابر فرماتے ہیں: صُدُوْرُ الْاَحْرَارِ قُبُوْرُ الْاَسْرَارِ یعنی آزاد اور شریف لوگوں کے سینے لوگوں کے بھیدوں کی قبریں ہیں۔

الغرض کسی کا عیب اس کی غیر موجودگی میں بیان کرنا غیبت ہے۔ اس کے منہ پر کہنا طعن کہلاتا ہے۔

ایک ہدایت یہ فرمائی کہ ایک دوسرے کو برے القاب اور برے ناموں سے نہ پکارو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو زمانہ جاہلیت میں ہم میں سے ہر ایک کے دو، دو، چار، چار، نام تھے۔ ایک دن آنحضرت ﷺ نے ایک صاحب کو اس کا نام لے کر بلایا تو عرض کیا گیا کہ وہ شخص اس نام سے بلانے جانے کو پسند نہیں کرتا۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے اعلان عام کر دیا اور ممانعت فرما دی کہ کسی شخص کا ایک سے زیادہ نام نہ رکھا جائے، اور یہ جو برے برے لقب لوگوں نے تجویز کر رکھے ہیں ان القاب کو استعمال نہ کیا جائے۔ اصل نام کو چھوڑ کر جو اور نام رکھے جاتے ہیں وہ کسی نہ کسی عیب کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس لیے اللہ نے برے القاب سے پکارنے کی ممانعت فرما دی۔

دوسری آیت میں بدگمانی اور تجسس سے منع فرمایا۔ بدگمانی یہ ہے کہ کسی شخص نے بڑی خیر خواہی کے طور پر کوئی بات کہی۔ اس کی بات خیر خواہانہ تھی اور اس کا مقصد اچھا تھا۔ مگر ہم نے اپنے پاس سے اس کا برا مقصد تصنیف کر لیا کہ اس مقصد کے لیے اس نے یہ بات کہی ہے۔ اچھا مقصد ذہن میں نہیں آتا اور یہ بھی خاص عورتوں کی بیماری ہے۔ چونکہ ذہن میں کجی ہوتی ہے اس لیے بدگمانی کے طور پر اپنی طرف سے وجہ تصنیف کر لیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسی بدگمانی ناجائز ہے کیونکہ گمان گناہ ہوتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں:

"اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ، فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْث"

"یعنی بدگمانی سے بچا کرو اس لیے کہ بدگمانی سب سے بدترین جھوٹی بات ہے۔"

جس گھر میں بدگمانی داخل ہو جائے وہ گھر اجڑ جاتا ہے۔ اور جس معاشرے میں بدگمانی کا دور دورہ ہو جائے وہ معاشرہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب ہر آدمی دوسرے کی بات کا الٹا مطلب لے گا اور ہر شخص دوسرے سے بدگمان رہے گا تو باہمی اعتماد کیسے پیدا ہوگا۔ آج ہمارے معاشرے میں یہ ساری برائیاں موجود ہیں جس کی بناء پر آج ہر طرف بے راہ روی کی آگ لگی ہوئی ہے۔

دوسری بڑی برائی یہ کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں پر حد درجہ کی ناشکری، یہ برائی زیادہ عورتوں میں پائی جاتی ہے۔ گھر میں اللہ تعالیٰ نے کتنا ہی راحت کا سامان کر رکھا ہو۔ کھانے کو موجود ہے، پہننے کو موجود ہے، ہر قسم کی راحت ہے۔ اللہ نے عزت بھی دے رکھی ہے، رزق بھی دے رکھا ہے مگر پھر بھی اللہ کے شکر کے کلمات زبان سے ادا نہیں ہوتے۔ ہر وقت ناشکری، شکوہ اور شکایت کے علاوہ کچھ زبان سے نکلتا ہی نہیں۔

دنیا کی ساری نعمتیں کسی کو بھی حاصل نہیں ہو سکتیں۔ یہ تو حکمت کے خلاف ہے۔ ہم چاہیں کہ دنیا میں کوئی رنج اور پریشانی نہ ہو، کوئی حاجت ایسی نہ ہو جو پوری نہ ہو، یہ تو اس دنیا میں ممکن نہیں۔ پھر یہ دنیا دنیا کیوں ہوگی جنت ہوگی۔ یہ تو اللہ کی حکمت ہے کہ کسی کو دکھ عطا کیا، کسی کو سکھ عطا کیا۔ ہمیں تو ہر حال میں اللہ کا شکر بجالانا ہے۔ لیکن عورتیں بیچاری اس عمل میں بہت ہی کمزور ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْر ٥

اور بہت کم ہیں میرے بندوں میں شکر ادا کرنے والے۔

الغرض عورتیں شوہر کی ناشکری بہت کرتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جو انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا"

کسی کے عیب کی ٹوہ لگانا ایک گناہ ہے جو کہ عورتوں میں بکثرت پایا جاتا ہے۔

فرمایا کہ مسلمانوں کی کمزوریاں اور ان کے عیوب تلاش کر کے بیان نہ کرو۔ اس لیے کہ برائی کا بدلہ

ویسی ہی برائی ہوتی ہے۔تم مسلمانوں کے عیوب تلاش کرو گے تو اللہ تبارک و تعالیٰ تمہارے عیوب تلاش کرینگے۔اگر اللہ تعالیٰ کسی کے عیوب تلاش کرنے لگیں تو اس کو گھر بیٹھے رسوا کر دیں۔اسی لیے فرمایا کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی (کے عیوب) پر پردہ ڈالے گا (کہ کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کرے گا) تو قیامت کے دن اللہ و تبارک و تعالیٰ اس کے عیوب پر پردہ ڈالیں گے۔جیسا معاملہ تم مسلمانوں کے ساتھ کرو گے ویسا ہی معاملہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ کریں گے۔

چغلی

ایک اور گناہ جو غیبت سے ملتا جلتا ہے، اور اتنا ہی سنگین ہے، بلکہ اس سے زیادہ سنگین ہے، وہ ہے چغلی۔ عربی زبان میں اس کو نمیمہ کہتے ہیں۔ اردو زبان میں نمیمہ کا ترجمہ چغلی سے کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کا یہ صحیح ترجمہ نہیں ہے اس لیے کہ نمیمہ کی حقیقت یہ ہے کہ کسی شخص کی کوئی برائی دوسرے کے سامنے اس نیت سے کی جائے تاکہ سننے والا اس کو کوئی تکلیف پہنچائے۔ اور یہ شخص خوش ہو کہ اچھا ہوا اس کو یہ تکلیف پہنچی۔ یہ ہے نمیمہ کی تعریف۔ اور اس میں ضروری نہیں۔ کہ جو برائی اس نے بیان کی ہو وہ حقیقت میں اس کے اندر موجود ہو۔ چاہے وہ برائی اس کے اندر موجود ہو یا نہ ہو۔ لیکن محض اس وجہ سے اس کو بیان کیا تاکہ دوسرا شخص اس کو تکلیف پہنچائے یہ نمیمہ ہے۔

قرآن وحدیث میں اس کی بہت زیادہ مذمت بیان کی گئی ہے۔ اور یہ غیبت سے بھی زیادہ شدید اس وجہ سے ہے کہ غیبت میں نیت کا برا ہونا ضروری نہیں لیکن نمیمہ میں بدنیتی کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اس لیے یہ نمیمہ دوگناہوں کا مجموعہ ہے۔ ایک تو اس میں غیبت ہے دوسرے یہ کہ دوسرے مسلمان کو تکلیف پہنچانے کی خواہش اور نیت بھی ہے۔ اس لیے اس میں ڈبل گناہ ہے اور اس لیے قرآن وحدیث میں اس پر بڑی سخت وعید آئی ہے۔

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ (سورۃ القلم: 110)

کافروں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اس شخص کی طرح چلتے ہیں جو دوسرے کے اوپر طعنے دیتا ہے۔ اور چغلیاں لگاتا پھرتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

لَا يُدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ

قتات یعنی چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ "قتات" بھی چغل خور کو کہتے ہیں۔

حضور ﷺ نے چغلی کو قبر کے عذاب کا سبب قرار دیا۔ اس لیے یہ چغلی کا عمل غیبت سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اس لیے کہ اس میں بدنیتی سے دوسروں کے سامنے برائی بیان کرتا ہے تاکہ دوسرا شخص اس کو تکلیف پہنچائے۔

امام غزالی رحمہ اللہ "احیاء العلوم" میں فرماتے ہیں: دوسروں کا کوئی راز فاش کر دینا بھی چغلی کے اندر

داخل ہے۔ایک آدمی یہ نہیں چاہتا کہ میری یہ بات دوسروں پر ظاہر ہو وہ بات اچھی ہو یا بری ہو اس سے بحث نہیں۔ مثلاً ایک مالدار آدمی ہے اور وہ اپنی دولت دوسروں سے چھپانا چاہتا ہے اور وہ یہ نہیں چاہتا کہ دوسروں کو یہ معلوم ہو کہ میرے پاس اتنی دولت ہے اب آپ نے کس طرح ہن گن لگا کر پتہ لگا لیا کہ اس کے پاس اتنی دولت ہے اب آپ ہر شخص سے کہتے پھر رہے ہیں کہ اس کے پاس اتنی دولت ہے۔ یہ جو اس کا راز آپ نے افشاء کر دیا یہ بھی چغلی کے اندر داخل ہے اور حرام ہے۔

یا مثلاً ایک شخص نے اپنے گھریلو معاملات کے اندر کوئی پلان یا منصوبہ بنا رکھا ہے ہم نے کسی طرح پتہ چلا کر دوسروں کے سامنے بیان کرنا شروع کر دیا۔ یہ چغلی ہے۔ اسی طرح کسی کا کسی قسم کا راز ہو اس کی اجازت کے بغیر دوسروں پر افشاء کرنا چغلی کے اندر داخل ہے۔

ایک حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ

مجلسوں کے اندر جو بات کی جاتی ہے وہ بھی امانت ہے۔ مثلاً کسی شخص نے ہم کو راز دار سمجھ کر مجلس میں ہم سے ایک بات کہی۔ اب وہ بات جا کر دوسروں سے نقل کر رہے ہیں تو یہ امانت میں خیانت ہے۔ اور یہ بھی چغلی کے اندر داخل ہے۔

حسد

جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے ظاہری اعمال میں بعض چیزیں فرض اور واجب قرار دی ہیں، اور بعض چیزیں گناہ قرار دی ہیں، اسی طریقے سے ہمارے باطنی اعمال میں بہت سے اعمال فرض ہیں، اور بہت سے اعمال گناہ اور حرام ہیں، ان سے بچنا اور اجتناب کرنا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا ظاہر کے کبیرہ گناہوں سے بچنا ضروری ہے۔ اسی سلسلے میں ایک باطنی اور خطرناک بیماری کا ذکر کرنا مقصود ہے اور وہ بیماری ہے ''حسد''۔

حدیث شریف میں آیا ہے:

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: اِیَّاکُمْ وَالْحَسَدَ، فَاِنَّ الْحَسَدَ یَأْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَأْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ، أَوْقَالَ: الْعَشَبَ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حسد سے بچو۔ اس لیے کہ حسد انسان کی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو یا سوکھی گھاس کو کھا جاتی ہے۔

راوی کو شک ہے کہ آپ ﷺ نے لکڑی کا لفظ بیان فرمایا تھا یا سوکھی گھاس کا یعنی جس طرح آگ سوکھی لکڑی یا سوکھی گھاس کو لگ جائے تو وہ اس کو بھسم کر ڈالتی ہے، ختم کر دیتی ہے اسی طرح اگر کسی شخص میں حسد کی بیماری ہو تو وہ اس کی نیکیوں کو کھا جاتی ہے۔

عَنِ الزُّبَیْرِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: دَبَّ اِلَیْکُمْ دَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَکُمْ الْحَسَدُ وَالْبُغْضَاءُ هِیَ الْحَالِقَةُ لَاأَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰکِنْ تَحْلِقُ الدِّیْنَ. (رواہ احمد والترمذی)

ترجمہ:۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگلی امتوں کی مہلک بیماری یعنی حسد و بغض تمہاری طرف چلی آرہی ہے۔ یہ بالکل صفایا کر دینے والی اور مونڈ دینے والی ہے۔ (پھر اپنا مقصد واضح کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا) میرے اس کہنے کا یہ مقصد نہیں کہ یہ بالوں کو مونڈنے والی ہے بلکہ یہ مونڈتی ہے اور بالکل صفایا کرتی ہے دین کا۔

حسد کی حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو دیکھا کہ اس کو کوئی نعمت ملی ہوئی ہے، چاہے وہ نعمت دنیا کی ہو یا دین کی۔ اس نعمت کو دیکھ کر اس کے دل میں جلن اور کڑھن پیدا ہو کہ اس کو یہ نعمت کیوں مل گئی، اور

دل میں یہ خواہش ہو کہ یہ نعمت اس سے چھن جائے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کو مال و دولت دیا، یا کسی کو صحت کی دولت دی، یا کسی کو شہرت دی، یا عزت دی، یا کسی کو علم دیا، یا اس کو کوئی عہدہ مل گیا، اس کا کاروبار چمک گیا، اور اگر اس کے خلاف کوئی بات ہوتی ہے تو وہ اس سے خوش ہوتا ہے، اور اگر اس کی ترقی سامنے آتی ہے تو اس سے دل میں رنج اور افسوس ہوتا ہے کہ یہ کیوں آگے بڑھ گیا۔ اور اس کے برعکس اگر کسی کی کوئی نعمت دیکھ کر یہ تمنا پیدا ہو کہ اللہ پاک مجھے بھی ایسی نعمت عطا فرما دیں، تو اس کو غِبطہ یعنی رشک کرنا کہتے ہیں۔

حسد کے معنی کو سامنے رکھ کر غور کریں تو یہی واضح ہوتا ہے کہ حسد کرنے والا درحقیقت اللہ پاک کی تقدیر پر اعتراض کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت اس کو کیوں دی؟ مجھے کیوں نہیں دی؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر اعتراض کر رہا ہے، قادر مطلق پر اعتراض کر رہا ہے، اپنے محسن اور منعم پر اعتراض کر رہا ہے اور ساتھ ساتھ یہ خواہش کر رہا ہے کہ یہ نعمت کسی طرح اس سے چھن جائے۔ اسی وجہ سے یہ بہت سنگین اور خطرناک ہے۔ چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام کا قول ہے کہ حق تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ میرے بندے پر نعمت دیکھ کر حسد کرنے والا گویا میری اس تقسیم سے ناراض ہے۔

حاسد کو جاننا چاہیے کہ اس کا حسد اسی کو نقصان پہنچا رہا ہے، اس سے محسود کا (جس پر حسد کر رہا ہے) کچھ بھی نہیں بگڑتا بلکہ اس کا تو اور نفع ہے کہ حاسد کی نیکیاں مفت میں اس کے ہاتھ آ رہی ہیں، برخلاف حاسد کے کہ اس کے دین کا بھی نقصان ہے اور دنیا کا بھی۔

دین کا نقصان تو یہ ہے کہ اس کے کئے ہوئے نیک اعمال حبط ہوئے جاتے ہیں نیکیاں چلی جاتی ہیں اور حق تعالیٰ کے غصے کا نشانہ بنتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے وسیع خزانے کی بے شمار نعمتوں میں بخل کرتا ہے اور دوسرے پر انعام ہونا نہیں چاہتا۔ اور دنیا کا نقصان یہ ہے کہ حاسد ہمیشہ رنج و غم میں مبتلا رہتا ہے اور اسی فکر میں گھلتا رہتا ہے کہ کسی طرح فلاں شخص کو ذلت و افلاس نصیب ہو۔ حسد کرنے سے محسود کا کوئی نقصان نہیں اس کی نعمت میں کسی قسم کی بھی کوئی کمی نہیں آئی بلکہ اور نفع ہوا کہ حاسد کی نیکیاں اس کے اعمال نامے میں درج ہوگئیں، بلکہ اس کا الٹا معاملہ یہ ہوا کہ حاسد چاہتا تو یہ تھا کہ محسود دنیا میں تنگ نظر آئے مگر وہ خود ہی اس میں پھنس گیا۔

حسد کے 3 درجات ہیں

1۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ دل میں یہ خواہش ہو کہ مجھے بھی ایسی نعمت مل جائے، اب اگر اس کے پاس رہتے ہوئے مل جائے تو بہت اچھا، ورنہ اس سے چھن جائے اور مجھے مل جائے۔

2۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ جو نعمت دوسرے کو ملی ہوئی ہے وہ نعمت اس سے چھن جائے، اور دوسرے قدم پر یہ خواہش ہے کہ مجھے وہ نعمت مل جائے۔

3۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ دل میں یہ خواہش ہو کہ یہ نعمت اس سے کسی طرح چھن جائے، اور اس نعمت کی وجہ سے اس کو جو امتیاز اور جو مقام حاصل ہوا ہے، اس سے وہ محروم ہو جائے، چاہے وہ نعمت مجھے ملے یا نہ ملے۔ یہ حسد کا سب سے رذیل ترین، ذلیل ترین خبیث ترین درجہ ہے۔ اللہ پاک ہم سب کو محفوظ فرمائے۔

سب سے پہلے حسد کرنے والا ابلیس ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمایا کہ میں اس کو زمین میں خلافت عطا کروں گا، اپنا خلیفہ بناؤں گا۔ اور پھر حضرت آدم علیہ السلام کو یہ مقام عطا فرمایا کہ فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو، بس یہ حکم سن کر ابلیس جل گیا کہ ان کو یہ مقام مل گیا اور مجھے نہ ملا، اور اس کے نتیجے میں سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ لہٰذا سب سے پہلے حسد کرنے والا بھی شیطان ہے۔ قرآن وحدیث میں کئی مقامات پر حسد کی مذمت آئی ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ" (النساء54)

ترجمہ: کیا لوگ دوسروں پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت دوسروں کو عطا کر دی۔ اب یہ لوگ اس پر حسد کر رہے ہیں اور جل رہے ہیں۔

یہ حسد ایسی بری بیماری ہے جو نہ صرف آخرت میں انسان کو ہلاک کرنے والی ہے بلکہ دنیا کے اندر بھی انسان کے لیے مہلک ہے۔ لہٰذا اس کے ذریعے دنیا کا بھی نقصان ہے اور آخرت کا بھی نقصان۔ اس لیے کہ جو شخص دوسرے سے حسد کرے گا وہ ہمیشہ تکلیف اور گھٹن میں رہے گا اس لیے کہ جب بھی دوسرے کو آگے بڑھتا ہوا دیکھے گا تو اس کو دیکھ کر اس کے دل میں رنج اور غم اور گھٹن پیدا ہوگی اور اس گھٹن کے نتیجے میں وہ رفتہ رفتہ اپنی صحت کو بھی خراب کر لے گا۔

عربی کا ایک شعر ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حسد کی مثال آگ جیسی ہے اور آگ کی خاصیت یہ ہے کہ جب اس کو دوسری چیز کھانے کو ملے تب تو یہ اس کو کھاتی رہے گی مثلاً لکڑی کو آگ لگی ہوئی ہے تو وہ آگ لکڑی کو کھاتی رہے گی۔ لیکن جب لکڑی ختم ہو جائے گی تو پھر آگ کا ایک حصہ خود اس کے دوسرے حصے کو کھانا شروع کر دے گا۔ یہاں تک کہ وہ آگ بھی ختم ہو جائے گی۔ اسی طرح حسد کی آگ بھی ایسی ہے کہ حسد کرنے والا پہلے تو دوسرے کو خراب کرنے اور دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن جب دوسرے کو نقصان نہیں پہنچا سکتا تو پھر حسد کی آگ میں خود جل جل کر ختم ہو جاتا ہے۔

حاسد کو چاہیے کہ یہ تصور کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں اپنی خاص حکمتوں اور مصلحتوں سے انسانوں کے درمیان اپنی نعمتوں کی تقسیم فرمائی ہے۔ کسی کو کوئی نعمت دے دی تو کسی کو کوئی نعمت، کسی کو صحت کی نعمت دے دی، تو کسی کو مال و دولت کی نعمت دے دی، کسی کو عزت کی نعمت دے دی، کسی کو حسن و جمال کی

نعمت دے دی، کسی کو چین وسکون کی نعمت دے دی۔ اور اس دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس کو کوئی نہ کوئی نعمت میسر نہ ہو اور کسی نہ کسی تکلیف میں مبتلا نہ ہو۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں تین عالم پیدا فرمائے ہیں۔ ایک عالم وہ ہے جس میں راحت ہی راحت ہے تکلیف کا گزر نہیں، رنج وغم کا نام نشان نہیں۔ وہ ہے جنت کا عالم۔ اور ایک عالم بالکل اس کے مقابل میں ہے جس میں تکلیف ہی تکلیف ہے، غم ہی غم ہے، صدمہ ہی صدمہ ہے، راحت اور خوشی کا وہاں گزر اور نام ونشان نہیں۔ وہ ہے جہنم کا عالم۔ تیسرا عالم وہ ہے جو دونوں سے مرکب ہے، جس میں خوشی بھی ہے، غم بھی ہے، راحت بھی ہے، تکلیف بھی ہے۔ وہ ہے عالم دنیا۔

اس عالم دنیا کے اندر کوئی انسان ایسا نہیں ملے گا جو یہ کہے کہ مجھے ساری زندگی کبھی کوئی تکلیف پیش نہیں آئی اور نہ کوئی ایسا انسان ملے گا جس کو کبھی کوئی راحت وخوشی حاصل نہ ہوئی ہو۔ یہاں پر ہر خوشی کے اندر رنج کا کانٹا بھی لگا ہوا ہے اور ہر تکلیف کے اندر راحت بھی پوشیدہ ہے، نہ یہاں کی راحت خالص ہے اور نہ یہاں کی تکلیف خالص ہے۔ اردو کے اندر مثل مشہور ہے کہ ''اللہ تعالیٰ گنجے کو ناخن نہ دے''۔ یہ بڑی حکیمانہ مثل ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں جو مال ودولت کی نعمت حاصل نہیں ہے، اگر تم کو مل جاتی تو نہ جانے تم اس کی وجہ سے کیا فساد برپا کرتے، اور کس عذاب میں مبتلا ہو جاتے اور اس کی کیسی ناقدری کرتے، اور تمہارا کیا حشر بنتا؟ اب اگر اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت تمہیں نہیں دی تو کسی مصلحت کی وجہ سے نہیں دی ہے۔ اسی وجہ سے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَافَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ.

ترجمہ:۔ اور تم کسی ایسے امر کی تمنا مت کیا کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے۔

کیوں؟ اس لیے کہ تمہیں کیا معلوم کہ اگر تم کو وہ نعمت حاصل ہوگئی تو تم کیا فساد برپا کرو گے؟ واقعات میں آتا ہے کہ ایک آدمی تمنا کرتا رہا کہ فلاں نعمت مجھے مل جائے، مگر جب وہ نعمت مل گئی تو بجائے مفید ہونے کے اس کے لیے مضر ثابت ہوئی۔ اس لیے سب سے پہلے یہ سوچنا چاہیے کہ اگر دوسرے شخص کو نعمت مل جانے پر دل جل رہا ہے، تو یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر اعتراض ہے اور اس کی مصلحت سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ تمہیں اس سے بھی بڑی کوئی نعمت میسر ہو جو اس کو حاصل نہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اے مومن! تو کسی مسلمان بھائی کی نعمت کو دیکھ کر اس پر کیوں حسد کرتا ہے؟ کیوں جلتا ہے؟ اس کو جو نعمت ملی ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ملی ہے۔ اور تم کو جو نہیں ملی یہ بھی من جانب اللہ نہیں ملی، اب جو تم اس پر حسد کرتے ہو اس کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں۔ ایک تو تم یہ

کہتے ہو کہ یہ شخص اس نعمت کا اہل نہیں تھا۔ چنانچہ اس کو نہیں ملنی چاہیے تھی، یا اللہ تعالیٰ کو تقسیم نہیں کرنا آتا (نعوذ باللہ)، تب ہی تو تم اعتراض کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت اس شخص کو کیوں دے دی؟

حاسد اپنی آگ میں خود ہی جلتا ہے؟ جس پر حسد کر رہا ہے اس کی نعمت زائل نہیں ہوگی۔ بلکہ یہ خود ہی جلتا رہے گا، دنیا میں بھی جلے گا اور آخرت میں بھی جلے گا۔ یہاں حسد کی آگ میں جلتا ہے، وہاں جا کر جہنم کی آگ میں جلے گا۔

حسد کی بیماری بہت سی برائیوں کا منبع ہے۔ جب اس کو کسی پر حسد ہوگا تو لوگوں کے سامنے اس کی برائی بیان کرے گا تا کہ لوگوں کے دل میں اس کی عزت نہ رہے کیونکہ یہ سمجھے گا کہ لوگوں کے دل میں اس کی عزت ہے میری نہیں۔ اس نعمت کی وجہ سے اس کو نیچے گرانا چاہے گا تو اس کی برائیاں کرے گا، اس کو کوئی نہ کوئی ایذاء پہنچانے کی کوشش کرے گا، اس کو کسی نہ کسی طرح ستائے گا۔ یہ وہ تمام افعال ہیں جن کی وجہ سے یہ غضب الٰہی کا مورد بنے گا۔ کسی مسلمان کی غیبت کرنا بھی کبیرہ گناہ ہے، کسی مسلمان کو ایذا پہنچانا بھی کبیرہ گناہ ہے، یہ کوئی نہ کوئی تہمت تراشے گا، کوئی نہ کوئی بات بنائے گا، لوگوں کے ذہن کو اس کی طرف سے پھیرنے کے لیے کوئی نہ کوئی افسانہ تراشے گا، تو غیبت، بہتان تراشی اور ایذاء رسانی جیسے گناہ اس حسد سے پیدا ہوتے ہیں۔

اسی بناء پر حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

اِیَّاکَ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ.

ترجمہ:۔ حسد سے بچو! کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا لیتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا لیتی ہے۔

یہ حاسد بے چارہ حسد میں مشغول ہے کہ اول تو اس سے نیکیاں کی ہی نہیں جائیں گی۔ جس شخص کو فیصلہ خداوندی پر اعتراض ہو وہ نیکی کیا کرے گا، جو شخص اللہ تعالیٰ سے ناخوش ہو، اسے طاعت وعبادت کی توفیق کیسے ہوگی؟ وہ تو آگ میں جلے گا۔ اور پھر حسد کرنے کی وجہ سے اس سے گناہ سرزد ہونگے۔ کسی مسلمان کی غیبت کرنے کے، اس پر بہتان لگانے کے، اس کو ستانے کے، اس کے خلاف تدبیر کرنے کے، لوگوں کو برگشتہ کرنے کے۔ اور آخرت کا اصول یہ ہے کہ جتنی کسی مسلمان کی برائی کرے گا اس کو ستائے گا قیامت کے دن اس کی اتنی نیکیاں لے کر مظلوم کو دلوا دی جائیں گی۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا: بتاؤ حقیقی مفلس کون ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ مفلس وہ ہے جس کے پاس پیسے نہ ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں! یہ حقیقی مفلس نہیں، بلکہ حقیقی مفلس وہ ہے کہ جو اپنے نامہ اعمال میں بہت ساری نیکیاں، بہت ساری نمازیں، بہت سارے روزے، بہت ذکر واذکار لے کر دنیا سے جائے گا، لیکن جب قیامت کے روز

اللہ تعالیٰ کے پاس حساب و کتاب کے لیے حاضر ہوگا تو وہاں پر لوگوں کی بھیڑ لگی ہوگی۔ ایک کہے گا کہ اس نے میرا فلاں حق پامال کیا تھا، دوسرا کہے گا کہ اس نے میرا فلاں حق ضائع کیا، تیسرا کہے گا کہ اس نے میرا فلاں حق دبایا تھا۔ اب وہاں کی کرنسی یہ نوٹ تو ہونگے نہیں کہ ان کو دے کر حق پورا کر دیا جائے وہاں کی کرنسی تو نیکیاں ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ حکم فرمائیں گے کہ ان لوگوں کو (حقوق کے بدلے میں) اس شخص کی نیکیاں دے دی جائیں۔ اب ایک شخص اس کی نمازیں لے کر چلا جائے گا۔ اس طرح اس کی تمام نیکیاں ختم ہو جائیں گی۔ لوگوں کے حقوق پورے نہیں ہونگے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جب نیکیاں ختم ہوگئیں تو صاحب حقوق کے گناہ اس کے اعمال نامے میں ڈال کر ان کے حقوق ادا کرو۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جب آیا تھا تو اس وقت اعمال نامہ نیکیوں سے بھرا ہوا تھا اور جب واپس جا رہا ہے تو نہ صرف یہ کہ خالی ہاتھ ہے بلکہ گناہوں کا بوجھ اپنے ساتھ لے جا رہا ہے۔ حقیقت میں مفلس یہ ہے۔ بہرحال! حسد کی وجہ سے اس طرح نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کسی شخص کو آئینے کی طرح کا ایک دل عطا فرما دے جس میں نہ حسد ہو، نہ بغض ہو، نہ غیبت ہو، نہ کینہ ہو، تو اس صورت میں اگرچہ اس کے نامہ اعمال میں بہت زیادہ نوافل اور بہت زیادہ ذکر اذکار اور تلاوت نہ بھی ہو، لیکن اس کا دل آئینہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس شخص کا درجہ اتنا بلند فرماتے ہیں جس کی کوئی انتہا نہیں۔

حاسد اپنے خیال میں لوگوں سے دشمنی کر رہا ہے لیکن اتنا احمق ہے، نادان ہے کہ اپنی کمائی بھی انہیں دشمنوں کو دے رہا ہے۔ کماتا ہے اور کمائی کر کے ان کے بینک میں جمع کروا رہا ہے۔ بڑا ہی احمق ہے وہ شخص جو نیکیاں کرے اور نیکیاں کر کے پھر اپنے دشمنوں کو (جن سے وہ حسد رکھتا ہے) ان کے کھاتے میں جمع کرا دے۔ اپنے خیال میں یہ ان کی برائی کر رہا ہے، ان کی غیبت کر رہا ہے، ان کو گرانا چاہتا ہے، ان کو ایذا دینا چاہتا ہے، کبھی ان کے خلاف خفیہ سازشیں کرتا ہے۔ بعض لوگ تعویذ گنڈے کرتے ہیں، بعض لوگ ٹونے ٹوٹکے کرتے ہیں اور بعض جادو کرتے ہیں کہ اس کا کام نہ ہو، یہ سب اسی بیماری کی شاخیں ہیں جو اپنے اندر ہے۔ یعنی حسد کی بیماری جو کہ تمہاری نیکیوں کو کھا رہی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک عرصہ دراز تک مالداروں کے محلے میں رہا اور انکے ساتھ اٹھتا بیٹھتا رہا تو اس زمانے میں مجھ سے زیادہ رنجیدہ اور غم زدہ کوئی نہیں تھا اس لیے کہ جس کو بھی دیکھتا تو یہ نظر آتا کہ اس کا کپڑا میرے کپڑے سے عمدہ ہے، اس کی سواری میری سواری سے اعلیٰ ہے، اس کا مکان میرے مکان سے عمدہ ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں ہر وقت اس غم میں مبتلا رہتا تھا کہ اس کو تو یہ نعمتیں حاصل ہیں مجھے حاصل نہیں۔ اس لیے مجھ سے زیادہ غم زدہ انسان کوئی نہیں تھا۔ لیکن اس کے بعد میں نے اپنی رہائش ایسے لوگوں کے محلے میں اختیار کر لی جو دنیاوی اعتبار سے فقراء اور کم حیثیت کے لوگ تھے، اور

ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا شروع کیا تو اس کے نتیجے میں میں آرام میں آگیا، اس لیے کہ یہاں معاملہ بالکل برعکس تھا کہ جس کو بھی دیکھتا تو یہ نظر آتا ہے کہ میرا لباس اس کے لباس سے عمدہ ہے، میری سواری اس کی سواری سے اعلیٰ ہے، میرا مکان اس کے مکان سے عمدہ ہے۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے قلبی راحت عطا فرمائی۔

حسد کرنے والے کو یہ سوچنا چاہیے کہ میری خواہش تو یہ ہے کہ جس شخص سے میں حسد کر رہا ہوں اس سے وہ نعمت چھن جائے، لیکن معاملہ ہمیشہ اس خواہش کے برعکس ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ جس سے حسد کیا ہے اس شخص کا تو فائدہ ہی فائدہ ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور حسد کرنے والے کا نقصان ہی نقصان ہے۔ دنیا میں اس کا فائدہ یہ ہے کہ جب تم نے دنیا میں اس کو اپنا دشمن بنا لیا تو اصول یہ ہے کہ دشمن کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ میرا دشمن ہمیشہ رنج وغم میں مبتلا رہے۔ لہٰذا جب تک تم حسد کرو گے رنج وغم میں مبتلا رہو گے اور وہ اس بات سے خوش ہوتا رہے گا کہ تم رنج وغم میں مبتلا ہو، یہ تو اس کا دنیاوی فائدہ ہے اور آخرت کا فائدہ یہ ہے کہ تم اس سے جتنا حسد کرو گے اتنا ہی اس کے نامہ اعمال کے اندر نیکیوں میں اضافہ ہوگا اور وہ چونکہ مظلوم ہے اس لیے آخرت میں اس کے درجے بلند ہونگے اور حسد انسان کو غیبت پر، عیب جوئی پر، چغل خوری اور بے شمار گناہوں پر آمادہ کرتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ خود حسد کرنے والے کی نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ اس لیے کہ جب تم اس کی غیبت کرو گے اور اس کے لیے بددعا کرو گے تو تمہاری نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں چلی جائیں گی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ تم جتنا حسد کر رہے ہو اپنی نیکیوں کے پیکٹ تیار کر کے اس کے پاس بھیج رہے ہو، اس سے اس کا تو فائدہ ہو رہا ہے لیکن تمہارا نقصان۔ اب اگر ساری عمر حسد کرنے والا حسد کرے گا تو وہ اپنی ساری نیکیاں گنوا دے گا اور اس کے نامہ اعمال میں ڈال دے گا۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”اللہ کے بندے! تو کسی مسلمان پر حسد کیوں کرتا ہے؟ اس کو نعمت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔ اگر تجھ کو اس پر اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نعمت کیوں عطا فرمائی ہے تو تو شیطان کا چھوٹا بھائی ہے۔ اس لیے کہ اس نے بھی یہی اعتراض کیا تھا، تیری ضد اس شخص کے ساتھ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، تو دشمنی اس کے ساتھ نہیں کر رہا، بلکہ دشمنی اللہ تعالیٰ سے کر رہا ہے۔ اور اگر تجھے یہ شکایت ہے کہ یہ نعمت مجھے کیوں نہیں دی گئی تو اس میں دو قباحتیں ہیں۔ ایک یہ کہ تجھ کو اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ ناانصافی کی ہے (جو کہ علم وحکمت پر مبنی ہے)۔ تم کون ہوتے ہو دخل دینے والے؟

حضرت ڈاکٹر عبدالحی رحمتہ اللہ علیہ بہت اچھی بات فرمایا کرتے تھے کہ تم دوسروں کی طرف دیکھتے ہی کیوں ہو؟ تم یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ میرے ساتھ کیسا ہے؟ زید کے ساتھ یہ ہے، بکر کے ساتھ یہ ہے، تم

لوگوں کے بکھیڑے میں پڑتے ہی کیوں ہو؟ تم یہ دیکھو میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ کیا ہے، کوئی ضرورت ہے تو اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ ان کا دربار کھلا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا اور تمہاری زبان بھی چلتی ہے اللہ کے فضل سے، گونگی نہیں ہے۔ تمہارے ہاتھ بھی پھیلانے کے لیے موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ کیوں نہیں پھیلاتے؟ کیوں اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتے وہ بخیل نہیں کہ تمہیں نہیں دے گا۔

اگر اس بات پر نظر ہو جائے کہ لوگوں سے کیا واسطہ؟ مجھے تو یہ دیکھنا ہے کہ میرے ساتھ اللہ پاک کا کیا معاملہ ہے تو ہماری ساری بیماریوں کا علاج ہو جائے۔ آدمی کسی کے پاس نعمت دیکھ کر کیوں حسد کرے، بلکہ اس کو چاہیے کہ اس کے لیے دعائے برکت کرے کہ اللہ تعالیٰ اس میں اور برکت عطا فرمائے۔

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ ارشاد فرماتے ہیں:

''حسد کا علاج یہ ہے کہ جس سے حسد ہو اس کے لیے ترقی کی خوب دعا کرے۔ اور اس کے ساتھ احسان بھی کرتا رہے، خواہ مال سے، یا بدن سے، یا دعا سے، چند دنوں میں حسد دور ہو جائے گا''۔

اسی طرح جس سے حسد ہو لوگوں کے سامنے اس کی تعریف کرو، اس کی تعریف کرنے کو جی تو نہیں چاہے گا، جی تو یہ چاہے گا کہ اس کی برائی کروں لیکن برائی نہ کرو بلکہ تعریف کرو، اس میں تکلف سے کام لینا پڑے گا اور نفس کی خواہش اور چاہت کے خلاف کرنا پڑے گا اسی کا نام مجاہدہ ہے۔ اس مجاہدہ کی برکت سے رفتہ رفتہ حسد کی بیماری ان شاء اللہ جاتی رہے گی۔ حسد کی بیماری دراصل احساس کمتری کی شاخ ہے۔ اصل میں آدمی جب سمجھتا ہے کہ اسے چھوٹا بنا دیا گیا اور دوسرا بڑا بن گیا یا بنا دیا گیا تو قدرتی طور پر حسد پیدا ہوتا ہے یہ کم ظرفی کی علامت ہے۔ آدمی کا حوصلہ بلند ہو تو پھر دوسرے پر حسد نہیں آتا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضور علیہ السلام کی خدمت مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابھی جو شخص مسجد میں اس طرف سے داخل ہوگا، وہ جنتی ہے۔ ہم نے اس طرف کو نگاہ اٹھائی تو تھوڑی دیر میں ایک صاحب مسجد نبویؐ میں اس طرح داخل ہوئے کہ ان کے چہرے سے وضو کا پانی ٹپک رہا تھا اور بائیں ہاتھ میں جوتے اٹھائے ہوئے تھے۔ ہمیں ان پر بہت رشک آیا کہ حضور علیہ السلام نے ان کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مجلس ختم ہوگئی تو میرے دل میں خیال آیا کہ میں ان کو قریب جا کر دیکھوں کہ ان کا کونسا ایسا عمل ہے جس کی بنیاد پر حضور علیہ السلام نے اتنے اہتمام سے ان کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے۔ چنانچہ جب وہ اپنے گھر جانے لگے تو میں بھی ان کے پیچھے پیچھے ساتھ چلا گیا اور راستے میں ان سے کہا کہ میں دو تین روز آپ کے گھر میں گزارنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے اجازت دے دی اور میں ان کے گھر چلا گیا جب رات ہوئی اور بستر پر لیٹا تو ساری رات میں بستر پر لیٹ کر جاگتا رہا، سویا نہیں، تاکہ میں یہ دیکھوں کہ رات کے وقت وہ

اٹھ کر کیا عمل کرتے ہیں، لیکن ساری رات گزر گئی وہ اٹھے ہی نہیں ، پڑے سوتے رہے۔ تہجد کی نماز بھی نہیں پڑھی اور فجر کے وقت اٹھے۔ اس کے بعد میں نے دن بھی ان کے پاس گزارا تو دیکھا کہ پورے دن میں بھی انہوں نے کوئی خاص عمل نہیں کیا(نہ نوافل نہ ذکر واذکار نہ تسبیح نہ تلاوت) بس جب نماز کا وقت آتا تو مسجد میں جا کر نماز پڑھ لیتے۔ جب دو تین روز میں نے وہاں رہ کر دیکھ لیا کہ یہ تو کوئی خاص عمل نہیں کرتے تو میں نے ان سے عرض کیا کہ اصل میں بات یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے آپ کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے۔ تو میں آپ کا وہ عمل دیکھنے کے لیے آیا تھا کہ آپ وہ کونسا عمل کرتے ہیں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ مقام عطا فرمایا؟ لیکن میں نے دو تین دن آپ کے پاس رہ کر دیکھ لیا کہ آپ کوئی خاص عمل نہیں کرتے۔ صرف فرائض واجبات ادا کرتے ہیں اور معمول کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر حضور علیہ السلام نے میرے لیے یہ بشارت دی ہے تو یہ میرے لیے بڑی نعمت ہے اور مجھ سے کوئی عمل تو ہوتا نہیں اور نہ نوافل زیادہ پڑھتا ہوں لیکن ایک بات ہے۔ وہ یہ کہ کسی شخص سے حسد اور بغض کا میل کبھی دل میں نہیں آیا۔ شاید اس بناء پر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بشارت کا مصداق بنا دیا ہو۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ صاحب حضرت سعد بن وقاص ﷺ تھے جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ ان کے اعمال میں بہت زیادہ نوافل اور ذکر واذکار تو نہیں لیکن دل حسد اور بغض سے پاک ہے۔ دوسرے سے حسد اور بغض سے اپنے دل کو آئینے کی طرح پاک وصاف رکھا ہوا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کھانے کے آداب

دین اسلام نے ہم پر جو احکام عائد کئے ہیں وہ پانچ شعبوں سے متعلق ہیں۔ عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاقیات۔ دین ان پانچ شعبوں سے مکمل ہوتا ہے۔ اگر ان میں سے ایک کو بھی چھوڑ دیا جائے تو دین مکمل نہیں ہوگا۔ لہٰذا عقائد بھی درست ہونے چاہئیں، عبادات بھی صحیح طریقے سے انجام دینی چاہئیں، لوگوں کے ساتھ لین دین اور خرید وفروخت کے معاملات بھی شریعت کے مطابق ہونے چاہئیں، باطن کے اخلاق بھی درست ہونے چاہئیں اور زندگی گزارنے کے طریقے بھی، جس کو معاشرت کہا جاتا ہے۔ یعنی زندگی گزارنے کے صحیح طریقے کیا ہیں؟ کھانا کس طرح کھائے؟ پانی کس طرح پیئے؟ گھر میں کس طرح رہے؟ دوسروں کے سامنے کس طرح رہے؟ یہ سب باتیں شعبہ معاشرت سے تعلق رکھتی ہیں۔

آج کل لوگوں نے معاشرت کو تو دین سے بالکل خارج کر دیا ہے اور اس میں دین کے عمل دخل کو لوگ قبول نہیں کرتے حتیٰ کہ بہت سے لوگ نماز روزے کے پابند ہیں بلکہ تہجد گزار ہیں، ذکر و تسبیح کے بھی پابند ہیں، لیکن معاشرت ان کی بھی خراب ہے، دین کے مطابق نہیں ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کا دین ناقص ہے۔ اس لیے معاشرت کے بارے میں جو احکام اور تعلیمات اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے عطا فرمائی ہیں ان کو جاننا، ان کی اہمیت پہچاننا اور ان پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ حضور ﷺ نے زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق بڑی اہم تعلیمات عطا فرمائی ہیں۔

ایک مرتبہ ایک مشرک نے اسلام پر اعتراض کرتے ہوئے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ تمہارے نبی ہر چیز سکھاتے ہیں؟ (اس کا مقصد اعتراض کرنا تھا) بھلا قضائے حاجت کا طریقہ بھی کوئی سکھانے کی چیز ہے؟ یہ تو کوئی ایسی بات نہیں تھی کہ ایک نبی اور پیغمبر جیسا جلیل القدر اور عظیم لشان انسان اس بارے میں کچھ کہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ جس چیز کو تم اعتراض کے طور پر بیان کر رہے ہو، وہ ہمارے لیے فخر کی بات ہے، یعنی ہمارے نبی نے ہمیں ہر چیز سکھائی ہے۔ یہاں تک کہ ہمیں یہ بھی سکھایا ہے کہ جب ہم قضائے حاجت کے لیے جائیں تو قبلہ رخ ہو کر نہ بیٹھیں اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجا کریں۔ جیسے ماں باپ اپنی اولاد کو سب کچھ سکھاتے ہیں اس لیے کہ ماں باپ اگر شرمانے لگیں کہ

اپنی اولاد کو پیشاب پاخانے کے طریقے کیا بتائیں تو اس صورت میں اولاد کو کبھی بھی اس کا صحیح طریقہ نہیں آئے گا۔اسی طرح نبی کریم ﷺ ہم پر ماں باپ سے کہیں زیادہ شفیق اور مہربان ہیں اس لیے آپ ﷺ نے ہمیں ہر چیز کے طریقے سکھائے ہیں۔(اصلاحی خطبات، جلد:5)

اسی طرح حضور ﷺ نے کھانے کے بارے میں ایسے ایسے آداب بیان فرمائے ہیں جن کے ذریعے کھانا باعث اجر وثواب بن جائے۔

کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کے فضائل:

1۔تمام انبیاء کی سنت:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کھانے سے قبل اور بعد میں ہاتھ دھونا فقر کو دور کرتا ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔(مجمع الزوائد، جلد:5،صفحہ:27)

2۔خیر کی زیادتی کا باعث:

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے گھر میں خیر زیادہ ہو اسے چاہیے کہ جب کھانا آئے تو ہاتھ دھوئے اور جب فارغ ہو جائے تو ہاتھ دھوئے۔(ابن ماجہ، جلد:2،صفحہ 232)

3۔وسعت رزق کا باعث:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ کھانے سے قبل اور بعد میں ہاتھ دھونا وسعت رزق کا باعث ہے۔اس میں شیطان کی مخالفت ہے۔(کنز العمال، جلد:19،ص:186)

فائدہ: احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونا فقر وغربت کو دور کرتا ہے۔

فائدہ: کھانے سے قبل اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونا سنت ہے۔اگر ہاتھ صاف ہو تب بھی دھونا سنت ہے۔چمچوں اور کانٹوں سے کھانے کی صورت میں چونکہ ہاتھ دھونے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی، اس لیے ان برکات وفوائد سے محرومی ہو جاتی ہے۔قدرت نے ہاتھ اسی لیے دیا ہے کہ ہاتھ دھو کر ہاتھ سے کھائے۔ تاکہ یہ برکات وفوائد حاصل ہوں۔ برکت کا مفہوم یہ ہے کہ جن فوائد اور مقاصد کے لیے کھایا جاتا ہے وہ پورے ہوتے ہیں۔ بدن کا جزء بنتا ہے، عبادت اور عمدہ اخلاق پر تقویت کا سبب بنتا ہے۔(خصائل نبوی از شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ: صفحہ:116)

برکت کا مطلب اس کا زائد محسوس ہونا بھی ہے۔

سنت کی برکت کا ایک عجیب واقعہ:

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میرے ذمے تین سو روپے کا قرض تھا اور مفلسی کی وجہ سے ادائیگی کی کوئی صورت سمجھ نہ آتی تھی۔ اتفاقاً ایک دن میں نے (کسی عالم کے) درس میں یہ سنا کہ جو شخص کھانا کھانے سے پہلے اور بعد میں سنت سمجھ کر ہاتھ دھولیا کرے تو اس کا یہ فائدہ ہوگا کہ چند دنوں میں اس کا قرض ادا ہو جائے گا۔ چنانچہ میں نے یہ عمل شروع کیا۔ ابھی چند ہی روز کیا تھا کہ اللہ کے فضل وعنایت سے میرے ذمہ ایک کوڑی بھی کسی کی باقی نہ رہی اور میں الحمدللہ ایک سنت نبوی پر عمل کرنے کی برکت سے قرض کے بوجھ سے سبکدوش ہو گیا۔ (اسوہ رسول اکرم ﷺ از مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمتہ اللہ علیہ، صفحہ: 9)

کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بسم اللہ کہو اور ہر ایک اپنے قریب سے کھائے۔ (بخاری، صفحہ: 810)

فائدہ: صرف بسم اللہ پڑھ لے تب بھی کافی ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا بہتر ہے۔ (خصائل نبوی، صفحہ 145، عمدۃ القاری، جلد: 2 صفحہ 28)

بسم اللہ نہ پڑھنے کے نقصانات:

1۔ برکت نہ ہونا:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جس کھانے پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے اس میں برکت نہیں ہوتی۔ (کنزل العمال، صفحہ 180، جلد: 19)

2۔ شیطان کی شرکت:

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب آدمی گھر میں داخل ہوتا ہے اور اللہ کا نام لیتا ہے اور جب کھانا کھانے لگتا ہے تو اللہ کا نام لیتا ہے۔ تو شیطان کہتا ہے کہ نہ سونے کی گنجائش ہے نہ کھانے کی۔ (مسلم، جلد 2، ص: 172، ترمذی، جلد: 2، ص: 8، ابوداؤد)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جسے یہ پسند ہو کہ شیطان اس کے ساتھ کھانے میں شریک نہ ہو تو (اسے چاہیے کہ جب گھر میں داخل ہو تو) سلام کرے اور کھانے پر بسم اللہ کہے (اس کی برکت سے شیطان شریک نہ ہوگا)۔ (ترغیب، جلد: 3 ص: 123)

بسم اللہ نہ پڑھنے پر شیطان کی شرکت کا واقعہ:

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک دن نبی کریم ﷺ کے پاس موجود تھے کہ کھانا پیش کیا گیا۔ ابتداء میں اتنی برکت ہوئی کہ ہم نے ایسی برکت کبھی نہیں دیکھی۔ ہم نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ یہ کیسے ہوا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب ہم لوگ کھانے بیٹھے تو ہم نے کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لی تھی۔ پھر بعد میں ایک شخص شریک ہوا جس نے بسم اللہ نہیں پڑھی تھی۔ پس شیطان اس کے ساتھ کھانے لگا (اس کی وجہ سے بے برکتی ہوئی)۔ (مجمع، جلد:5، صفحہ:26: مسند احمد)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جماعت میں اگر ایک شخص بھی بسم اللہ کہے بغیر کھانے میں شریک ہوگا تو اس سے بے برکتی ہوگی اور اس بے برکتی کا اثر پورے کھانے پر ہوگا۔ آج کل یہ سنت سستی، غفلت اور بے توجہی کی وجہ سے چھوٹتی جا رہی ہے۔ کھانے کے وقت بسم اللہ پڑھنے کا خیال نہیں آتا، کھانا سامنے آتے ہی اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں، چنانچہ بے برکتی کا مشاہدہ آنکھوں کے سامنے ہے۔ بے برکتی کا مفہوم یہ بھی ہے کہ کھانا مفید اور معین صحت نہ بنے۔ جماعت میں بہتر ہے کہ بعض ساتھی زور سے بسم اللہ پڑھ لیں تا کہ دوسروں کو بھی یاد آجائے۔ شرکائے طعام میں سے ہر ایک کو بسم اللہ پڑھنا چاہیے۔ (عمدة القاری: جلد: 21، صفحہ:28)

جب شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو بعد میں کیا پڑھے:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو وہ "بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَهٗ وَآخِرَهٗ" پڑھ لے (یعنی جب یاد آجائے)۔

بسم اللہ کہہ لینے سے شیطان پر اثر:

حضرت امیہ بن مخشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو کھاتے ہوئے دیکھا اور اس نے بسم اللہ (شروع میں) نہیں پڑھی تھی پھر بعد میں اس نے "بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَهٗ وَآخِرَهٗ" پڑھ لیا تو آپ ﷺ نے (اس کے متعلق) فرمایا کہ شیطان اس کے ساتھ کھاتا رہا، جب اس نے بسم اللہ پڑھ لی تو شیطان نے کھایا ہوا اگل دیا اور اس کے پیٹ میں کچھ بھی باقی نہ رہا۔ (ابوداؤد، نسائی، ترغیب، جلد:3، ص:134)

دائیں ہاتھ سے کھانا سنت ہے:

حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے بچے! اللہ کا نام لو اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے قریب سے کھاؤ۔ (بخاری، جلد:2، ص:810)

بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی بائیں ہاتھ سے نہ کھائے اور نہ پانی پیئے کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے۔(ترغیب، جلد:3،ص:128)

اپنے قریب سے کھانا سنت ہے:

حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں پلیٹ کے چاروں طرف سے کھا رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی جانب سے کھاؤ۔(بخاری، جلد:2،ص:810)

فائدہ: جب دسترخوان پر ایک ہی قسم کی چیز ہو یا کسی بڑی پلیٹ میں ایک ہی نوع کا کھانا ہو تو یہ حکم ہے کہ صرف اپنی طرف سے ہی کھائے۔ اور اگر کئی نوع کا کھانا ہو یا مختلف قسم کی چیزیں منتشر ہوں تو دوسری طرف سے بھی لیا جاسکتا ہے۔(فتح الباری، جلد:9،ص:523)

برتن کے بیچ سے کھانا بے برکتی کا باعث:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: برکت بیچ کھانے میں اترتی ہے، لہٰذا کنارے سے کھاؤ۔ بیچ سے مت کھاؤ۔(کنز العمال، جلد:19،ص:176)

فائدہ: برتن کے کنارے سے کھانا چاہیے۔شروع ہی میں پلیٹ کے بیچ میں ہاتھ نہ ڈالنا چاہیے۔

برتن کو خوب صاف کرنا سنت ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے انگلیوں کو چاٹنے اور برتن کو صاف کرنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا کہ تمہیں نہیں معلوم کہ کھانے کے کس حصے میں برکت ہے۔(ترغیب)

برتن صاف کرنا مغفرت کا باعث:

حضرت نبیشہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں پیالہ میں کھا رہا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو برتن میں کھائے اور اسے صاف کرلے تو برتن اس کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہے۔(ترمذی، ابن ماجہ، جلد:2،ص:234)

کھانے کے بعد ہاتھ پونچھنا مسنون ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہاتھوں کو رومال سے اس وقت تک نہ پونچھو، جب تک کہ اسے صاف نہ کرلو۔(مسلم، جلد:2،ص:175)

دسترخوان پر کھانا سنت ہے:

حضرت فرقد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو میں نے دسترخوان پر کھاتے ہوئے دیکھا

ہے۔(سیرۃ الشامی، جلد:8 ص:263)

دستر خوان پر ملائکہ کی دعائے رحمت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب تک دستر خوان بچھا رہتا ہے فرشتے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں

فائدہ: دستر خوان پر کھانا سنت ہے۔ دستر خوان بچھائے بغیر کھانا خلاف سنت ہے۔ نیز آپ ﷺ کا دستر خوان گول ہوتا تھا اور چمڑے کا ہوتا تھا۔(عمدۃ القاری، جلد:21،ص:35)

زمین اور فرش پر کھانا سنت ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے کھانا پیش کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ زمین یا چٹائی پر رکھو۔

ٹیک لگا کر کھانا خلاف سنت ہے:

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا ہوں۔(شمائل)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میں بندہ (غلام) ہوں میں اس طرح کھاتا پیتا ہوں جس طرح ایک غلام کھاتا پیتا ہے۔(کنز العمال، جلد:19،ص:170)

ٹھنڈا کھانا سنت ہے:

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کھانا ٹھنڈا ہونے دو، اس میں برکت زیادہ ہوتی ہے۔(کنز العمال، جلد:19،ص:180)

ایسا تیز گرم کھانا جس سے بھاپ نکل رہی ہو اور ہاتھ اور منہ جلنے یا تکلیف کا اندیشہ ہو ممنوع ہے۔ ایسے کھانے میں لذت بھی حاصل نہیں ہوتی کیونکہ منہ جلنے کی وجہ سے انسان جلد نگلنا چاہتا ہے۔

گرم کھانا آگ ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک پلیٹ میں تیز گرم کھانا پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے ہاتھ بڑھایا پھر کھینچ لیا اور فرمایا: اللہ نے ہمیں آگ نہیں کھلائی۔(مجمع الزوائد، جلد:11،ص:23)

کھانا پھینکنے کی ممانعت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ گھر میں تشریف لائے تو روٹی کا ٹکڑا پڑا ہوا پایا۔

آپ ﷺ نے اسے اٹھایا، صاف کیا اور کھا لیا اور فرمایا: اے عائشہ! اپنے کرم فرما کا اکرام کرو یعنی کھانے کا۔(ابن ماجہ، جلد:2،ص:249)

کھانے کا کریم وکرم فرما ہونا تو ظاہر ہے کہ اگر ایک وقت نہ ملے تو نفس ڈھیلا ہو جاتا ہے۔

کھانا کھانے کے بعد سونا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کھانے کے ہضم کو آسان کرو ذکر اور نماز کے ذریعے اور کھانے کے بعد مت سوؤ کیونکہ اس سے بدن میں قساوت (سختی) پیدا ہوتی ہے۔(مواہب، جلد:4،ص:354)

فائدہ: کھانے کے بعد فوراً سونا مضر (نقصان دہ) ہے۔ ابن قیم رحمتہ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ جو اپنی صحت کی حفاظت چاہتا ہے اسے چاہیے کہ رات کے کھانے کے بعد کم از کم سو قدم چہل قدمی کر لے۔ سوئے نہیں کیونکہ یہ نقصان دہ ہے۔

کھانے کے بعد نماز پڑھنے سے ہضم میں سہولت ہوتی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ کھانے کے بعد تھوڑی دیر نماز یا ذکر میں مشغول ہو جائے کہ یہ بھی شکر کا پہلو ہے۔(مواہب، جلد،4،ص:356)

ساتھ کھانے کی فضیلت اور برکت:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: مل کر کھایا کرو، الگ الگ مت کھاؤ کیونکہ برکت جماعت کے ساتھ ہوتی ہے۔(ابن ماجہ، جلد:2،ص:238)

آداب:

1۔ کھانا کھانے میں ایسی چیزوں کا نام نہیں لینا چاہیے جس سے سننے والوں کو گھن پیدا ہو۔ بعض نازک مزاجوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

2۔ جہاں اور لوگ کھانا کھا رہے ہوں وہاں بیٹھ کر نہیں تھوکنا چاہیے اور نہ ہی ناک صاف کرنی چاہیے۔ اگر ضرورت ہو تو ایک کنارے جا کر فراغت کرنی چاہیے۔

3۔ دستر خوان پر اگر اور سالن کی ضرورت ہو تو کھانے والے کے سامنے سے برتن نہیں اٹھانا چاہیے۔ دوسرے برتن میں نکال لینا چاہیے۔

4۔ کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا اور کلی کرنی چاہیے۔

5۔ بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کیا جائے اور دائیں ہاتھ سے کھانا چاہیے۔

6۔ بہت زیادہ گرم کھانا نہیں کھانا چاہیے اس سے نقصان ہوتا ہے۔

7۔کھانا تواضع کے ساتھ بیٹھ کر کھانا چاہیے۔ٹیک لگا کر نہیں کھانا چاہیے۔

8۔کھانا سب کے ساتھ مل کر کھانے سے برکت ہوتی ہے۔

9۔کھانا اپنے سامنے سے کھانا چاہیے۔اگر برتن میں مختلف چیزیں ہوں مثلاً کئی پھل وغیرہ ہوں،تو جو مرغوب ہو وہ اٹھا سکتے ہیں۔

10۔اگر کھانا کم ہو اور کھانے والے زیادہ ہوں تو دوسروں کا اکرام کرتے ہوئے کھانا چاہیے۔

11۔جس چیز میں سب انگلیاں نہ لگانی پڑیں اس کو تین انگلیوں سے کھانا چاہیے اور کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹ لینا چاہیے۔

12۔اگر ہاتھ سے لقمہ گر جائے تو اس کو اٹھا کر صاف کر کے کھا لینا چاہیے۔

13۔برتن کو بالکل صاف کر لینا چاہیے۔اس سے برکت ہوتی ہے۔

14۔جب کھانا کھا چکیں تو پہلے دستر خوان اٹھا لینا چاہیے اس کو چھوڑ کر اٹھنا خلاف ادب ہے۔

15۔کھانے کے بعد اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور یہ دعاء پڑھنی چاہیے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَo

16۔سونے، چاندی کے برتن میں کھانا پینا حرام ہے۔

17۔کھانے پینے کی چیز اگر کسی کے پاس لے جائیں تو ڈھانک کر لے جانی چاہیے۔

18۔کھانے پینے کی کوئی چیز کھلی نہیں رکھنی چاہیے۔

19۔روٹی کی تعظیم میں سے ایک یہ ہے کہ جب روٹی سامنے آئے تو کھانا شروع کر دیا جائے۔سالن کا انتظار نہ کیا جائے۔

20۔منہ کے بل لیٹ کر کھانا منع ہے۔

21۔رزق کی ناقدری نہ کرنی چاہیے، اگر بچ جائے تو ضائع نہ کرنا چاہیے۔

22۔کھانے سے پہلے ہاتھ دھو کر اس کو پونچھنا نہیں چاہیے۔

آپ ﷺ کے مرغوب کھانوں کا بیان

ہریسہ:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ہمیں ہریسہ کھلایا۔ جس سے رات کی نماز میں کمر مضبوط ہوتی ہے۔(مجمع الزوائد، جلد:5،ص:41)

حضرت ام ایوب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں آپ ﷺ کیلیے ہریسہ بناتی تھی، میں دیکھتی تھی کہ آپ ﷺ اسے پسند فرماتے تھے۔(سیرۃ الشافی، جلد:7،ص:302)

فائدہ: ہریسہ عرب کا ایک کھانا ہے جو گوشت اور کوٹے ہوئے گیہوں کو ملا کر بنایا جاتا ہے۔ یہ حلیم کے مشابہ ہوتا ہے۔لذیذ اور مقوی جسم ہوتا ہے۔

حیس (کھجور کا ملیدہ):

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد کے پاس نبی کریم ﷺ تشریف لائے، انہوں نے کھانا پیش کیا جو کھجور کا ملیدہ تھا آپ ﷺ نے اسے تناول فرمایا۔(مسلم، ترمذی، سیرۃ خیر العباد)

فائدہ: حیس عربوں کا کھانا ہے اور آپ ﷺ کا مرغوب کھانا تھا۔ یہ کھجور، پنیر اور گھی سے بنایا جاتا ہے۔ کبھی پنیر کے بجائے آٹا وغیرہ ڈال کر بنایا جاتا ہے اور ملا لیا جاتا ہے۔(فتح، عمدۃ القاری، جلد:21،ص:57)

خبیص:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گھی، گیہوں اور شہد کو ملا کر خبیص بنایا اور پیالہ میں لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئےنبی کریم ﷺ پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ایک کھانا ہے۔اے اللہ کے رسول! جسے عجمی لوگ شہد، گیہوں اور گھی ملا کر بناتے ہیں جسے خبیص کہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اسے کھایا۔(مطالب عالیہ، جلد:2،ص:324)

خبیص:

آٹے کا یا میدہ کا حلوہ کہلاتا ہے، کبھی اس میں کھجور بھی ڈالی جاتا ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے خبیصہ کھجور

کے حلوہ کو کہا جاتا ہے۔

ستُّو:

حضرت سوید بن نعمان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ہم لوگ آپ ﷺ کے ساتھ خیبر کی جانب نکلے، یہاں تک کہ ہم مقام صہبا میں، یا روحہ کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے توشہ سفر مانگا سوائے ستو کے کچھ نہ لایا گیا آپ ﷺ نے اسے کھایا ہم نے بھی آپ ﷺ کے پاس اسے کھایا، پھر آپ ﷺ نے کلی کی، پھر مغرب کی نماز پڑھی۔ ہم نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ پڑھی اور وضو نہیں کیا۔ (بخاری، جلد: 2، ص: 812)

فائدہ: یہ ستو جو کا تھا، جو کا ستو گرم مزاج والوں کیلیے اور گرمی کے ایام میں بہت نفع بخش ہے، ٹھنڈک پیدا کرتا ہے، معدہ کیلیے مفید ہے اور مقوی جسم ہے۔

دشیشہ:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کیلیے ہم نے مٹی کے برتن میں دشیشہ بنایا آپ ﷺ نے اسے تناول فرمایا۔ (سیرۃ، جلد: 7، ص: 304)

دشیشہ اور جشیشہ ایک کھانے کا نام ہے جو آٹے، گوشت اور کھجور کو ملا کر پکایا جاتا ہے۔

ثرید:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تمام عورتوں پر فضیلت حاصل ہے اسی طرح ثرید کو تمام کھانوں پر۔ (شمائل، ص: 11)

فائدہ: گوشت کے شوربے میں روٹی بھگوئے ہوئے ٹکڑے کو ثرید کہا جاتا ہے۔ خواہ ٹکڑے کو شوربے میں ڈال کر پکایا جائے یا یوں ہی چھوڑ دیا جائے۔ ثرید کے ٹکڑے پیٹ کیلیے بہت مفید ہیں کہ بسہولت ہضم ہو جاتے ہیں، اس کا نگلنا بھی آسان ہوتا ہے، جلد تیار ہو جاتا ہے اور لذیذ و مقوی ہوتا ہے۔ ثرید میں برکت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: سحری میں برکت ہے۔ ثرید میں برکت ہے۔ جماعت میں برکت ہے۔ (مجمع الزوائد، جلد: 5، ص: 21)

مصالحہ دار کھانا (سیاہ مرچ اور زیرہ وغیرہ کا استعمال)

حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت حسن، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم ان کے پاس تشریف لے گئے اور یہ فرمایا کہ حضور ﷺ کو جو کھانا پسند تھا اور اس کو رغبت سے تناول فرماتے تھے وہ ہمیں پکا کر کھلائیے۔ حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا نے کہا: پیارے بچو! اب وہ کھانا پسند نہیں

آئے گا، وہ تنگی میں پسند ہوتا ہے۔ان لوگوں نے کہا کہ نہیں ضرور پسند آئے گا۔ وہ اٹھیں اور تھوڑے سے جو لے کر ہانڈی میں ڈالے اور اس پر ذرا سا زیتون کا تیل ڈالا، کچھ مرچیں اور کچھ زیرہ وغیرہ مصالحہ پیس کر ڈالا اور پکا کر کہا کہ حضور ﷺ کو یہ پسند تھا۔(شمائل ترمذی، ص:12)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ مصالحہ دار کھانا آپ ﷺ کو مرغوب تھا۔ اس حدیث کی تشریح میں علامہ مناوی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کھانا بسہولت عمدہ اور مزیدار کرنا زہد کے منافی نہیں۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ سیاہ مرچ کا استعمال سنت ہے۔کھانے وغیرہ میں اس کا ڈالنا جامع نفع رکھتا ہے۔ البتہ لال مرچ کا استعمال نہ آپ ﷺ کے زمانہ میں تھا نہ اہل عرب اس کو پسند کرتے تھے۔ ویسے طبی اعتبار سے بھی مضر ہے۔

جو کی روٹی سنت ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی اکثر غذا جو کی روٹی ہوتی تھی۔(مختصراً شمائل ترمذی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پینے کے آداب

جس طرح کھانا اللہ پاک کی عظیم نعمت ہے جو کہ بغیر اس کے دیئے ہوئے حاصل کرنا ناممکن ہے، ایک لقمہ جو کسی کے منہ میں جاتا ہے کئی مخلوقات کی محنت و جدوجہد سے تیار ہو کر پہنچتا ہے، اسی طرح پانی کا بھی جو کسی انسان کے منہ میں ایک گھونٹ جاتا ہے یہی عالم ہے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے:

وَاَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنَاكُمُوْهُ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخَازِنِيْنَ o

ترجمہ:۔ اور چلائیں ہم نے رس بھری ہوائیں، پھر اتارا ہم نے آسمان سے پانی، پھر تم کو وہ پلایا اور تمہارے پاس نہیں اس کا خزانہ۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اَفَرَاَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ o ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ o لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنَاهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ o

ترجمہ:۔ بھلا دیکھو تو پانی کو جو تم پیتے ہو، کیا تم نے اس کو بادل سے اتارا یا ہم ہیں اتارنے والے؟ اگر ہم چاہیں تو اس کو کھارا کر دیں۔ پھر کیوں نہیں احسان مانتے؟

پانی کے متعلق قدرت الٰہی کی کرشمہ سازی دیکھیں کہ سمندر کے کھارے پانی کو میٹھے پانی میں تبدیل کر کے پورے روئے زمین پر بادلوں کے ذریعے کس حسن نظام کے ساتھ پہنچایا کہ ہر خطے کے نہ صرف انسانوں کو بلکہ ان جانوروں کو بھی جو انسانوں کی دریافت سے باہر ہیں گھر بیٹھے پانی پہنچا دیا اور بالکل مفت بلکہ جبری طور پر پہنچایا اور قدرت الٰہی نے اس پانی کے باقی رکھنے کا کہ گلے سڑے نہیں اور بوقت ضرورت ہر جگہ دستیاب ہو، ایک دوسرا نظام بنایا کہ جو پانی برسایا جاتا ہے اس کا کچھ حصہ تو فوری طور پر درختوں، کھیتوں، جانوروں اور انسانوں کو سیراب کرنے میں کام آ ہی جاتا ہے اور پھر چشموں کی صورت میں ہر جگہ پہنچ جاتا ہے۔ اور جہاں یہ چشمے ہی نہیں ہیں تو وہاں زمین کی تہہ میں یہ پانی انسانی رگوں کی طرح زمین کے ہر خطے پر بہتا ہے اور کنواں کھودنے سے برآمد ہونے لگتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آب رسانی کا یہ نظامِ الٰہی ہزاروں نعمتیں اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔

اول پانی کو پیدا کرنا ایک بڑی نعمت ہے، پھر بادلوں کے ذریعہ اس کو زمین کے ہر خطے پر پہنچانا، پھر اس کو انسان کے پینے کے قابل بنا دینا، پھر انسان کو اس کے پینے کا موقع دینا، پھر اس پانی کو ضرورت کے مطابق اور محفوظ رکھنے کا عجیب وغریب محکم نظام، پھر انسان کو اس سے سیراب ہونے کا موقع دینا۔ اگر انسان غور کرے تو ایک پانی پینے پر اللہ تعالیٰ کی ہزاروں نعمتیں نکلتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فَاَسْقَيْنَاكُمُوْهُ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخَازِنِيْنَ"

ترجمہ: پھر تم کو وہ پانی پلایا اور تمہارے پاس نہیں اسکا خزانہ۔

اس آیت میں اسی نعمت کی طرف اشارہ ہے۔ تو ہمیں چاہیے کہ جب بھی پانی پیئں، یا استعمال میں لائیں تو اللہ کا شکر ادا کریں اور اللہ کے رسول ﷺ کے طریقے کے مطابق پیئں تاکہ قیامت کے دن اس نعمت کے مواخذہ سے بچیں۔

اگر یہ کہہ دیا جاتا کہ جب پانی کی ضرورت ہو تو سمندر سے حاصل کرلو اور اس کو پی لو تو انسان کیلیے کتنا دشوار ہو جاتا کیونکہ ہر شخص کا سمندر تک پہنچا مشکل ہے، اور دوسری طرف یہ کہ وہ پانی اتنا کھارا ہے کہ ایک گھونٹ بھی حلق سے اتارنا مشکل ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمایا کہ اس سمندر سے مون سون کے بادل اٹھائے اور پھر قدرت کا عجیب کرشمہ ہے کہ اس بادل کے اندر ایسی قدرتی مشین لگی ہوئی ہے کہ جب وہ بادل سمندر سے اٹھتا ہے تو پانی کی ساری نمکیاں نیچے رہ جاتی ہیں اور صرف میٹھا پانی اوپر اٹھ کر چلا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر یہ فرماتے کہ تم یہ پانی اپنے پاس جمع کرلو اور ذخیرہ کر کے رکھ لو، ہم صرف ایک مرتبہ بارش برسا دیں گے۔ تو اس صورت میں اتنے برتن اور ٹنکیاں کہاں سے لاتے جس کے اندر اتنا پانی جمع کر لیتے جو سال بھر کیلیے کافی ہو جاتا۔ بلکہ اللہ پاک قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں: فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ یعنی ہم نے پہلے آسمان سے پانی برسایا اور پھر اس کو زمین کے اندر بٹھا دیا اور جمع کر دیا۔ اس کو اس طرح بٹھا دیا کہ پہلے پہاڑوں پر برسایا اور پھر اس کو برف کی شکل میں وہاں جما دیا اور تمہارے لیے ایک قدرتی فریزر بنا دیا۔ اب پہاڑ کی چوٹیوں پر تمہارے لیے پانی موجود ہے اور ضرورت کے وقت پگھل پگھل کر دریاؤں کے ذریعے زمین کے مختلف خطوں میں پہنچ رہا ہے۔ اور اس سب میں اس بات کی یاد دہانی کرائی جا رہی ہے کہ جب پانی پیو تو بسم اللہ کہہ کر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے پیو۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ سنتوں پر عمل کرنے کی نیت کرنا مفت کی کمائی ہے، مطلب یہ ہے کہ ایک عمل کے اندر جتنی سنتوں کی نیت کرلی جائے گی اتنی سنتوں کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔ مثلاً پانی پیتے وقت یہ نیت کرلی جائے کہ تین سانس میں پانی اس لیے پی رہا ہوں کہ حضور ﷺ کی عادت شریفہ تین سانس میں پینے کی تھی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تین سانس میں پانی پیتے تھے۔(ترمذی)

اس سے سنت کا ثواب حاصل ہو گیا۔ اسی طرح یہ نیت کر لی کہ میں سانس لیتے وقت برتن کو منہ سے ہٹاؤں گا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے:

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا۔(بخاری)

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے پینے کی چیزوں میں سانس لینے سے منع فرمایا ہے۔(مجمع الزوائد)

آپ ﷺ برتن میں سانس نہیں لیتے تھے بلکہ برتن کو منہ سے الگ ہٹا لیتے تھے۔(جمع الوسائل، صفحہ: 252)

اسی لیے سنتوں کا علم حاصل کرنا ضروری ہے، تاکہ انسان جب کوئی عمل کرے تو ایک ہی عمل کے اندر جتنی سنتیں ہیں ان سب کا دھیان اور خیال رکھے اور ان کی نیت کر لے تو پھر ہر ہر نیت کے ساتھ انشاء اللہ مستقل سنت کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔

دو سانس میں پینا:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جب پانی پیتے تو دو سانس میں پیتے۔(ترمذی، جلد: 2، ص: 11)

فائدہ: دو سانس میں بھی آپ ﷺ نے پیا ہے، لہٰذا یہ بھی درست ہے، مگر تین سانس میں پینا بہتر ہے، یا پھر پانی کے درمیان کا سانس مراد ہے۔ جب دو مرتبہ سانس لیا جائے گا تو تین سانس میں پانی پینا ہو گا۔(فضائل، صفحہ: 155)

ایک سانس میں پینا:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک ہی مرتبہ میں پانی مت پیو جیسے اونٹ پیتا ہے۔ لیکن دو یا تین مرتبہ میں پیو اور بسم اللہ پڑھو اور جب پی چکو تو الحمد للہ پڑھو۔(جمع الوسائل، صفحہ: 252، ترمذی، جلد 2، ص: 11)

غٹ غٹ (یعنی بہت جلدی جلدی) پینا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جب پانی پیو تو چوس کر پیو، غٹ غٹ مت پیو۔(جمع الوسائل، صفحہ: 253)

یعنی ایک ہی سانس میں ایک ہی مرتبہ غٹ غٹ کر کے پورا گلاس حلق میں انڈیل دینا صحیح نہیں اور اس عمل کو آپ ﷺ نے دوسری حدیث میں اونٹ کے پینے سے تشبیہ دی ہے اس لیے کہ اونٹ کی یہ عادت ہوتی

ہے کہ وہ ایک ہی مرتبہ میں سارا پانی پی جاتا ہے، لہٰذا تم اس طرح مت پیو، بلکہ تم جب پانی پیو تو دو سانس میں پیو یا تین سانس میں پیو اور جب پانی پینا شروع کرو تو اللہ کا نام لے کر اور بسم اللہ پڑھ کر شروع کرو۔ یہ نہیں کہ محض غٹ غٹ کر کے پانی حلق سے اتار لیا۔(اصلاحی خطبات، جلد: 5،ص: 218)

احیاء العلوم میں ہے کہ اس سے (یعنی بہت جلدی جلدی پینے سے) جگر کی بیماری ہوتی ہے۔(جلد: 2، صفحہ:11)

ہر سانس میں الحمدللہ کہنا:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ تین سانس میں پانی پیتے۔ جب برتن منہ کو لگاتے تو بسم اللہ کہتے اور جب دور کرتے تو الحمدللہ کہتے۔ اس طرح تین مرتبہ کرتے۔(جمع الوسائل، ج: 2،ص: 253، مجمع الزوائد، ج:5،ص: 84)

فائدہ: یہ طریقہ بھی مسنون ہے اور ایک دوسرا طریقہ بھی سنت ہے وہ یہ کہ شروع میں بسم اللہ کہے اور آخر میں الحمدللہ کہے۔ چنانچہ حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ تین سانس میں پانی پیتے تھے۔ شروع میں بسم اللہ اور آخر میں الحمدللہ کہتے۔(مجمع الزوائد، جلد: 5، ص:84)

دائیں طرف سے تقسیم شروع کرنا:

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے پیا۔ پھر جو آپ ﷺ کے دائیں جانب تھا اسے دیا۔(بخاری،ص: 840، ترمذی، جلد: 2، مجمع الزوائد، جلد: 5،ص: 85)

فائدہ: یعنی مجلس میں پینے کے بعد کسی کو دینا ہو تو پینے والا اپنے دائیں والے کو دے، خواہ بڑا ہو یا چھوٹا۔

دوسری حدیث میں ہے:

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اُتِیَ بِلَبَنٍ قَدْ شِیْبَ بِمَاءٍ، وَعَنْ یَمِیْنِهٖ اَعْرَابِیٌّ، وَعَنْ یَسَارِهٖ اَبُوْبَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَشَرِبَ ثُمَّ اَعْطَی الْاَعْرَابِیَّ وَقَالَ: اَلْاَیْمَنُ فَالْاَیْمَنُ.(ترمذی، کتب الاسرار، باب ماجاء ان الایمن احق بالشراب)

حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں دودھ لایا گیا جس میں پانی ملا ہوا تھا۔ آپ ﷺ کے دائیں جانب ایک اعرابی تھا اور بائیں جانب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ ﷺ نے اس دودھ میں سے کچھ پیا، پھر (جو دودھ باقی بچا ہوا تھا) آپ ﷺ نے اپنا بچا ہوا دودھ (دائیں طرف بیٹھے ہوئے) اعرابی کو پہلے عطا فرما دیا اور فرمایا کہ جو شخص دائیں طرف بیٹھا ہو پہلے اس کا حق ہے۔(ترمذی)

اس حدیث میں دودھ میں پانی ملانے کا جو ذکر ہے یہ پانی ملانا کوئی ملاوٹ کی غرض سے اور دودھ کی مقدار بڑھانے کی غرض سے نہ تھا، بلکہ اہل عرب میں یہ بات مشہور تھی کہ خالص دودھ اتنا مفید نہیں ہوتا جتنا پانی ملا ہوا دودھ مفید ہوتا ہے۔اس لیے وہ صاحب دودھ میں پانی ملا کر خدمت میں لائے تھے۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ نے اس تربیت کا اتنا خیال فرمایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، جن کو اللہ نے یہ مقام عطا فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد اس روئے زمین پر ان سے زیادہ افضل انسان پیدا نہیں ہوا، جن کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''صدیق'' وہ انسان ہوتا ہے کہ اگر نبی کسی آئینے کے سامنے کھڑے ہوں تو یہ جو کھڑے ہوئے انسان ہیں یہ تو نبی ہیں اور آئینے میں ان کا جو عکس نظر آرہا ہے وہ ''صدیق'' ہیں۔گویا کہ ''صدیق'' وہ ہے جو نبوت کا پورا عکس اور پوری چھاپ لیے ہوئے ہو اور جو صحیح معنی میں رسول ﷺ کا خلیفہ ہو۔حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وہ انسان کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر صدیق اکبر میری پوری زندگی کے تمام اعمال خیر مجھ سے لے لیں اور اس کے بدلے میں وہ ایک رات جو انہوں نے ہجرت کے موقع پر غار کے اندر حضور ﷺ کے ساتھ گزاری تھی وہ مجھے دے دیں تو بھی سستا سودا ہوگا۔اللہ پاک نے ان کو اتنا اونچا مقام عطا فرمایا تھا، لیکن اتنے بلند مقام کے باوجود حضور ﷺ نے تقسیم کے وقت دودھ کا پیالہ اعرابی کو دے دیا، ان کو نہیں دیا اور فرمایا کہ تقسیم کے وقت داہنی جانب والا مقدم ہے اور بائیں جانب والا موخر ہے۔

اس حدیث پاک میں یہ اصول سکھا دیا کہ اگر مجلس میں لوگ بیٹھے ہوئے ہوں اور کوئی چیز تقسیم کرنی مقصود ہو مثلاً پانی پلانا ہو یا کھانے کی کوئی چیز تقسیم کرنی ہو یا چھوارے تقسیم کرنے ہوں تو اس میں ادب یہ ہے کہ دائیں جانب والوں کو دیا جائے اور پھر بائیں جانب تقسیم کیا جائے۔اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے دائیں جانب کو بہت اہمیت دی ہے۔دائیں جانب کو عربی زبان میں یمین کہتے ہیں جس کے معنی عربی زبان میں مبارک کے بھی ہوتے ہیں، اس لیے دائیں جانب سے کام کرنے میں برکت ہے۔اس لیے حضور ﷺ نے فرمایا کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ، دائیں ہاتھ سے پیو، دایاں جوتا پہلے پہنو، چلنے میں راستے کے دائیں جانب چلو، یہاں تک کہ جب حضور ﷺ اپنے بالوں میں کنگھی کرتے تو پہلے دائیں جانب کے بالوں میں کنگھی کرتے پھر بائیں جانب کرتے۔دائیں کا اتنا اہتمام فرماتے۔لہٰذا دائیں جانب سے ہر کام شروع کرنے میں برکت بھی ہے اور سنت بھی۔

پلانے کی ابتداء بڑوں سے کرنا:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب پلاتے تو فرماتے: بڑوں سے شروع کرو۔(مجمع، جلد:5،ص:43)

فائدہ: مجلس میں تقسیم کی ابتداء کرنے میں مسنون یہ ہے کہ یا تو بڑے سے ابتداء کی جائے یا دائیں جانب سے۔ اول کسی بزرگ سے ابتداء کر کے دایاں رخ اختیار کر لیا جائے۔

بہت بڑے برتن سے منہ لگا کر پینا:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مشکیزوں کا منہ کاٹ کر پھر اس سے منہ لگا کر پانی پینے سے منع فرمایا۔ (مسلم، کتاب الاسرار، باب آداب الطعام والشراب)

اس زمانے میں پانی بڑے بڑے مشکیزوں میں بھر کر رکھا جاتا تھا جیسے آج کل بڑے بڑے گیلن اور کین وغیرہ ہوتے ہیں، ان سے منہ لگا کر پانی پینے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا۔ علماء نے اس ممانعت کی دو وجہیں بتائی ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس مشکیزے یا گیلن کے اندر چونکہ بڑی مقدار میں پانی بھرا ہوا ہے تو ہو سکتا ہے کہ پانی کے اندر کوئی چیز پڑی ہو جس کی وجہ سے وہ پانی خراب ہو گیا ہو یا نجس (ناپاک) ہو گیا ہو یا نقصان دہ ہو گیا ہو، جیسے بعض اوقات کوئی جانور یا کیڑا وغیرہ گر کر پانی میں مر جاتا ہے۔ اب چونکہ نظر تو نہیں آ رہا کہ اندر کیا ہے تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ منہ لگا کر پینے کی وجہ سے کوئی خطرناک چیز حلق میں چلی جائے۔ اس لیے اس طرح منہ لگا کر پینے سے منع فرمایا۔ دوسری وجہ علماء نے یہ بیان فرمائی کہ اتنے بڑے برتن سے منہ لگا کر پانی پینے میں اس بات کا اندیشہ ہے کہ ایک دم بہت سا پانی میں آ جائے اور اس کی وجہ سے اُچھو لگ جائے، پھندا لگ جائے یا کوئی اور تکلیف ہو۔ اس لیے آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔ لیکن حضور ﷺ نے جن باتوں سے منع فرمایا، ان میں سے بعض باتیں تو وہ ہیں جو حرام اور گناہ ہیں اور بعض باتیں وہ ہیں جو حرام اور گناہ تو نہیں لیکن حضور ﷺ نے ہم پر شفقت فرماتے ہوئے اور ادب سکھاتے ہوئے اس سے منع فرمایا ہے اور جس کام کے کرنے کو آپ ﷺ نے شفقت کی وجہ سے منع فرمایا وہ کام حرام اور گناہ نہیں۔ اور اس کی علامت یہ ہے کہ کبھی کبھار زندگی میں آپ ﷺ نے اس کام کو کر کے بھی دکھا دیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ کام حرام اور ناجائز تو نہیں ہے لیکن ادب کے خلاف ہے۔ چنانچہ احادیث میں وارد ہے کہ حضور ﷺ نے ایک دو مرتبہ مشکیزے سے منہ لگا کر بھی پانی پیا۔ علمائے کرام نے فرمایا کہ ان تمام برتنوں کا بھی یہی حکم ہے جو بڑے ہوں اور ان میں زیادہ مقدار میں پانی آتا ہو۔ جیسے بڑا کنستر، مٹکا وغیرہ۔ ان سے بھی منہ لگا کر پانی نہیں پینا چاہیے۔ البتہ اگر شدید ضرورت ہو تو الگ بات ہے (یعنی اگر اس بات کی ضرورت پیش آ جائے کہ اس سے پینے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو تو ٹھیک ہے) جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے:

عَنْ اُمِّ كَبْشَةَ بِنْتِ ثَابِتٍ اُخْتِ حَسَّانِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعَنْهَا قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَشَرِبَ مِنْ فِيْ قِرْبَةٍ مُعَلَّقَةٍ قَائِمًا فَقُمْتُ اِلٰى فِيْهَا فَقَطَعْتُهُ. (رواہ الترمذی، کتاب الاشربة، باب ماجاء فی اختناث السقیة)

حضرت ام کبشہ بنت ثابت رضی اللہ عنہا جو حضرت حسان بنت ثابت رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں وہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے، (ہمارے گھر میں ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا) آپ ﷺ نے کھڑے ہوکر (اس) مشکیزے سے منہ لگا کر پانی پیا۔ (اس عمل کے ذریعہ آپ ﷺ نے بتا دیا کہ مشکیزے سے منہ لگا کر پینا کوئی حرام نہیں ہے۔ صرف تم پر شفقت کرتے ہوئے ایک مشورے کے طور پر یہ حکم دیا گیا ہے۔) حضرت ام کبشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ تشریف لے گئے تو میں کھڑی ہوئی اور مشکیزے کے جس حصے سے منہ لگا کر آپ ﷺ نے پانی پیا تھا، اس حصے کو کاٹ کر وہ چمڑا اپنے پاس رکھ لیا۔ (ترمذی)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک صحابی حضور ﷺ کا جانثار، عاشق زار، فدا کار تھا۔ ایسے فدا کار اور جانثار کسی اور ہستی کے نہیں مل سکتے، جیسے حضرت ام کبشہ رضی اللہ عنہا نے اس مشکیزے کا منہ کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا اور فرمایا کہ یہ وہ چمڑا ہے جس کو نبی کریم ﷺ کے مبارک ہونٹ لگے ہیں اور آئندہ کسی اور کے ہونٹ اس کو نہیں لگنے چاہئیں۔ اور اب یہ چمڑا اس لیے نہیں ہے کہ اس کو مشکیزے کے طور پر استعمال کیا جائے۔ یہ تو تبرک کے طور پر رکھنے کے قابل ہے۔ اس لیے اس کو کاٹ کر تبرک کے طور پر اپنے گھر میں رکھ لیا۔ (اصلاحی خطبات، جلد:5، 234)

بیٹھ کر پینا سنت ہے:

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّہٗ نَھٰی اَنْ یَّشْرَبَ الرَّجُلُ قَائِمًا.(مسلم، کتاب الاشربة، باب کراهية الشرب قائما)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے کھڑے ہوکر پینے سے منع فرمایا۔ (مسلم)

حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا: اور کھانا؟ تو فرمایا وہ تو اس سے بھی برا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی تم میں سے کھڑا ہوکر پانی نہ پیئے۔ اگر بھول کر پی لے تو قے کرلے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی خدمت میں ایک آدمی آیا جو کھڑے ہوکر پانی پی رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قے کردو۔ اس نے پوچھا: کس وجہ سے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے ساتھ بلی پانی پیئے تو پسند کروگے؟ اس نے کہا: نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے زیادہ برے (یعنی شیطان) نے تیرے ساتھ پیا ہے۔ (سیرۃ خیر العباد، جلد:8، صفحہ:329)

ان احادیث کی وجہ سے علماء نے فرمایا کہ حتی الامکان کھڑے ہوکر پانی نہیں پینا چاہیے۔ اور حضور ﷺ کی سنت شریفہ یعنی عام عادت یہ تھی کہ آپ بیٹھ کر پانی پیتے تھے۔ اس لیے کھڑے ہوکر پانی پینا مکروہ تنزیہی

ہے۔مکروہ تنزیہی کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے کھڑے ہو کر پانی پینے کو ناپسند فرمایا۔ اگرچہ کوئی شخص کھڑے ہو کر پانی پی لے تو کوئی گناہ نہیں، حرام نہیں، لیکن خلاف ادب اور خلاف اولیٰ ہے اور حضور ﷺ کا ناپسندیدہ ہے۔

یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ جب حضور ﷺ نے کسی چیز سے منع فرمایا، جبکہ وہ چیز حرام اور گناہ بھی نہیں ہے، تو ایسے موقع پر حضور ﷺ نے لوگوں کو بتانے کیلیے کبھی کبھار خود بھی وہ عمل کر کے دکھا دیا، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ عمل گناہ اور حرام نہیں ہے، چنانچہ حضور ﷺ سے کئی مرتبہ کھڑے ہو کر پانی پینا بھی ثابت ہے۔جیسا کہ حضرت ام کبشہ رضی اللہ عنہا کے مشکیزے سے پانی پینے کا واقعہ گزرا، وہ مشکیزہ بھی دیوار کے ساتھ لگا ہوا تھا اور آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر منہ لگا کر اس سے پانی پیا۔اسی وجہ سے علماء نے فرمایا کہ اگر کوئی جگہ ایسی ہو جہاں بیٹھنے کی گنجائش نہ ہو، ایسے موقع پر اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر پانی پی لے تو کوئی مضائقہ نہیں، بلاکراہت جائز ہے۔بعض اوقات آپ ﷺ نے صرف یہ بتانے کے لیے کھڑے ہو کر پانی پیا کہ کھڑے ہو کر پانی پینا بھی جائز ہے۔ چنانچہ حضرت نزال بن سبرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ''باب الرحبہ'' میں تشریف لائے، (''باب الرحبۃ'' کوفہ کے اندر ایک جگہ کا نام ہے۔) وہاں پر کھڑے ہو کر آپ نے پانی پیا اور فرمایا:

اِنِّیْ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فَعَلَ کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ فَعَلْتُ.(بخاری، کتاب الا شربۃ، باب الشرب قائماً)

یعنی میں نے حضور ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا جس طرح تم نے مجھے دیکھا کہ میں کھڑے ہو کر پانی پی رہا ہوں۔

بہر حال حضور ﷺ نے کھڑے ہو کر پانی پی کر یہ بتا دیا کہ یہ عمل گناہ نہیں۔

بیٹھ کر پینے کی فضیلت:

حضور ﷺ نے اپنی امت کو جس چیز کی تعلیم دی، اور اس کی تاکید فرمائی، اور جس پر ساری عمر عمل فرمایا وہ یہ تھا کہ حتی الامکان بیٹھ کر ہی پیتے تھے۔اس لیے بیٹھ کر پانی پینا حضور ﷺ کی اہم سنتوں میں سے ہے۔ جو شخص اس کا جتنا اہتمام کرے گا انشاء اللہ اس پر اس کو اجر وثواب اور اس کی فضیلت اور برکات حاصل ہونگی، اس لیے کہ اس عمل میں کوئی خاص محنت اور مشقت نہیں ہے۔ اگر پانی کھڑے ہو کر پینے کے بجائے بیٹھ کر پی لیا جائے تو اس میں کیا حرج اور کیا مشقت لازم آجائے گی؟ لیکن جب سنت کی اتباع کی نیت کر کے پانی بیٹھ کر پیا جائے گا تو اتباع سنت کا عظیم اجر وثواب حاصل ہوگا۔

زمزم کا پانی پینے کا طریقہ:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو زمزم پلایا، آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر نوش فرمایا۔ (مسلم، جلد:2، ص: 147، ترمذی، جلد، 2، ص، 10)

اس حدیث کی وجہ سے بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ زمزم کا پانی بیٹھ کر پینے کے بجائے کھڑے ہو کر پینا افضل اور بہتر ہے۔ چنانچہ یہ بات مشہور ہے کہ دو قسم کا پانی بیٹھ کر پینے کے بجائے کھڑے ہو کر پینا چاہیے۔ ایک زمزم کا پانی، اور ایک وضو کا بچا ہوا پانی، اس لیے کہ وضو سے بچا ہوا پانی پینا بھی مستحب ہے۔ لیکن دوسرے علماء یہ فرماتے ہیں کہ افضل یہ ہے کہ یہ دونوں پانی بھی بیٹھ کر پینے چاہئیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت میں جو یہ مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے زمزم کا پانی کھڑے ہو کر نوش فرمایا، تو وہ اس وجہ سے تھا کہ ایک تو کنواں اور اس پر لوگوں کا ہجوم اور پھر کنویں کے چاروں طرف کیچڑ، قریب میں کہیں بیٹھنے کی جگہ بھی نہ تھی۔ اس لیے آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پانی پی لیا۔ لہٰذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پینا افضل ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی تحقیق یہ تھی کہ زمزم کا پانی بیٹھ کر پینا افضل ہے۔ اسی طرح وضو کا بچا ہوا پانی بھی بیٹھ کر پینا افضل ہے۔ البتہ عذر کے مواقع پر جس طرح عام پانی کھڑے ہو کر پینا جائز ہے اسی طرح زم زم اور وضو سے بچا ہوا پانی بھی کھڑے ہو کر پینا جائز ہے۔ عام طور پر لوگ یہ کرتے ہیں کہ زمزم کا پانی پینے کے لیے خاص طور پر کھڑے ہونے کا اہتمام کرتے ہیں (کہ پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے اور زمزم کا پانی پینے کے لیے کھڑے ہو گئے) اتنا اہتمام کر کے کھڑے ہو کر پینے کی ضرورت نہیں بلکہ بیٹھ کر پینا چاہیے، وہی افضل ہے۔ (اصلاحی خطبات، جلد: 5، ص: 238)

سونے چاندی کے برتن میں پینا:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے سونے چاندی کے برتن میں پانی پیا اس نے پیٹ میں جہنم کو انڈیلا۔ (مسلم، جلد: 2، ص: 187)

فائدہ: سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال خواہ کسی چیز کیلیے ہو مردوں و عورتوں دونوں کیلیے حرام ہے۔ عورتوں کو صرف زیورات کی اجازت ہے، اس کے علاوہ پاندان، سرمہ دانی، چمچہ وغیرہ کے طور پر چاندی کا برتن حرام ہے۔

آپ ﷺ کے پیالے کا بیان

عاصم احول رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول ﷺ کا پیالہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس دیکھا، وہ لکڑی کا پیالہ تھا۔ ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ اس میں لوہے کا پترا لگا ہوا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ لوہے کی جگہ سونے یا چاندی کا پترا لگادوں تو ان سے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس پیالے کی ہیت نہ بدلو جیسا تھا ویسا ہی رہنے دو۔ (بخاری، جلد: 2، ص: 832)

شیشے کا پیالہ:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے پاس شیشے کا پیالہ تھا۔ اس سے آپ ﷺ پانی پیتے تھے۔ (ابن ماجہ، جلد: 2، ص: 264)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مقوقس (بادشاہ) نے آپ ﷺ کو شیشے کا پیالہ ہدیہ بھیجا تھا۔ اس میں آپ ﷺ پیتے تھے۔ (ابن ماجہ، سیرت، ص: 362)

تانبے کا ملمع شدہ پیالہ:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس ایک تانبے کا پیالہ تھا جس پر چاندی کا ملمع تھا، اس سے آپ ﷺ پیتے تھے اور وضو فرماتے تھے۔ (مجمع الزوائد، جلد: 5، ص: 80)

ان احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ لکڑی کا پیالہ سنت ہے آپ ﷺ کی عادت طیبہ اسی لکڑی کے پیالے میں پینے کی تھی، اگرچہ مٹی اور شیشے کا بھی استعمال فرمایا ہے۔ آج کل لکڑی کا پیالہ (عام طور پر) نہیں ملتا۔ اگر لکڑی کا پیالہ بنوا کر پینے کی توفیق ہو جائے تو یہ محبت رسول ﷺ کی علامت ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لباس کے آداب

اسلام کی تعلیمات، زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہیں۔لہٰذا ان کا تعلق ہماری معاشرت اور رہن سہن کے ہر حصے سے ہے۔زندگی کا کوئی گوشہ اسلام کی تعلیمات سے خالی نہیں۔''لباس'' بھی زندگی کے گوشوں میں سے اہم گوشہ ہے۔اس لیے قرآن وسنت نے اس کے بارے میں بھی تفصیلی ہدایات دی ہیں۔

آج کل ہمارے دور میں یہ پروپیگنڈہ بڑی کثرت سے کیا گیا ہے کہ لباس تو ایسی چیز ہے جس کا ہر قوم اور ہر وطن کے حالات سے تعلق ہوتا ہے اس لیے آدمی اپنی مرضی اور ماحول کے مطابق کوئی لباس اختیار کرلے تو اس کے بارے میں شریعت کو بیچ میں لانا اور شریعت کے احکام سنانا تنگ نظری کی بات ہے۔خوب سمجھ لینا چاہیے کہ لباس کا معاملہ اتنا سادہ اور آسان نہیں ہے کہ آدمی جو چاہے لباس پہنتا رہے اور اس لباس کی وجہ سے اس کے دین پر، اس کے اخلاق پر اور اس کی زندگی پر، اس کے طرزِ عمل پر کوئی اثر واقع نہ ہو۔ یہ ایک مسلّم حقیقت ہے جس کو شریعت نے تو ہمیشہ بیان فرمایا ہے، اور اب نفسیات اور سائنس کے ماہرین بھی اس حقیقت کو تسلیم کرنے لگے ہیں کہ انسان کے لباس کا اس کی زندگی پر، اس کے اخلاق پر، اس کے کردار پر بڑا اثر ہوتا ہے۔لباس محض ایک کپڑا نہیں ہے جو انسان نے اٹھا کر پہن لیا بلکہ یہ لباس انسان کے طرزِ فکر پر، اس کی سوچ پر اور اس کی ذہنیت پر اثر انداز ہوتا ہے۔اس لیے اس لباس کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔

شریعت نے لباس کے بارے میں بڑی معتدل تعلیمات عطا فرمائی ہیں۔ چنانچہ شریعت نے کوئی خاص لباس مقرر کر کے اور اس کی ہیئت بتا کر یہ نہیں کہا کہ ہر آدمی کے لیے ایسا لباس پہننا ضروری ہے۔لہٰذا جو شخص اس ہیئت سے ہٹ کر لباس پہنے گا، وہ مسلمانی کے خلاف ہے۔ایسا اس لیے نہیں کیا کہ اسلام دینِ فطرت ہے اور حالات کے لحاظ سے مختلف ممالک کے لحاظ سے، وہاں کے موسموں کے لحاظ سے، وہاں کی ضروریات کے لحاظ سے، لباس مختلف ہوسکتا ہے۔کہیں باریک، کہیں موٹا، کہیں کسی وضع کا، کہیں کسی ہیئت کا لباس اختیار کیا جاسکتا ہے۔لیکن اسلام نے لباس کے بارے میں کچھ بنیادی اصول عطا فرمادیئے، ان اصولوں کی ہر حالت میں رعایت رکھنی ضروری ہے ان کو سمجھ لینا چاہیے۔

دین کے احکام روح پر بھی ہیں، جسم پر بھی، باطن پر بھی ہیں اور ظاہر پر بھی۔قرآن کریم میں اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے۔

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ. (پ8، ع1، سورۃ الانعام)

یعنی ظاہر کے گناہ بھی چھوڑ و اور باطن کے بھی چھوڑو۔ صرف یہ نہیں کہا کہ باطن کے گناہ چھوڑو جب تک ظاہر خراب ہے اس وقت تک باطن صحیح نہیں ہوسکتا۔ یہ شیطان کا دھوکہ ہے کہ باطن ٹھیک ہے اس لیے کہ ظاہر اسی وقت خراب ہوتا ہے جب اندر سے باطن خراب ہوتا ہے۔ اگر باطن خراب نہ ہوتو ظاہر بھی خراب نہیں ہوگا۔ ہمارے ایک بزرگ مثال دیا کرتے تھے کہ: جب کوئی پھل اندر سے سڑ جاتا ہے تو اس کے سڑنے کے آثار اس کے چھلکے پر داغ کی شکل میں نظر آنے لگتے ہیں اور اگر اندر سے وہ پھل سڑا ہوا نہیں ہے تو چھلکے پر بھی خرابی نظر نہیں آئے گی۔ چھلکے پر اسی وقت خرابی ظاہر ہوتی ہے جب اندر سے خراب ہو۔ اسی طرح سے جس شخص کا ظاہر خراب ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ باطن میں بھی کچھ نہ کچھ خرابی ضرور ہے ورنہ ظاہر خراب ہوتا ہی نہیں اس صورت میں یہ کہنا کہ ہمارا ظاہر اگر خراب ہے تو کیا ہوا؟ باطن تو ٹھیک ہے۔ اس صورت میں باطن کبھی ٹھیک ہو ہی نہیں سکتا۔ دنیا کے سارے کاموں میں تو ظاہر بھی مطلوب ہے اور باطن بھی مطلوب ہے ایک بچارا دین ہی ایسا رہا ہے جس کے بارے میں یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ہمیں اس کا باطن چاہیے، ظاہر نہیں چاہیے۔ مثلاً دنیا کے اندر جب آپ مکان بناتے ہیں تو مکان کا باطن تو یہ ہے کہ چار دیواری کھڑی کر کے اوپر سے چھت ڈال دی تو باطن حاصل ہو گیا اب اس پر پلاسٹر کی کیا ضرورت ہے؟ اور رنگ روغن کی کیا ضرورت ہے؟ اس لیے کہ مکان کی روح تو حاصل ہوگئی ہے، وہ مکان رہنے کے قابل ہو گیا ہے۔ مگر مکان کے اندر تو یہ فکر ہے کہ صرف چار دیواری اور چھت کافی نہیں بلکہ پلاسٹر بھی ہو، رنگ روغن بھی ہو، اس میں زیب و زینت کا سارا سامان موجود ہو یہاں کبھی صرف باطن ٹھیک کرنے کا فلسفہ نہیں چلتا۔ یہ سب شیطان کا دھوکہ اور فریب ہے لہٰذا ظاہر بھی درست کرنا ضروری ہے اور باطن بھی، چاہے لباس ہو یا کھانا ہو یا آداب معاشرت ہوں، اگرچہ ان سب کا تعلق ظاہر سے ہے لیکن ان سب کا گہرا اثر باطن پر واقع ہوتا ہے۔

اس لیے لباس کو معمولی سمجھ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو نبی کریم ﷺ لباس کے بارے میں کوئی ہدایت نہ فرماتے قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭوَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ. (سورۃ الاعراف، ع3)

قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لباس کے بنیادی اصول بیان فرمائے ہیں کہ اے بنی آدم! ہم نے تمہارے لیے ایسا لباس اتارا جو تمہاری پوشیدہ اور شرم کی چیزوں کو چھپاتا ہے اور جو تمہارے لیے زینت کا سبب بنتا ہے۔ اور تقوی کا لباس تمہارے لیے سب سے بہتر ہے یہ تین جملے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائے ہیں۔ تین جملوں میں اللہ تعالیٰ نے کائنات بھر دی ہے۔

اس آیت میں لباس کا پہلا مقصد یہ بیان فرمایا کہ وہ تمہاری پوشیدہ اور شرم کی چیزوں کو چھپا سکے "سوآۃ" کے معنی وہ چیز جس کے ذکر کرنے سے یا جس کے ظاہر ہونے سے انسان شرم محسوس کرے مراد ہے "ستر عورت" تو گویا کہ لباس کا سب سے بنیادی مقصد "ستر عورت" ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے جسم کے کچھ حصوں کو عورت قرار دیا یعنی وہ چھپانے کی چیز ہے۔ وہ ستر عورت مردوں میں اور ہے، عورتوں میں اور ہے۔ مردوں میں ستر کا حصہ جس کو چھپانا ہر حال میں ضروری ہے وہ ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ ہے اس حصے کو کھولنا بلا ضرورت جائز نہیں۔ علاج وغیرہ کی مجبوری میں تو جائز ہے۔ لیکن عام حالات میں اس کو چھپانا ضروری ہے۔

عورت کا سارا جسم سوائے چہرے اور گٹوں تک سب کا سب جسم "عورت" اور "ستر" ہے جس کا چھپانا ضروری ہے اور کھولنا جائز نہیں۔

لباس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ شریعت کے مقرر کیے ہوئے ستر کے حصوں کو چھپا لے۔ جو لباس اس مقصد کو پورا نہ کرے شریعت کی نگاہ میں وہ لباس ہی نہیں۔ وہ لباس کہلانے کے لائق نہیں کیونکہ وہ لباس اپنا بنیادی مقصد پورا نہیں کر رہا ہے جس کے لیے وہ بنایا گیا ہے۔

لباس کے بنیادی مقصد کو پورا نہ کرنے کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ لباس اتنا چھوٹا ہے کہ لباس پہننے کے باوجود ستر کا کچھ حصہ کھلا رہ گیا۔ اس لباس کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ اس لباس سے اس کا بنیادی مقصد حاصل نہیں ہوا اور کشف عورت ہو گیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس لباس سے ستر کو چھپا تو لیا لیکن وہ لباس اتنا باریک ہے کہ اس سے اندر کا بدن جھلکتا ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ لباس اتنا چست ہے کہ لباس پہننے کے باوجود جسم کی بناوٹ اور جسم کا ابھار نظر آ رہا ہے یہ بھی ستر کے خلاف ہے، اس لیے مرد کے لیے ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ ایسے کپڑے سے چھپانا ضروری ہے جو اتنا موٹا ہو کہ اندر سے جسم نہ جھلکے اور وہ اتنا ڈھیلا ڈھالا ہو کہ اندر کے اعضاء کو نمایاں نہ کرے اور اتنا مکمل ہو کہ جسم کا کوئی حصہ کھلا نہ رہ جائے۔ اور یہی تین چیزیں عورت کے لباس میں بھی ضروری ہیں۔ موجودہ دور کے فیشن نے لباس کے اصل مقصد ہی کو مجروح کر دیا ہے۔ اس لیے آج کل مردوں عورتوں میں ایسے لباس رائج ہو گئے ہیں جس میں اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ جسم کا کونسا حصہ کھل رہا ہے اور کونسا حصہ ڈھکا ہوا ہے۔ شریعت کی نگاہ میں وہ لباس لباس ہی نہیں جو خواتین بہت باریک اور بہت چست لباس پہنتی ہیں جس کی وجہ سے کپڑا پہننے کے باوجود جسم کی بناوٹ دوسروں کے سامنے نمایاں ہوتی ہے۔ ایسی خواتین کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ

"كَاسِيَاتٍ عَارِيَاتٍ"

وہ خواتین لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی۔ اس لیے کہ اس کپڑے سے وہ بنیادی مقصد حاصل نہ ہوا جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے لباس اتارا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے:

''حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میری (بہن) حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا رسول کریم ﷺ کے پاس آئیں اور وہ باریک کپڑے پہنے ہوئے تھیں تو آپ ﷺ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کہا کہ اے اسماء عورت جب بلوغ کو پہنچ جائے تو درست نہیں کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر آئے سوائے چہرے اور ہاتھوں کے''۔

مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو ایسا باریک لباس پہننا جائز نہیں جس سے جسم نظر آئے۔ ہاں! چہرے اور ہاتھوں کا کھلا رہنا جائز ہے۔ یعنی باقی جسم کی طرح ان کو کپڑے سے چھپانا ضروری نہیں۔ یہاں ملحوظ رہے کہ اس حدیث میں عورت کے لیے ستر کا حکم بیان فرمایا گیا ہے، پردہ کا حکم اس سے الگ ہے، اور وہ یہ ہے کہ بے ضرورت باہر نہ گھومیں اور اگر ضرورت اور کام سے باہر نکلیں تو پردہ میں نکلیں۔ ستر اور حجاب شریعت کے یہ دو حکم ہیں اور ان کے حدود الگ الگ ہیں بعض لوگوں کو اس میں شبہ ہو جاتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت اسماءؓ کے حضور ﷺ کے سامنے آنے کا جس کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے وہ پردہ کے حکم کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے کیونکہ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد حضرت اسماءؓ اس طرح آپ کے سامنے نہیں آسکتی تھیں۔ (واللہ اعلم)

حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ جو جتنے آج کل عام رواج پا گئے ہیں ان کو کسی طرح ختم کرو۔ خواتین اس حالت میں مجمع عام کے اندر جا رہی ہیں کہ سر کھلا ہوا ہے۔ بازو کھلے ہوئے ہیں، سینہ کھلا ہوا ہے پیٹ کھلا ہوا ہے حالانکہ ستر کا حکم یہ ہے کہ مرد کا مرد کے سامنے ستر کھولنا بھی جائز نہیں اور عورت کے لیے عورت کے سامنے ستر کھولنا جائز نہیں۔ مثلاً اگر کسی عورت نے ایسا لباس پہن لیا جس میں سینہ کھلا ہوا ہے، پیٹ کھلا ہوا ہے، بازو کھلے ہوئے ہیں تو اس عورت کو اس حالت میں دوسری عورتوں کے سامنے آنا بھی جائز نہیں۔ چہ جائیکہ اس حالت میں مردوں کے سامنے آئے، اس لیے کہ یہ اعضاء اس کے ستر کا حصہ ہیں۔

درحقیقت ان فتنوں نے جو ہمارے اوپر یہ عذاب مسلط کر رکھا ہے یہ بدامنی اور بے چینی جو آپ دیکھ رہے ہیں کہ کسی انسان کی جان و مال محفوظ نہیں ہے، درحقیقت ہماری ان بداعمالیوں کا نتیجہ ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

''وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ''. (پ 25، ع3، سورۃ شوریٰ)

ترجمہ:۔یعنی جو کچھ تمہیں برائی پہنچتی ہے وہ سب تمہارے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے پہنچتی ہےاور بہت سے گناہ تو اللہ تعالیٰ معاف ہی فرما دیتے ہیں اوران پر پکڑ نہیں فرماتے۔

ایک حدیث میں حضور ﷺ نے اس زمانے کا ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ اگر آج کا زمانہ کسی نے نہ دیکھا ہوتا تو وہ شخص حیران ہو جاتا کہ اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟

آج کے جدید فیشن نے حضور ﷺ کی پیشن گوئی کو پورا کر دیا اور ایسا لگتا ہے کہ حضور ﷺ نے آج کی عورتوں کو دیکھ کر یہ بات ارشاد فرمائی ہو۔ چنانچہ فرمایا کہ قیامت کے قریب عورتیں لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی اوران کے سروں کے بال ایسے ہونگے جیسے بختی اونٹوں کے کوہان ہوتے ہیں۔

آگے ارشاد فرمایا:" مُمِیْلَاتِ مَائِلَاتِ " یعنی وہ عورتیں اپنے لباس سے،اپنے انداز سے،اپنے زیب وزینت اور بناؤ سنگھار سے دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے والی ہوں گی اور تخت پر سوار ہو کر آئیں گی اور مسجد کے دروازے پر اتریں گی۔اب شراح حدیث اس حدیث کی تشریح میں حیران تھے کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ لیکن آج کے حالات نے اس حدیث کو واضح کر دیا کہ کس طرح کاروں کے اندر بیٹھ کر خواتین آتیں ہیں۔

لباس کا دوسرا مقصد اللہ پاک نے یہ بیان فرمایا کہ :" رِیْشــاً "یعنی ہم نے اس لباس کو تمہارے لیے زینت کی چیز اور خوبصورتی کی چیز بنایا، ایک انسان کی خوبصورتی لباس میں ہے، لہٰذا لباس ایسا ہونا چاہیے کہ جس کو دیکھ کر انسان کو فرحت ہو، بدہیئت اور بے ڈھنگا نہ ہو جس کو دیکھ کر دوسروں کو نفرت اور کراہیت ہو بلکہ ایسا ہونا چاہیے کہ جس کو دیکھ کر زینت کا فائدہ حاصل ہو سکے بعض اوقات دل میں یہ اشتباہ رہتا ہے کہ کیسا لباس پہنیں یا کس درجے کا پہنیں؟

حضرت تھانویؒ نے بڑا اچھا قاعدہ بتایا کہ لباس ایسا ہونا چاہیے جو ساتر ہو اور ساتر ہونے کے ساتھ ساتھ اس سے تھوڑا سا آسائش کا مقصد بھی حاصل ہو یعنی اس لباس کے ذریعے جسم کو راحت و آرام بھی حاصل ہو۔ایسا لباس پہننے میں کوئی حرج نہیں اور اپنے دل کو خوش کرنے کے لیے زیبائش کا لباس پہنے تو یہ بھی جائز ہے۔مثلاً اگر ایک کپڑا دس روپے گز ہے اور دوسرا پندرہ روپے گز مل رہا ہے۔اب اگر ایک شخص پندرہ روپے گز والا اس لیے خریدے کہ اس کے ذریعے سے میرے جسم کو آرام ملے گا اس وجہ سے کہ یہ کپڑا مجھے اچھا لگتا ہے اس کو پہننے سے میرا دل خوش ہوگا اور اللہ پاک نے مجھے اتنی وسعت دے رکھی ہے کہ میں دس روپے کے بجائے پندرہ روپے گز والا کپڑا پہن سکتا ہوں تو یہ نہ اسراف میں داخل ہے اور یہ گناہ بھی نہیں ہے بلکہ شرعاً جائز بھی ہے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے وسعت بھی دی ہے اور دل خوش کرنے کے لیے ایسا کپڑا پہنتے ہیں اس لیے جائز ہے حدیث پاک میں آتا ہے کہ: حضرت ابو امامہ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے نیا کپڑا پہنا تو یہ فرمایا:

الحمدللہ الذی کسانی ما اواری بہ عورتی و اتجمل بہ فی حیاتی.

ترجمہ:۔تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے وہ کپڑا پہننے کو دیا جس کے ذریعے میں اپنا ستر بھی چھپاتا ہوں اور اپنی زندگی میں لوگوں کے سامنے اپنی آرائش بھی کرتا ہوں“۔

پھر انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص نیا کپڑا پہننے کے بعد یوں کہے۔اور پھر اس کپڑے کو جو پرانا ہو گیا ہے کسی کو اللہ کے واسطے دیدے تو وہ اپنے جیتے جی اور مرنے کے بعد (یعنی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی) اللہ کی پناہ میں رہے گا۔اللہ کی محافظت میں رہے گا اور اللہ کے عفو و مغفرت کے پردے میں رہے گا۔

اگر ایک شخص کی آمدنی اچھی ہو اس کے لیے خراب قسم کا کپڑا اور بہت گھٹیا قسم کا لباس پہننا کوئی پسندیدہ بات نہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک صاحب حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہ صاحب بہت بدہیئت قسم کا پرانا لباس پہنے ہوئے ہیں۔حضور ﷺ نے ان صاحب سے پوچھا: کیا تمہارے پاس مال ہے؟

اس نے کہا ہاں۔آپ نے پوچھا تیرے پاس کس قسم کا مال ہے؟

جواب دیا: یا رسول اللہ! اللہ پاک نے مجھے ہر قسم کا مال عطا فرمایا ہے یعنی اونٹ، بکریاں، گھوڑے اور غلام سب ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال دیا ہے تو اس کے انعامات کا کچھ اثر تمہارے لباس سے بھی ظاہر ہونا چاہیے۔(مجمع جلد 5، صفحہ 136)

ایسا نہ ہو کہ اللہ نے سب کچھ دے رکھا ہے لیکن فقیر اور گداگر کی طرح پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ یہ تو ایک طرح سے اللہ پاک کی نعمت کی ناشکری ہے۔لہٰذا اللہ پاک کی نعمت کا اثر ظاہر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آرام اور اپنی آسائش اور زیبائش کی خاطر کوئی شخص اچھا اور قیمتی لباس پہن لے تو اس میں کوئی گناہ نہیں، جائز ہے۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ: ”حضرت جابر ؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم ﷺ ملاقات کی غرض سے ہمارے پاس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ایک پراگندہ بال شخص کو دیکھا جس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ: کیا اس شخص کو وہ چیز (یعنی کنگھی وغیرہ) میسر نہیں ہے۔جس کے ذریعے یہ بالوں کو درست کر سکے؟

اسی طرح آپ ﷺ نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کے بدن پر میلے کچیلے کپڑے تھے تو فرمایا کہ اس شخص کو وہ چیز (یعنی صابون یا پانی) میسر نہیں ہے جس سے یہ اپنے کپڑوں کو دھولے“(آداب بیہقی صفحہ 34)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جسم کی درستی اور ونفاست اور لباس کی صفائی وستھرائی رسول پاک ﷺ کے نزدیک پسندیدہ تھی اور اس کا برعکس ناپسندیدہ اور مکروہ تھا۔ کیونکہ یہ چیزیں تہذیب وشائستگی کی علامت بھی ہیں اور اسلام کی روح پاکیزگی کے عین مطابق۔ آپ ﷺ کے بارے میں یہ بھی منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ایسا جبہ زیب تن فرمایا جس کی قیمت دو ہزار دینار تھی۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ حضور ﷺ کا یہ عمل شریعت کا حصہ بننا تھا، اس لیے ہم جیسے کمزوروں کے لیے یہ بھی فرمایا کہ: اگر تم اپنی جسمانی راحت وآرام اور آسائش کے لیے کوئی قیمتی لباس پہننا چاہتے ہو یہ بھی جائز ہے لیکن اگر لباس پہننے سے نہ تو آسائش مقصود ہے اور نہ آرائش مقصود ہے، بلکہ نمائش اور دکھاوا مقصود ہے، تاکہ لوگ دیکھیں کہ ہم نے کتنا شاندار کپڑا پہنا ہوا ہے اور اتنا اعلیٰ درجے کا لباس پہنا ہوا ہے اور یہ دکھانا مقصود ہے کہ ہم بڑی دولت والے، بڑے پیسے والے ہیں، اور دوسروں پر بڑائی جتانا اور دوسروں پر رعب جمانا مقصود ہے، تو سب باتیں نمائش میں داخل ہیں اور حرام ہیں۔ اس لیے کہ نمائش کی خاطر جو بھی لباس پہنا جائے وہ حرام ہے جیسا کہ حدیث میں آیا کہ ''حضرت ابن عمر ؓ کہتے ہیں کہ: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دنیا میں شہرت کا لباس پہنے گا قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کو ذلت کا لباس پہنائے گا'' مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنی عزت طلبی اور اپنی بڑائی کے اظہار کی غرض سے اعلیٰ اور نفیس لباس پہنے یعنی اس کا مقصد یہ ہو کہ لوگ میرے جسم پر اعلیٰ لباس دیکھ کر میری عزت کریں گے اور مجھے شہرت اور بڑائی ملے گی تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ذلیل وحقیر کپڑا پہنائے گا۔ یعنی اس کو اس کپڑے سے ذلیل وبے عزت کرے گا۔

اسی لیے نبی کریم ﷺ کا بڑا اصولی ارشاد ہے کہ جو چاہو کھاؤ، جو چاہو پہنو، لیکن دو چیزوں سے پرہیز کرو ایک اسراف اور دوسرے تکبر سے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح کا کپڑا چاہو پہنو، تمہارے لیے یہ جائز ہے لیکن اسراف نہ ہو اور اسراف اسی وقت ہوتا ہے جب آدمی نمائش کے لیے کپڑا پہنتا ہے اور دوسرے یہ کہ جس کپڑے کو پہن کر تکبر پیدا ہو، اس سے بچوں حدیث پاک میں آیا ہے کہ ''حضرت ابوامامہ ؓ کہتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: کیا تم سن نہیں رہے ہو، کیا تم سن نہیں رہے ہو؟ یعنی اے لوگو! کان لگا کر سنو کپڑے کی بوسیدگی وکھنگی لباس کی سادگی کو اختیار کرنا اور دنیا کی زیب وزینت کو ترک کرنا حسن ایمان کی علامت ہے۔

لباس کے بارے میں شریعت نے جو تیسرا اصول بیان فرمایا: وہ ہے ''تشبّہ'' سے بچنا یعنی ایسا لباس پہننا جس کو پہن کر انسان کسی قوم کا فرد نظر آئے اور اس مقصد سے وہ لباس پہنے، تاکہ میں ان جیسا ہو جاؤں، اس کو شریعت میں ''تشبہ'' کہتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ کسی غیر مسلم قوم کی نقالی کی نیت سے کوئی لباس پہننا، اس سے قطع نظر کہ وہ چیز ہمیں پسند ہے یا نہیں؟ وہ اچھی ہے یا بری؟ لیکن چونکہ فلاں قوم

کی نقالی کرنی ہے بس ان کی نقالی کے پیش نظر اس لباس کو اختیار کیا جارہا ہے اس کو ''تشبہ'' کہتے ہیں۔ اس نقالی پر حضور ﷺ نے بڑی سخت وعید ارشاد فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

''مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فهو مِنْهُمْ''

یعنی جو شخص کسی قوم کے ساتھ ''تشبہ'' اختیار کرے، اسی کی نقالی کرے اور ان جیسا بننے کی کوشش کرے تو وہ انہی میں سے ہے۔ گویا کہ وہ مسلمانوں میں سے نہیں ہے۔ اسی قوم کا ایک فرد ہے، اس لیے کہ یہ شخص انہی کو پسند کر رہا ہے، انہی سے محبت رکھتا ہے، انہی جیسا بننا چاہتا ہے، تو اب تیرا حشر بھی ان کے ساتھ ہوگا۔ **نعوذ باللہ منه**

''تشبہ'' کے بارے میں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ یہ ''تشبہ'' کب پیدا ہوتا ہے؟ اور کب اس کی ممانعت آتی ہے؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی ایسے کام میں دوسری قوم کی نقالی کرنا جو فی نفسہ برا کام ہے اور شریعت کے اصول کے خلاف ہے ایسے کام میں نقالی تو حرام ہی ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر وہ کام فی نفسہ برا تو نہیں ہے بلکہ مباح ہے لیکن یہ شخص اس غرض سے وہ کام کر رہا ہے کہ میں ان جیسا نظر آؤں اور دیکھنے میں ان جیسا لگوں، اور اہتمام کر کے ان جیسا بننے کی کوشش کر رہا ہے اس صورت میں وہ مباح کام بھی حرام اور ناجائز ہو جاتا ہے۔ لہٰذا کوئی عمل جو فی نفسہ جائز اور مباح ہو مگر اس کے ذریعے دوسری قوموں کے ساتھ مشابہت پیدا کرنا مقصود ہو اس کو ''تشبہ'' کہتے ہیں جس کو حضور ﷺ نے ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔ اسی مندرجہ بالا اصول کی بنیاد پر یہ کہا جائے گا کہ جو لباس کسی بھی قوم کا شعار بن چکے ہیں یعنی وہ لباس اس قوم کی امتیازی علامت بن چکا ہے اگر ان کی نقالی کی غرض سے ایسا لباس اختیار کیا جائے تو وہ حرام اور ناجائز اور گناہ ہوگا۔ کسی قوم کا ''تشبہ'' بھی منع ہے اور مردوں عورتوں کا ایک دوسرے کی ہیئت اور لباس اختیار کرنے پر بھی حدیث میں لعنت آئی ہے۔ ''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں (یعنی ان کی سی شکل و ہیئت، ان کا سا لباس اور ان کا انداز اپنائیں) اور ان عورتوں پر بھی جو مردوں کی مشابہت اختیار کریں (یعنی ان کی سی شکل و ہیئت، ان کا لباس اور طرز و انداز اختیار کریں)''۔

ایک اور حدیث میں خصوصیت کے ساتھ لباس کے بارے میں یہی فرمایا گیا ہے کہ ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان مردوں پر لعنت فرمائی ہے جو زنانہ لباس پہنیں اور ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو مردانہ لباس پہنیں''۔

تشبُّہ اور مشابہت میں فرق ہے:

یہ دو چیزیں الگ الگ ہیں، ایک ہے ''تشبہ'' اور دوسری ہے ''مشابہت'' دونوں میں فرق ہے۔

"تشبہ" کا معنی تو یہ ہے کہ انسان ارادہ کر کے نقالی کرے، اور ارادہ کر کے ان جیسا بننے کی کوشش کرے، یہ تو بالکل ہی ناجائز ہے۔

دوسری چیز ہے "مشابہت" یعنی ان جیسا بننے کا ارادہ تو نہیں کیا تھا لیکن اس عمل سے ان کے ساتھ مشابہت خود بخود پیدا ہوگئی تو یہ "مشابہت" جو خود بخود پیدا ہو جائے تو یہ حرام تو نہیں لیکن حضور ﷺ نے بلا ضرورت مشابہت پیدا ہونے سے بھی بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ فرمایا کہ اس کی کوشش کرو کہ ان سے امتیاز رہے۔ مسلمان قوم اور مسلمان ملت کا امتیاز ہونا چاہیے ایسا نہ ہو دیکھ کر پتہ ہی نہ چلے کہ یہ آدمی مسلمان ہے یا نہیں؟ سر سے لے کر پاؤں تک اپنا حلیہ ایسا بنا رکھا ہے یہ دیکھ کر پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ مسلمان ہے کہ نہیں، اس کو سلام کریں یا نہ کریں مباحات کے ذریعہ بھی ایسا حلیہ بنانا پسندیدہ نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے "مشابہت" سے بچنے کا اتنا اہتمام فرمایا کہ مُحرّم کی دس تاریخ کو عاشورہ کے دن روزہ رکھنا بڑی فضیلت کا کام ہے اور جب آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو ابتداء میں عاشورہ کا روزہ فرض تھا اور رمضان کے روزے اس وقت تک فرض نہیں ہوئے تھے اور جب رمضان کے روزے فرض ہوگئے تو عاشورہ کے روزے کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔ اب فرض تو نہ رہا البتہ نفل اور مستحب بن گیا۔ لیکن جب حضور ﷺ کو یہ معلوم ہوا کہ یہودی بھی عاشورہ کے دن کا روزہ رکھتے ہیں اب ظاہر ہے کہ اگر مسلمان عاشورہ کے دن روزہ رکھیں تو وہ یہودیوں کی نقالی میں تو نہیں رکھیں گے۔ وہ تو حضور ﷺ کی اتباع میں رکھیں گے لیکن حضور ﷺ نے فرمایا کہ: اگر آئندہ سال میں زندہ رہا تو عاشورہ کے ساتھ ایک روزہ اور ملا کر رکھوں گا، یا نویں تاریخ کا یا گیارہویں تاریخ کا روزہ، تاکہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت پیدا نہ ہو بلکہ ان سے علیحدگی اور امتیاز ہو جائے۔

اب دیکھئے کہ روزے جیسی عبادت میں بھی رسول اللہ ﷺ نے مشابہت پیدا ہونے کو پسند نہیں فرمایا۔ اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب عاشورہ کا روزہ رکھو تو اس کے ساتھ یا تو نویں تاریخ کا روزہ ملا لو، یا گیارہویں تاریخ کا روزہ ملا لو، تاکہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت بھی پیدا نہ ہو۔ لہٰذا "تشبہ" تو حرام ہے لیکن "مشابہت" پیدا ہو جانا بھی کراہت سے خالی نہیں لہٰذا اس سے بھی بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔

ایک حدیث شریف میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

"خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ"

یعنی مشرکین کے طریقے کی مخالفت کرو یعنی انہوں نے جیسے طریقے اختیار کیے ہیں تم ان سے الگ اپنا طریقہ بناؤ۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایک الگ قوم بنایا اور اپنے گروہ میں شامل فرما کر ہمارا

نام ”حزب اللہ“ رکھا یعنی اللہ کا گروہ، اور ساری دنیا ایک طرف اور ہم ایک طرف قرآن کریم نے بیان فرمایا کہ بنیادی طور پر پوری دنیا میں دو جماعتیں ہیں چنانچہ فرمایا کہ:

”خَلَقَكُمْ فَمِنكُمْ كَافِرٌ وَمِنكُمْ مُؤْمِنٌ“

یعنی دو جماعتیں ہیں ایک کافر اور ایک مومن، اس لیے مومن کو کبھی کافر کی جماعت کے ساتھ مخلوط نہ ہونا چاہیے اس کا امتیاز ہونا چاہیے اس کے لباس میں، اس کی پوشاک میں، اس کی وضع قطع میں، اس کے اٹھنے بیٹھنے میں، اس کے طریقہ ادا میں، ہر چیز میں اسلامی رنگ نمایاں ہونا چاہیے اب اگر مسلمان دوسروں کا طریقہ اختیار کرے تو اس کے نتیجے میں وہ امتیاز مٹ جائے گا۔

لباس کے بارے میں شریعت کا چوتھا اصول یہ ہے کہ: ایسا لباس پہننا حرام ہے جس کو پہن کر دل میں تکبر اور بڑائی پیدا ہو جائے۔ چاہے وہ لباس ٹاٹ ہی کیوں نہ ہو مثلاً اگر کوئی شخص ٹاٹ کا لباس پہنے اور مقصد یہ ہو کہ یہ پہن کر میں لوگوں کی نظر میں بڑا درویش اور صوفی نظر آؤں اور بڑا متقی پرہیز گار بن جاؤں اور پھر اس کی وجہ سے دوسروں پر اپنی بڑائی کا خیال دل میں آجائے اور دوسروں کی تحقیر پیدا ہو جائے تو ایسی صورت میں وہ ٹاٹ کا لباس بھی تکبر کا ذریعہ اور سبب ہے اس لیے حرام ہے۔ خلاصہ یہ کہ لباس کے یہ چار اصول ہیں۔

(1) وہ ساتر (یعنی جسم کو ہر اعتبار سے ڈھانپنے اور چھپانے والا ہو۔ (2) حدود شریعت میں رہتے ہوئے اس کے ذریعہ زینت بھی حاصل کرنی چاہیے۔ (3) اس کے ذریعہ نمائش اور دکھاوا مطلوب نہ ہو۔ (4) اس کے پہننے سے تکبر نہ پیدا ہوتا ہو۔

لباس میں داہنی طرف سے ابتداء رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا:۔ ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کرتا پہنتے تو داہنی جانب سے شروع فرماتے“۔

لباس کی سنت یہ ہے کہ: قمیص وغیرہ پہنیں تو پہلے دایاں ہاتھ آستین میں ڈالیں پھر بایاں ہاتھ۔ اسی طرح جب شلوار پہنیں تو۔ اور جب اتارنا ہو تو پہلے بایاں ہاتھ پھر دایاں ہاتھ۔ اسی طرح شلوار میں پاؤں کا معاملہ ہے۔

لباس کے احکام

لباس کے بارے میں شریعت کی بتائی ہوئی حدود یہ ہیں:۔

1۔ مرد شلوار، تہہ بند اور پاجامہ وغیرہ ٹخنوں سے اوپر رکھیں۔ ٹخنے پورے یا ان کا کچھ حصہ بھی ان میں چھپنا نہیں چاہیے۔ عورت اپنے ٹخنے اور پشت قدم کو چھپائے۔

2۔ لباس اتنا باریک، چھوٹا اور چست نہ ہو کہ وہ اعضاء ظاہر ہو جائیں جن کا چھپانا واجب ہے۔

3۔لباس میں کافروں اور فاسقوں کی نقالی اور مشابہت اختیار نہ کریں۔

4۔مرد زنانہ لباس اور عورتیں مردانہ لباس نہ پہنیں۔

5۔مالدار اتنا گھٹیا لباس نہ پہنے کہ دیکھنے والے اسے مفلس سمجھیں۔

6۔فخر و نمائش اور تکلف سے پرہیز کریں۔

7۔مردوں کو اصلی ریشم کا لباس پہننا حرام ہے۔

پردے کے احکام اور اس کی اہمیت

پردہ اپنی مقررہ حدود کے ساتھ ایک شرعی حکم اور دینی ہدایت ہے، جس کی بنیادیں کتاب وسنت، ان کی فقہی تشریحات اور تعامل سلف پر قائم ہیں اور وہ ان ہی بنیادوں پر ہر دور میں بلا انقطاع، امت مرحومہ کا معمول چلا آرہا ہے۔ وہ کوئی فرضی یا اختراعی چیز نہیں جسے کسی مروجہ سوسائٹی نے ہنگامی مصالح کے تحت تجویز کر لیا ہو اور اس کے رواج پذیر ہو جانے سے مسلمانوں کے ماحول میں اسے خواہ مخواہ شرعی حیثیت دے دی گئی ہو، نہ یہ واقعہ ہی ہے اور نہ ہی اس جامع دین اور اس کے مکمل اور محفوظ شرعی دستور زندگی کے شایان شان ہی ہے جس میں کسی کمی کی گنجائش ہے، نہ زیادتی کی۔ مگر ایک عرصہ سے اس کے ساتھ فطری اور عملی طور پر افراط و تفریط کا برتاؤ کیا جا رہا ہے۔ جس سے عوام کی نظر میں شرعی حیثیت اور بنیادی حقیقت مشتبہ ہوگئی اور وہ مختلف شکوک وشبہات اور سوالات کی آماجگاہ بن کر رہ گیا ہے۔

خدا تعالیٰ اور اس کے مقدس رسول ﷺ نے شرم و حیا کے جو مظاہر تجویز کیے ہیں وہ فطرت کی آواز ہیں۔ عقل سلیم ان کی حکمت و گہرائی پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہے۔ آیئے ذرا دیکھیں کہ خدا تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات مقدسہ میں اس سلسلے میں کیا ہدایات دی گئی ہیں۔

1۔ صنف نازک کی وضع وساخت فطرت نے ایسی بنائی ہے کہ اسے سراپا ستر کہنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ خالق فطرت نے بلا ضرورت اس کے گھر سے نکلنے کو برداشت نہیں کیا۔ تاکہ گوہر آبدار، ناپاک نظروں کی ہوس سے گرد آلود نہ ہو جائے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى.

ترجمہ:۔ "اور اٹکی رہو اپنے گھروں میں اور مت نکلو پہلی جاہلیت کی طرح بن ٹھن کر"۔ (الاحزاب۔ 33)

"پہلی جاہلیت" سے مراد قبل از اسلام کا دور ہے جس میں عورتیں بے حجاب بازاروں میں اپنی نسوانیت کی نمائش کیا کرتی تھیں...... "پہلی جاہلیت" کے لفظ سے گویا پیشگوئی کر دی گئی کہ انسانیت پر ایک "دوسری جاہلیت" کا دور بھی آنے والا ہے جس میں عورتیں اپنی فطری خصوصیات کے تقاضوں کو جاہلیت جدیدہ کے سیلاب کی نذر کر دیں گی۔ **نعوذ باللہ من ذالک.**

قرآن کی طرح صاحب قرآن ﷺ نے بھی صنف نازک کو سراپا ستر قرار دیکر بلا ضرورت اس کے باہر

نکلنے کو ناجائز فرمایا ہے۔

وعنه (عن ابن مسعود) عن النبی ﷺ قال المَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَإِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ رواه الترمذی(مشکوۃ ص269)

ترجمہ:۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''عورت سراپا ستر ہے پس جب وہ نکلتی ہے تو شیطان اس کی تانک جھانک کرتا ہے''۔ (مشکوۃ۔ترمذی)

2۔اور اگر ضروری حوائج کے لیے اسے گھر سے باہر قدم رکھنا پڑے تو اسے حکم دیا گیا ہے کہ وہ ایسی بڑی چادر اوڑھ کر باہر نکلے جس سے پورا بدن سر سے پاؤں تک ڈھک جائے۔سورہ احزاب آیت 69 میں ارشاد ہے:

يَآيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ.

ترجمہ:۔اے نبی ﷺ اپنی بیویوں، صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ (جب باہر نکلیں تو) اپنے اوپر بڑی چادریں جھکا لیا کریں۔

مطلب یہ کہ ان کو بڑی چادریں لپیٹ کر نکلنا چاہیے اور چہرے پر چادر کا گھونگھٹ ہونا چاہیے۔ پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ کے مقدس دور میں خواتین اسلام کا یہی معمول تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے کہ خواتین، آنحضرت ﷺ کی اقتداء میں نماز کے لیے مسجد آتی تھیں تو اپنی چادروں میں اس طرح لپٹی ہوئی ہوتی تھیں کہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔

مسجد میں حاضری اور آنحضرت ﷺ کی اقداء میں نماز پڑھتیں اور آپ ﷺ کے ارشاد سننے کی ان کو ممانعت نہیں تھی۔ لیکن آنحضرت ﷺ عورتوں کو یہ تلقین فرماتے تھے کہ ان کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا ان کے لیے بہتر ہے۔ (ابوداؤد۔مشکوۃ ص96)

آنحضرت ﷺ کی دقت نظر اور خواتین کی عزت و حرمت کا اندازہ کیجئے کہ مسجد نبویؐ، جس میں ادا کی گئی ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔آنحضرت ﷺ خواتین کے لیے اس کیبجائے اپنے گھر پر نماز پڑھنے کو افضل اور بہتر فرماتے ہیں۔ اور آنحضرت ﷺ کی اقتداء میں جو نماز ادا کی جائے اس کا مقابلہ تو شاید ہی پوری امت کی نمازیں بھی نہ کر سکیں۔ لیکن آنحضرت اپنی اقتداء میں نماز پڑھنے کے بجائے عورتوں کے لیے اپنے گھر پر تنہا نماز پڑھنے کو افضل قرار دیتے ہیں، یہ ہے شرم و حیا اور عفت کا وہ بلند ترین مقام جو آنحضرت ﷺ نے خواتین اسلام کو عطا کیا تھا اور جو بدقسمتی سے تہذیب جدید کے بازار میں آج ٹکے سیر بک رہا ہے۔

مسجد اور گھر کے درمیان تو پھر فاصلہ ہوتا ہے آنحضرت ﷺ نے اسلام کے قانون ستر کا یہاں تک لحاظ کیا ہے کہ عورت کے اپنے مکان کے حصوں کو تقسیم کر کے فرمایا: کہ فلاں حصے میں اس کا نماز پڑھنا فلاں

حصے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عن عبداللہ عن النبی ﷺ قال صلوٰۃ المرأۃِ فِیۡ بَیۡتِھَا اَفۡضَلُ مِنۡ صَلوٰتِھَا فِیۡ حُجۡرَتِھَا وَصَلوٰتُھا فِی مَخۡدَعِھَا اَفۡضَلُ مِنۡ صَلوٰتِھَا فِیۡ بَیۡتِھَا.(ابو دائود1، ص84)

ترجمہ:۔عورت کی سب سے افضل نماز وہ ہے جو اپنے گھر کی چار دیواری میں ادا کرے۔ اور اس کا اپنے مکان کے کمرے میں نماز ادا کرنا اپنے صحن میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اور پچھلے کمرے میں نماز پڑھنا آگے کے کمرے میں نماز پڑھنے سے افضل ہے‘‘۔(ابوداؤد۔مشکٰوۃ)

بہرحال ارشاد نبوی یہ ہے کہ عورت حتی الوسع گھر سے باہر نہ جائے۔اور اگر جانا پڑے تو بڑی چادر میں اس طرح لپٹ کر جائے کہ پہچانی تک نہ جائے۔ چونکہ بڑی چادروں کا بار بار سنبھالنا مشکل تھا، اس لیے شرفاء کے گھرانوں میں چادر کے بجائے برقعہ کا رواج ہوا۔ یہ مقصد ڈھیلے ڈھالے قسم کے دیسی برقعہ سے حاصل ہو سکتا تھا مگر شیطان نے اس کو بھی فیشن کی بھٹی میں رنگ کر نسوانی نمائش کا ایک ذریعہ بنا ڈالا۔ میری بہت سی بہنیں ایسے برقعے پہنتی ہیں جن میں ستر سے زیادہ ان کی نمائش نمایاں ہوتی ہے۔

3۔عورت گھر سے باہر نکلے تو اسے صرف یہی تاکید نہیں کی گئی کہ چادر یا برقعہ اوڑھ کر نکلے بلکہ گوہر نایاب شرم وحیا کو محفوظ رکھنے کے لیے مزید ہدایات بھی دی گئیں۔مثلاً مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی یہ حکم دیا گیا کہ اپنی نظریں نیچی اور اپنی عصمت کے پھول کو نظر بد کی بادسموم سے محفوظ رکھیں۔

سورہ النور آیت 30-31 میں ارشاد ہے:

قُلۡ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِھِمۡ وَیَحۡفَظُوۡا فُرُوۡجَھُمۡ ذٰلِکَ اَزۡکیٰ لَھُمۡ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیۡرٌ بِمَا یَصۡنَعُوۡنَ.(سورہ نور آیت.30-31)

ترجمہ:۔اے نبی! مومنوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزگی کی بات ہے اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے خبردار ہے۔‘‘

وَقُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنَاتِ یَغۡضُضۡنَ مِنۡ اَبۡصَارِھِنَّ وَیَحۡفَظۡنَ فُرُوۡجَھُنَّ وَلَا یُبۡدِیۡنَ زِیۡنَتَھُنَّ اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنۡھَا.

ترجمہ: ’’اور مومن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں۔اور اپنی زینت کا اظہار نہ کریں، سوائے اس کے جو خود ہی کھلا رہتا ہے۔الخ۔

ایک ہدایت یہ دی گئی ہے کہ عورتیں اس طرح نہ چلیں جس سے ان کی مخفی زینت کا اظہار نامحرموں کے لیے باعث کشش ہو۔قرآن کی مندرجہ بالا آیت کے آخر میں فرمایا ہے:

وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ.

ترجمہ:۔''اور اپنے پاؤں اس طرح نہ رکھیں کہ جس سے ان کی مخفی زینت ظاہر ہو جائے''۔

ایک ہدایت یہ دی گئی ہے کہ اگر اچانک کسی نامحرم پر نظر پڑ جائے تو اسے فوراً ہٹالے اور دوبارہ قصداً دیکھنے کی کوشش نہ کرے۔حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔''اے علی! اچانک نظر کے بعد دوبارہ نظر مت کرو۔پہلی تو (بے اختیار ہونے کی وجہ سے) تمہیں معاف ہے۔مگر دوسری کا گناہ ہوگا۔

آج کل گلی کوچوں میں، بازاروں میں، کالجوں میں اور دفتروں میں بے پردگی کا جو طوفان برپا ہے اور یہود ونصاریٰ کی تقلید میں ہماری بہو بیٹیاں جس طرح بن ٹھن کر بے حجابانہ گھوم پھر رہی ہیں قرآن کریم نے اس کو جاہلیت کا مظہر فرمایا ہے۔اور یہ انسانی تہذیب، شرافت اور عزت کے منہ پر زناٹے کا طمانچہ ہے۔ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، مستدرک میں بسند صحیح آنحضرت ﷺ کا ارشاد مروی ہے:

عَنْ اَبِی الْمَلِیْحِ قال قَدِمَ عَلٰی عَائِشَةَ نِسْوَةٌ مِنْ اَهْلِ حِمْصَ فَقَالَتْ مِنْ اَیْنَ اَنْتُنَّ ......قَالَتْ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ یَقُوْلُ لَا تَخْلَعُ اِمْرَأَةٌ ثِیَابَهَا فِیْ غَیْرِ بَیْتِ زَوْجِهَا اِلَّا هَتَكَتِ السَّتْرَ بَیْنَهَا وَ بَیْنَ رَبِّهَا(مشکوۃ واللفظ له. ترمذی ص103)

ترجمہ: جس عورت نے اپنے گھر کے سوا دوسری کسی جگہ کپڑے اتارے، اس نے اپنے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو پردہ حائل تھا اسے چاک کر دیا۔عورت کے سر کا ایک بال بھی ستر ہے اور نامحرموں کے سامنے ستر کھولنا شرعاً حرام اور طبعاً بے غیرتی اور بے حیائی کی بات ہے۔

کافر عورت کے سامنے مسلمان عورت صرف منہ اور پہنچوں تک دونوں ہاتھ اور ٹخنوں سے نیچے تک دونوں پیر کھول سکتی ہے۔ان کے علاوہ ایک بال کا کھولنا بھی درست نہیں ہے۔غیر مسلم عورتیں خواہ وہ بھنگن ہو یا گھر کے کام کرنے کی خادمہ ہو یا نرس و لیڈی ڈاکٹر ہو سب کے متعلق یہی حکم ہے۔

پردے کے مسائل

(1) عورت کو عورت کے روبرو بھی ناف سے نیچے تک بدن کھولنا جائز نہیں ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ بعض عورتیں جو نہاتے وقت دوسری عورت کے روبرو ننگی بیٹھ جاتی ہیں یہ بالکل گناہ اور سخت بے حیائی ہے۔

عورت کو اپنے محرم شرعی کے روبرو ناف سے زانوں تک اور کمر اور پیٹ کھولنا حرام ہے باقی سر اور چہرہ اور بازو اور پنڈلی کھولنا گناہ نہیں۔گو بعض اعضاء کا بلا ضرورت ظاہر کرنا مناسب بھی نہیں۔اور محرم شرعی وہ ہے جس سے عمر بھر کسی طرح نکاح صحیح ہونے کا احتمال نہ ہو مثلاً باپ، بیٹا، حقیقی بھائی یا علاتی بھائی یعنی باپ دونوں

کا ایک ہو اور ماں دو ہوں یا اخیافی بھائی یعنی ماں ایک ہو اور باپ دو ہوں یا ان بھائیوں کی اولاد ہو یا انہیں تین طرح کی بہنوں کی اولاد اور ان کی مثل جس جس سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہو۔ اور جس سے عمر میں کبھی نکاح صحیح ہونے کا احتمال ہو وہ شرعاً محرم نہیں بلکہ نامحرم ہے اور جو حکم شریعت میں محض اجنبی اور غیر آدمی کا ہے وہی ان کا ہے گو کسی قسم کا رشتہ قرابت کا رکھتا ہو جیسے چچا کا یا پھوپھی کا بیٹا یا ماموں کا یا خالہ کا بیٹا یا دیور یا بہنوئی یا نندوئی وغیرہ یہ سب نامحرم ہیں۔ ان سے وہی پرہیز ہے جو نامحرم سے ہوتا ہے چونکہ ایسے موقعوں پر فتنہ کا واقع ہونا سہل ہے اس لیے اور زیادہ احتیاط کا حکم ہے۔

(3) علماء نے فساد زمانہ کو دیکھ کر بعض محرموں کو مثل نامحرموں کے قرار دیا ہے بوجہ انتظام و احتیاط کے جیسے جوان خسر اور جوان عورت کا داماد اور شوہر کا بیٹا اور اس کی دوسری بیوی اور دودھ شریک بھائی وغیرہ۔ اہل تجربہ کو معلوم ہے جو کچھ ایسے رشتوں میں فتنہ فساد واقع ہو رہے ہیں۔

(4) جو شرعاً نامحرم ہو اس کے روبرو سر اور بازو اور پنڈلی وغیرہ بھی کھولنا حرام ہے۔ اگر بہت ہی مجبوری ہو مثلاً مشترکہ گھر ہونے کی وجہ سے کوئی رشتہ دار کثرت سے گھر میں آتا جاتا رہتا ہے اور گھر میں تنگی ہے کہ ہر وقت کا پردہ نبھ نہیں سکتا ایسی حالت میں جائز ہے کہ اپنا چہرہ اور دونوں ہاتھ کلائی کے جوڑ تک، دونوں پاؤں کے ٹخنے کے نیچے تک کھولے رکھے اور اس کے علاوہ اور کسی بدن کا کھولنا جائز نہ ہوگا۔ پس ایسی عورتوں کو لازم ہے کہ سر کو خوب ڈھانپیں۔ کرتا بڑی آستین کا پہنیں، پاجامہ غرارہ دار نہ پہنیں اور کلائی اور ٹخنے نہ کھلنے پائیں

(5) جس عضو کا دیکھنا حرام ہے، اگر معالجہ کی ضرورت سے دیکھا جائے تو جائز ہے بشرطیکہ نظر اس سے نہ بڑھائے۔

(6) نامحرم مرد عورت میں باہم ہم کلامی بھی بلا ضرورت ممنوع ہے اور ضرورت میں بھی فضول باتیں نہ کرے نہ ہنسے نہ مذاق کی کوئی بات کرے نہ اپنے لہجہ کو نرم کر کے گفتگو کرے۔

(7) گانے کی آواز مرد کی عورت کو یا عورت کی مرد کو سننا دونوں ممنوع ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ جو بعض جگہ عادت ہے کہ بعضے رسمی واعظ مناجات یا قصیدہ آواز بنا کر عورتوں کو سناتے ہیں یہ بہت برا ہے۔

(8) نامحرم جوان عورت کو سلام کرنا یا اس سے سلام لینا منع ہے۔

(9) مرد کا جھوٹا کھانا پینا محرم عورت کو اور عورت کا جھوٹا نامحرم مرد کو جب کہ احتمال لذت حاصل کرنے کا ہو مکروہ ہے۔

(10) جس طرح مرد کو اجازت نہیں کہ نامحرم عورت کو بلا ضرورت دیکھے بھالے اسی طرح عورت کو بھی جائز نہیں کہ بلا ضرورت نامحرم کو جھانکے۔

(11) ایسا باریک کپڑا پہننا جس میں بدن جھلکتا ہو برہنہ ہونے کے مثل ہے حدیث میں ایسے کپڑے

کی مذمت آئی ہے۔

(12) بجتا ہوا زیور جس کی آواز نامحرم کے کان میں جائے یا ایسی خوشبو جس کی مہک غیر محرم دماغ تک پہنچے استعمال کرنا عورتوں کو جائز نہیں۔

یہ بھی بے پردگی میں داخل ہے اور جو زیور خود نہ بجتا ہو مگر دوسری چیز سے لگ کر آواز دیتا ہو ایسے زیور میں یہ احتیاط واجب ہے کہ پاؤں زمین پر آہستہ رکھے تا کہ افشا نہ ہو۔ چھوٹی لڑکی کو بھی بجتا زیور نہ پہنایا جائے۔

(13) پیر بھی اگر نامحرم ہو تو مثل دوسرے نامحرم مردوں کے ہے اس کے روبر بلا حجاب آ جانا جائز نہیں۔

(14) اڑتالیس یا اس سے زائد میل کے سفر میں اگر کوئی مرد محرم ہمراہ نہ ہو تو عورت کو سفر کرنا حرام ہے۔

(15) عورت کو مساجد یا قبرستان میں پر جانا مکروہ ہے البتہ بہت بڑھیا کو مسجد میں حاضر ہونا جائز ہے۔

(16) عورتوں کو پردے کی وجہ سے سفر میں نماز قضاء کرنا جائز نہیں۔ نہ بس میں یا سواری میں بیٹھے بیٹھے نماز پڑھنا درست ہے۔ بلکہ چادر یا برقعہ پہن کر نیچے اتر کر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا واجب ہے۔ برقعہ کا پردہ ایسے وقت پر کافی ہے۔

جامعہ دارالتقویٰ لاہور نے عوام کے تمام شرعی مسائل، خواہ عبادات سے
متعلق ہوں یا معاملات و معاشرت سے، ان میں صحیح دینی راہنمائی کے لیے

دارالافتاء والتحقیق

کے نام سے ادارہ قائم کیا ہے۔ جہاں پر حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی
عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی زیرنگرانی مفتیانِ کرام
کا ایک بورڈ فتویٰ کی ذمہ داری سرانجام دیتا ہے۔

پتہ: دارالافتاء والتحقیق۔ الہلال مسجد۔ چوبرجی پارک، لاہور

فون نمبر: 042-741559، فیکس: 042-7404275

موبائلز: 0333-4672741 0300-4275177

0333-4400857 0321-4374616

ای میل ایڈریس: ifta4u@yahoo.com

fatwa_abdulwahid1@hotmail.com

ویب سائٹ: www.askfatwa.com